۹۶

اہلبیت اطہارؑ

کی

مختصر سوانح حیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اہلبیت اطہارؑ

کی

مختصر سوانح حیات

نام کتاب :- مختصر سوانح حیات اہلبیت اطہارؑ

مصنف :- حجۃ الاسلام عقیقی بخشائش

مترجم :- حجۃ الاسلام مولانا علی ارشاد نجفی

ناشر :- سازمان تبلیغات اسلامی

تعداد :- بیس ہزار

تاریخ :- جمادی الاول ۱۴۰۵ھ

کاتب :- سید رفیع کاملی

حجم :- ۴ × ۲۱

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	مقدمہ	۱
۲	رسول اکرم جناب محمد رسول اللہؐ	۸
۳	پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کے دور حیات کی ایک تصویر	۱۰
۴	بعثت اور رسالت قلم	۱۴
۵	شہادت	۱۸
۶	آپؐ کے عفو در گذر کے چند نمونے	۲۱
۷	حضرت علیؑ ابن ابیطالب	۲۶
۸	حضرت علیؑ غیر مسلم دانشمندوں کی نظر میں	۳۰
۹	علوی افکار کی حکومت	۳۹
۱۰	شہادت	۴۰
۱۱	جناب فاطمہ زہراؑ	۵۳
۱۲	سیدہ طاہرہ کی زندگی کا زمانہ	۵۸
۱۳	رحلت	۶۴
۱۴	امام حسنؑ	۶۵
۱۵	امام حسن کے بعض روحانی خصوصیات	۶۷
۱۶	صلح یا مسلمانوں کے خون کی حفاظت	۷۱

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱۷	امام حسینؑ	۷۷
۱۸	مکتب و نظریہ شہادت	۸۳
۱۹	استعمار کے خلاف قیامگاہ	۸۹
۲۰	عاشورہ ایک یورپی مورخ کی نگاہ میں	۹۶
۲۱	نسل انسانی کی عظیم شخصیت	۱۰۴
۲۲	عاشورہ حسینی	۱۱۰
۲۳	فلسفہ عزاداری	۱۱۱
۲۴	زینب کبریٰؑ	۱۱۷
۲۵	دربار شام میں کربلا کی دلیر خاتون کا خطبہ	۱۲۷
۲۶	کوفہ میں جناب ثانی زہرا کا خطبہ	۱۳۳
۲۷	اربعین حسینی خواتین اسلام کیلئے رزم و جہاد کا سبق	۱۳۵
۲۸	ایک طالبعلم کے اشعار	۱۳۹
۲۹	امام سجادؑ	۱۴۸
۳۰	حیرت انگیز انکشافات	۱۵۲
۳۱	حقوق بشر	۱۵۳
۳۲	شام میں حضرت کا پُرشور خطبہ	۱۵۶
۳۳	امام محمد باقرؑ	۱۵۷
۳۴	امام کے اخلاقی ارشادات کا ایک نمونہ	۱۶۲
۳۵	شہادت	۱۶۳
۳۶	امام جعفر صادقؑ	۱۶۶
۳۷	فقہ جعفری کے بانی	۱۶۹
۳۸	مکتبی مبارزہ کے بانی کی شہادت	۱۷۱

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۳۹	امام موسیٰ بن جعفرؑ	۱۸۰
۴۰	فکری مکتبوں کے ظہور کا زمانہ	۱۸۵
۴۱	علمی نہضت و بیداری کے علمبردار	۱۸۷
۴۲	شہادت	۱۹۱
۴۳	امام علی بن موسیٰ الرضاؑ	۲۰۲
۴۴	امام رضا اور ولایت فقیہ	۲۰۴
۴۵	شہادت	۲۰۸
۴۶	امام کے مختصر کلمات	۲۱۱
۴۷	امام محمد تقیؑ	۲۱۵
۴۸	امام کے القاب	۲۱۷
۴۹	شہادت	۲۲۴
۵۰	امام علی نقیؑ	۲۳۰
۵۱	دوستداران اہلبیت کے ساتھ خلفار کے رویہ کا ایک نمونہ	۲۳۲
۵۲	امام کے بارے میں علماء و مورخین کے آراء و خیالات	۲۳۴
۵۳	شہادت	۲۳۹
۵۴	امام حسن عسکریؑ	۲۴۴
۵۵	دور امامت	۲۴۶
۵۶	علمی منزلت	۲۴۸
۵۷	شہادت	۲۵۲
۵۸	شہادت کے بعد	۲۵۵
۵۹	امام زمانؑ	۲۶۲
۶۰	عظیم انتظار	۲۶۵
۶۱	ولادت نور	۲۶۸

مقدمہ

مکتب اہل بیت رسالت سے محبت و عقیدت اس امر کو واجب گردانتی ہے کہ اس پرفیض خاندان کے دوستداران و شیفتگان اس دوستی و محبت کی واقعی قدر و قیمت اور وجودی فلسفہ کو سمجھ کر اس عظیم خاندان کی معرفی اور اس کے پہچنوانے میں مؤثر قدم اٹھائیں اور ان معنوی بیش قیمت معلومات اور دریافتوں کو جو اس پرفیض مکتب سے انہیں حاصل ہوئی ہیں دوسرے عقیدتمندوں اور حق و معرفت کے رہروں تک بھی پہنچائیں۔

قرآن مجید رسالت کی اجرت و جزا خاندان رسالت سے محبت و دوستی کو قرار دیتا ہے اور اسلام کے پیغمبر عالیقدر کی زبان سے نقل کرتا ہے کہ میں اپنے خاندان سے محبت و دوستی کے سوا تم سے کوئی اجرت و جزا نہیں مانگتا ہوں۔

پیغمبر عالیقدر اسلام کی بیش قیمت وصیت یعنی دوستی و محبت اہل بیت طاہرین جو ہر انسانوں کی صلاح و سعادت کی حامل و ضامن ہے عمل در آمد اور اس کا اجرا اہل بیت رسالت کے افراد کی معرفت و شناسائی کی روشنی کے بغیر ممکن العمل نہیں ہے کیونکہ محبت و قلبی لگاؤ صرف معرفت و شناسائی کے ذریعہ ممکن الوقوع ہے اور ہرگز یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ پہچانے اور علم و آگاہی حاصل کئے بغیر دو فردوں کے

درمیان کوئی تعلق وجود میں آجائے، اس بنا پر سعادت وکمال کے تمام خواستگاروں اور تعلق رکھنے والوں پر لازم ہے کہ ان بیش بہا خزانوں کی تلاش وجستجو، اور مسلسل تحقیقی تلاش وجد وجہد میں ہمیشہ مصروف رہیں تاکہ اس وصیت وسفارش پیغمبرؐ کے رمز کو سمجھ سکیں اور اس کے انتہائی مقصد کو حاصل کریں کیونکہ پروردگار کا سعادت آفریں کلام ہرگز حکمت وباریکی سے خالی نہیں ہے اور سرکار رسالت کی وصیت کا مقصد رہروان راہ سعادت کے حصولِ کمال کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ ہم سب ہی بانی اسلامؐ کے طرز زندگی اور نیات صادقہ سے آگاہی وواقفیت رکھتے ہیں کہ ۔

آنحضرتؐ کا اُمت مسلمہ کو اہل بیتؑ اطہار سے محبت ودوستی کی وصیت کرنا اپنے خاندان سے محبت کے جذبہ اور اپنے خانوادہ اور قرابت داروں سے الفت کے جذبہ کی بنا پر نہیں تھا، کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنے مختصر دورِ حیاتِ طیبہ میں اپنے خاندان کے متعدد نامناسب افراد کو اپنے سے دور اور علحدہ فرمادیا ہے بلکہ آنحضرتؐ کا اصل مقصد پیغام رسالت کو زندہ محفوظ رکھنا اور رسالت کے مقاصد کو پائداری اور دوام بخشنا ہے، کیونکہ حضرتؐ کے دستورالعمل کو صحیح طور سے جاری رکھنا اور نزاکت کے ساتھ اس کی اشاعت پیغمبر اسلامؐ کی ذریتہ طاہرہ اور ائمہ معصومینؑ کی پیروی کے بغیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں ہے ۔

ان بزرگواروں کی نشوونما الٰہی تربیت کے پاک ماحول میں اور نبوی پاکیزہ طینت وسرشت کی بنیاد پر صورت پذیر ہوئی ہے، اور یہ تمام حضرات اپنے طور وطریق زندگی میں حصول رضائے الٰہی اور مقدس آسمانی میثاق کی تبلیغ کے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے خانوادۂ طاہرۂ رسالت نے امامت کے سنگین فرائض کی ادائگی اور الٰہی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں بڑی محنتیں، مشقتیں برداشت کی ہیں اور بیدریغ کوششیں صرف

کی ہیں اور کمال ایثار و جانفشانی کے ساتھ مصائب و حوادث کا مقابلہ کیا ہے تاکہ مقدس الٰہی امانت کو صحیح و سالم مسلمانوں تک پہنچا دیں، ان بزرگواروں کی فداکاری و جدوجہد کے ثبوت کیلئے یہی کافی ہے کہ ان بزرگواروں میں سے ہر ایک کے مختصر دور حیات پر اگر ہم نگاہ ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان بزرگواروں کی حیات طیبہ کا اہم ترین حصہ مبارزہ و جہاد، راہ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہونے، شہر بدری، نظر بندی، خانہ قید اور زندانوں میں قید و بند کی حالت میں گذرا ہے، وجہ صرف اتنی تھی کہ ستمگاران عصر نے لوگوں کو حبس دباؤ اور گھٹن کی زندگی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس زندگی سے لوگوں کو نجات دلانے کی یہ حضرات ہمیشہ کوشش و جدوجہد میں مشغول رہے، ان بزرگواروں کے مقصد کا مقدس ہونا اس سے ثابت و معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ناگوار امور کے باوجود کبھی بھی کسی معمولی ناخوشی یا ستمگروں اور لوگوں کے فردی و اجتماعی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے حکام وقت کے سامنے کبھی بھی عاجزی اور خشوع و خضوع اور خود سپردگی کا اظہار نہیں کیا اور یہ امر پروردگار عالم کے علم و آگاہی پر بہترین گواہ اور صادق ترین دلیل و حجت ہے کہ وہ اپنی امانت کس خانوادہ میں ودیعت فرمائے؟ اور کن باخدا انسانوں کو توحید کی علامت اور وحدانیت کے علمدار کی حیثیت سے معرفی فرمائے۔

ائمہ معصومینؑ میں سے ہر ایک کی تاریخ زندگی کا مطالعہ اس دعوے کا صادق ترین گواہ ہے کہ یہ تمام بزرگوار رسالت کے دستور العمل کے سچے تابع اور رسول خداؐ کے اصولی مبارزات اور سچی ہدایات کے واقعی پیرو اور تاسی کرنے والے تھے جن کا مقصد رضا و خوشنودی پروردگار کے حصول اور مخلوق خدا کی راحت و عافیت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

ہمارا اعتقادی ستون

علاوہ ان معنوی خصوصیات اور مفید و مصلح آثار کے جو کہ ائمہ معصومین کی تاریخ کے

مطالعہ میں مضمر ہیں۔ ایک دوسرا سبب بھی ہمیں اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ خاندان رسالت کے پُرفیض آستانہ کے بارے میں غور و فکر کریں اور ان کے عتبات عالیہ پر جبہہ سائی کریں یہ ہے کہ منصب امامت و رہبری کا پہچاننا ہمارے مذہب کے اعتقادی اصول میں سے ہے جو ان بزرگواروں کی اجتماعی و سیاسی و تربیتی طرز زندگی کی تحلیل و تجزیہ اور ان کی حقیقی شخصیت کو پہچانے بغیر ممکن اور قابل عمل نہیں ہے، اس بنا پر ہماری سعی و کوشش یہ رہی ہے کہ ان مقالوں کے سلسلہ میں جو ان بزرگواروں کی ولادت و رحلت کے دنوں کی مناسبت سے ترتیب دیئے گئے ہیں، جہاں تک ہمارے امکانی حدود میں تھا ان آسمانی نورانی چہروں اور شخصیتوں کی معرفی اور شناخت کرانے کی غرض سے خود اپنے لئے اور نئی عزیز جوان نسل کیلئے ہم کوئی قدم اٹھائیں اور ان بزرگواروں کے انوار درخشاں اور پُرفیض و مصلح مکتب سے خوشہ چینی کریں۔

اس لحاظ سے عالم بشریت کے واقعی رہبروں اور معصوم پیشواؤں یعنی اُن تقویٰ و فضیلت کے نمونوں اور آسمان روحانیت کے درخشاں انوار جو انسانی سعادت و سیادت کے رہنما ہیں، کی الہام بخش زندگی کے تمام گوشوں کا مطالعہ اور تحقیق اصلاح کن بھی ہے اور حرکت پیدا کرنے والا بھی، پُربرکت بھی ہے اور پُربار بھی، آسمان انسانیت کے ان درخشندہ ستاروں اور راہ سعادت و نیک بختی کے ان رہبروں کی اخلاقی و عملی خصوصیات کے بارے میں تعمق و دقت نظر کے ساتھ تحقیق و تلاش و جستجو بہت سبق آموز اور مفید اور ہماری زندگی کے لئے نمونہ اور ہر طرح سے توجہ و التفات کے قابل ہو گی

مغتنم فرصت

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد اس کا موقع ملا کہ ہمارے ملک اور

ہمارے انقلابی افراد کی قلمی تخلیقات اور منتشر مطبوعات پورے شوق اور دلچسپی کے ساتھ کتابی صورت اختیار کریں اور لوگ زیادہ سے زیادہ وقت اسلامی علوم و معارف کے سیکھنے سکھانے اور پڑھانے میں صرف کریں، تاکہ دم گھٹا دینے والی ضلالت و گمراہی کی تاریکی زائل ہونے کے بعد اور اس دورِ اختناق و گھٹن کے ختم ہو جانے کے ساتھ ہی اس بارے میں اپنی معلومات کو مکمل کریں تاکہ اسلامی خونیں قیام و انقلاب مبارزہ کی راہ میں سب سے آگے رہنے والے پیشواؤں اور رہبروں کا جو فرض ہم پر عائد ہوتا ہے اُسے ادا کریں۔

یہ ضعیف و ناتواں راقم (میں) جو بہت زمانے سے اس بات کا ذوق و شوق رکھتا تھا کہ ائمہ معصومینؑ، اللہ کے منتخب رہبروں کی زندگی کے متعلق اپنے مطالعوں کو تحریری و کتابی شکل دے، چنانچہ اس نے بھی موقع و فرصت کو غنیمت جانا کہ اپنی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنائے (بحمدہ تعالیٰ) سعادت و نیک بختی کا سرمایہ اور ایک دوسرا سبب توفیق اسے نصیب ہوا اور وہ اسلامی مسائل کی نشر و اشاعت کے وسائل و اسباب ہونا تھا، یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی کہ انہیں ایام میں ملک کے کئی اخبارات و رسائل کی طرف سے اس امر کا اعلان کیا گیا کہ ائمہ معصومین ع کی ولادت یا سوگواری رحلت کے سلسلہ میں اخبار کا ایک کالم ترتیب دیا جائے، اس لحاظ سے گویا اجباری توفیق تھی کہ ائمہ معصومین ع کی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔

چنانچہ مطالعہ کا ماحصل اور فکری نگارشات پہلے تو اخبارات میں تاریخوں کی مناسبت سے شائع ہوتے تھے اور خدا کے فضل سے یہ مضامین ان اخبارات کے اکثر مطالعہ کرنے والوں کے پُر اشتیاق استقبال کے مستحق اور اربابِ فضل و دانش کی توجہ و عنایت کا مرکز قرار پاتے رہے، اور راقم الحروف عالیقدر مبلغین اور جامعہ واعظین و

ذاکرین کی تشویق ومحبت کا سب سے زیادہ حقدار قرار دیا گیا یہاں تک کہ اس محترم طبقہ کے بعض حضرات نے بیان کیا کہ معصومینؑ کی ولادت یا سوگواری کی تاریخوں کے پہلے ہی سے اخبار کی اشاعت کا انتظار رہتا ہے تاکہ منبر پر جانے سے پہلے اس دن کے مخصوص مقالہ کا مطالعہ کرلیں تاکہ اجمالی طور پر اس روز کی مناسبت سے معصوم کی زندگی سے متعلق معلومات ذہن میں موجود رہیں۔

بہت بہت شکر کا مقام ہے کہ ایک سال اور کچھ دنوں کے بعد متفرق مطالب کو اخبار کے صفحات سے یکجا اور نظرثانی کر کے اب ایک کتاب اور مجموعہ کی شکل میں ارباب علم و دانش کی خدمت میں پیش ہے تاکہ میری ناقابل عمر کا ایک سبز ورق پاک و معصوم رہبروں کے آستانہ پر نذرانہ قرار پائے۔

راقم الحروف کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کتاب میں جو مطالب بھی جمع کئے گئے ہیں، ہرگز ان بزرگواروں کی زندگی کے تمام گوشوں کے جامع وحامل نہیں ہیں، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے کتابیں ضروری ہیں تاکہ کسی حد تک سیرتِ معصومین پر روشنی ڈالی جاسکے لیکن اس کتاب کی حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجمالی صورت سے فہرست کے طور پر معلومات واطلاعات کا خلاصہ خوانندگان محترم کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ بعد کے مطالعوں کیلئے اساس و بنیاد بن سکے۔

راقم الحروف خداوند متعال سے ان بزرگواروں کی حیاتِ طیبہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ غور و تحقیق و تکمیل کی توفیق کا خواستگار ہے تاکہ خود بہرہ مند ہونے کے ضمن میں ان بزرگ رہبروں کے علم و فضل اور منصب روحانی و رہبری کے خرمن سے وسیع تر اطلاعات و معلومات اس خاندان طاہرہ کے شیدائیوں اور دوستوں کی خدمت میں پیش کرسکے جو ہماری

مادی اور روحانی زندگی کیلئے مشعل راہ بنے۔

خداوند متعال سے معصوم و محبوب رہبروںؑ کے منصب امامت و رہبری اور فضیلت و روحانیت سے مکمل طور پر فیضیاب ہونے اور زاد آخرت کی جمع آوری کا خواستگار ہوں۔

مرداد ۱۳۵۹ھ، ماہ رمضان ۱۴۰۰ھ

تہران ـ عقیقی بخشائشی

ترجمہ: خرداد ۱۳۶۳ھ، ماہ رمضان ۱۴۰۴ھ

علی ارشاد النجفی

بسمہ سبحانہ وتعالیٰ

رسولِ اکرم جناب محمدؐ رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۲۷ رجب عالمِ بشریت کے نجات دہندۂ اعظم، پیغمبر ختمی مرتبت، سرخیل رسالت الٰہیہ (سرخیل انبیاء و مرسلین) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مبارک دن ہے، وہ رسول جنہوں نے اپنی مقدّس تبلیغ کے ذریعہ دنیا کو جہالت و نادانی وگمراہی سے رشد و ہدایت و نور و فضیلت کی طرف اور مادیت و مادہ پرستی سے روحانیت اور انسانی شرافت کی طرف دعوت دی، اور جنہوں نے اپنی بعثت کا آغاز خدا کے مقدّس نام سے مدد لیتے ہوئے قلم اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی تعلیمات سے فرمایا، وہی قلم جو انسانوں کی عظیم برتری اور امتیاز کا سبب ہے بلکہ جو دوسری موجودات کے مقابلہ میں انسان کے ممتاز ہونے کا تنہا وسیلہ و ذریعہ ہے۔

مقصد بعثت :-

بعثت عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ابھارنا، اٹھانا، آمادہ کرنا، لیکن خدا کے متعال کی جانب سے بعثت بہت وسیع معنی کا حامل ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے جس کے بہت ہی سادہ اور بہت ہی واضح مصداق یہ

ہیں: بعثت یعنی ابھارنا شرک کے خلاف، ابھارنا جہالت کے خلاف، فساد کے خلاف، آمادہ کرنا نسل پرستی کے خلاف، خود غرضی کے خلاف، ناحق جلب منفعت کے خلاف، بعثت قید و بند اور غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے واسطے، وہ غلامی خواہ مال و شہوات کی ہو خواہ خرافات و موہومات کی۔ بعثت زمانہ کے طاغوتوں، مستکبروں اور جھوٹوں کے خلاف۔ قرآن مجید کی نورانی آیتیں بعثت کے ان تمام معانی کی تائید و تفسیر کرتی ہے۔

آج انسانی آبادی کا چوتھائی حصہ جس کی تعداد تقریباً ایک ارب نفوس تک ہے اور دنیا کے تقریباً پچاس وسیع و عریض اسلامی ممالک ہیں کہ جہاں اسلامی پرچم بڑی آن بان سے لہرا رہے ہیں پیغام محمدیؐ کی فرماں روائی ہے اور مسلمان روزانہ صبح، ظہر اور شام کے وقت نہایت تعظیم و احترام کے ساتھ اس مقدس پیغمبر کو یاد کرتے ہیں اور اپنی نمازوں اور دعاؤں میں اس مرسل اعظم کے مبارک نام کا ورد کرتے اور آنحضرتؐ سے مدد و نصرت حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی بھی رسالت کا مقصد اور اس کی اصل غرض و غایت اور اس کا حقیقی مفہوم مسلمانان عالم پر صحیح طور سے روشن نہیں ہوا ہے، کیونکہ اکثر مسلمانوں کے اعمال و عملیات اسلام کی نورانی تعلیمات کو مخلوط کرنے میں موثر کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

اب سے ٹھیک چودہ سو ستاون [۱۴۵۷] سال قبل مکہ کی خشک و بے آب و گیاہ سرزمین پر خاندان عبد المطلب میں ایک نومولود نے دائرہ حیات میں قدم رکھا جس نے چالیس سال کے بعد انسانوں کی فکری و اجتماعی و اخلاقی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا اور آزادی، رہائی و آسودگی، علم و دانش فضیلت و پرہیزگاری اور خدا شناسی کے صحیح نظریہ کو اہل عالم کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا۔

آنحضرتؐ کے وجود مسعود کا ستارہ تاریخ ۱۷ ربیع الاول سنہ عام الفیل (جس

سال حبشیوں نے ابرہہ کی سرکردگی میں خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر خانۂ کعبہ پر حملہ کیا تھا، اس سال کو عربوں نے سنہ عام الفیل کے نام سے تاریخ جاہلیت کے سال کا آغاز قرار دیا) مطابق ۵۷۰ء منصۂ طلوع پر جلوہ گر ہوا اور پھر فضل و عنایت الٰہی کے سہارے بہت ہی مختصر مدت میں ایک دنیا کو متغیر و منقلب کر دیا۔

آپؐ کے جد بزرگوار جناب عبدالمطلب نے آپؐ کا نام محمدؐ (یعنی حمد و ثنائے پروردگار کے راز اور اس کے بجالانے والا) رکھا۔ مرسل اعظمؐ نے ایسے زمانہ میں تبلیغ رسالت پر ماموریت حاصل کی جب جہالت و ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں سارے عالم کی فضاؤں پر چھائی ہوئی تھیں، جس وقت توحید و خداشناسی کی آوازیں خاموش تھیں اور تلواروں کی جھنکار اور کھٹا کھٹ کی آوازوں اور بے گناہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کی فریادوں اور نالوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ فقر و فاقہ و محرومیت، جہالت و بے علمی، دوسروں کی حق تلفی اور صرف اپنے لئے حصول منفعت کی کوشش، استحصال[1] و استثمار[1]، قتل و غارتگری، جنگ و جدال، لوٹ کھسوٹ "تاراج"، اولادکشی اور محروموں کو مزید کمزور کرنے کی تدبیریں، غرض ایسے ہی صفات مذمومہ کی پورے جزیرۃ العرب پر حکومت تھی، نتیجہ وہاں کے عوام اخلاقی و روحانی اعتبار سے انتہائی پستی اور قعر مذلت میں گر چکے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کے دورِ حیات طیبہ کی ایک تصویر:

امیر المومنین حضرت علیؑ تاریخ اسلام کی ایک زبردست شخصیت جو ولادت

---

[1] رتہ۔ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ دوسرے کی محنت و زحمت سے حاصل ہونے والے فائدہ پر زبردستی خود قابض ہو جانا

اور پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت سے دوسرے ہر مؤرخ اور ہر جامعہ شناس کے مقابلہ میں بہتر اور متکلم تر تھے، نے نہج البلاغہ میں زمانۂ قبل بعثت کی حالت و کیفیت بیان فرمائی ہے، چنانچہ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:-

"خداوند متعال نے اپنے عظیم پیغمبرؐ کو ایسے زمانہ میں مبعوث فرمایا جب ایک عرصہ سے کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا تھا، نتیجۃً قومیں طویل خواب غفلت میں جا پڑی تھیں، عملیات کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، ہر طرف جنگوں کی آگ بھڑک رہی تھی اور جہالت و گناہ کی ظلمتوں نے دنیا کو تیرہ و تاریک کر دیا تھا، فریب کاری اور دھوکہ بازی کی علانیہ طور سے جامعۂ بشریت پر حکمرانی تھی، بشر کے رشد و ہدایت و ترقیات زندگی کے پتے مرجھا کر زرد ہو چکے تھے، اور بدبختی و بدنصیبی اپنے کریہہ و بدنما چہرہ کے ساتھ انسانوں کی حالت پر مسکرا رہی تھی، فتنہ و فساد اور بدبختی کا ماحصل سوائے پریشانی اور تباہی کے اور کچھ نہ تھا، خوف و ہراس اور خطرات کے بادل دلوں پر چھائے ہوئے تھے، عوام میں کوئی فرد اپنے کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا اور حکام جور کی خون آشام تلواروں کے مقابلہ میں کسی قسم کی کوئی پناہ گاہ موجود نہ تھی ....."

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اسی نہج البلاغہ میں ایک دوسرے مقام پر اس زمانہ کی کیفیت اور اس زمانہ کے لوگوں کے طرز زندگی کی بہترین تصویر کشی اور عنوان رسالت الٰہیہ حضرت مرسل اعظمؐ کے مبعوث ہونے کی تعریف و توصیف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

"خداوند متعال نے حضرت محمدؐ کو نبی بنا کر بھیجا تا کہ اہل عالم کو ان غلط طور طریقوں سے ہوشیار خبردار کریں جنہیں وہ لوگ اپنائے ہوئے تھے، اور آنحضرتؐ کو (خدا نے) اپنے آسمانی احکام و قوانین کا امانتدار بنایا، وہ ایسا زمانہ تھا اے گروہ عرب کہ تم

لوگ بدترین دین رکھتے تھے اور بدترین حالات میں زندگی گذار رہے تھے، تم کھردری سخت اور سنگلاخ زمینوں اور زہریلے سانپوں کے انبوہ کثیر کے درمیان سوتے تھے، گدلے جوہڑوں کا پانی جس پر کائی اور مٹی جمی رہتی تھی پیتے تھے اور نامناسب غذائیں کھاتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے، اپنے عزیزوں اور قرابت داروں سے قرابت کے رشتے قطع کر دیتے تھے اور ان سے جنگ پر آمادہ ہو جاتے تھے تمہارے درمیان بتوں کی پرستش عام طور پر رائج تھی اور گناہوں اور بدعنوانیوں نے تمہارے دست و بازو اور فکر و شعور پر مکمل قبضہ کر لیا تھا۔

یہ زور و زبردستی اور سیم و زر کی حکومت اور عوام کی بے کسی و بے بسی فقط عربستان کیلئے مخصوص اور اسی تک محدود نہیں تھی بلکہ دنیا کے بہت سے خطوں اور علاقوں جیسے حکومت شاہنشاہی ایران، مشرقی روم کی شاہنشاہیت، ہندوستان، چین، جاپان اور اس زمانہ کے دوسرے کئی آباد علاقوں میں بھی عربستان ہی جیسی کیفیت تھی، اس کیفیت کو فقط ایک چھوٹے سے جملہ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ طلوع فجر رسالت کے زمانہ میں دنیا ایک وحشتناک اور سیاہ تاریکی اور انسان کو پاگل کر دینے والی انتہائی افراتفری کی حالت میں زندگی گذار رہی تھی۔

ایسے وحشت آمیز حالات اور گھٹن میں مبتلا کرنے والی فضا تھی جس میں سرکار کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ص کی روح بخش تبلیغ رسالت کا آغاز ہوا جس نے اوضاعِ عالم کو یکسر متغیر و منقلب کر دیا، آپؐ الٰہی پیغام کے حامل، رحمت کے بشارت دہندہ اور آسمانی مژدہ تھے اور خداوند متعال کے لطف و عنایت کے سہارے بہت ہی مختصر مدت میں دنیا کو مادہ پسندی اور حیوان صفتی سے انسانی مدارج کی اعلیٰ ترین منزل اور اخلاق کریمہ و صفات حمیدہ فاضلہ

کی طرف لانے میں کامیاب ہوسکے، اور صراطِ مستقیم، سراسر عدل و انصاف کے نظام اور عدالت الٰہیہ کی طرف رہنمائی فرمائی اور جامعہ بشریت کو بالکل صاف اور سیدھے راستہ پر چلادیا لطف الٰہی تھا کہ آپؐ کی صدائے دعوت الی الحق اتنی بلندی پر پہنچ جائے کہ اس وقت سے اب تک اس طویل مدت میں اس آواز کی گونج فضائے عالم میں سنائی دیتی رہے۔ یہاں تک کہ ساڑھے چودہ سو سال کے بعد تقریباً ایک ارب افراد انسانی جو کل انسانی جمعیت کی ایک چوتھائی کے برابر ہیں اپنے مسلک و مذہب کا پیرو بنائے، آج مسلمانوں کے لاکھوں لاکھ افراد چین کے دور ترین خطہ سے لیکر ایشیاء کے کناروں تک، مشرق سے مغرب تک روزانہ کئی بار آپ کا نام انتہائی احترام و تعظیم اور کمال شوق و اشتیاق کے ساتھ پکارتے ہیں اور آپ کے شیدائیوں کے دل آپ کے کعبۂ وجود کی طرف مائل و متوجہ رہتے ہیں۔

آج آپ کے تمام پیرو اس بات کی کوشش میں مصروف ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں تمام مسلمانان عالم کا ایک یونٹ اور ان کا ایک ناقابل شکست متحدہ محاذ بن جائے جن بڑی طاقتوں نے دنیا کو وحشت و اضطراب کے گرداب میں پھنسا دیا ہے، آپؐ کی تبلیغ میں کامیابی اور آپؐ کے لائے ہوئے قوانین کے نفوذ کا راز اس امر میں پوشیدہ ہے کہ آنحضرتؐ جو تعلیمات اور جو دستور لائے ہیں ان کا مجموعہ ایسے امکانات اور ایسی صلاحیت و جاذبیت کا حامل ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں تا قیام قیامت قابل تطبیق اور لائق عمل ہوسکتا ہے اور دنیا کی گوناگوں نسلوں کی سعادت و خوش بختی کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے اور روز بروز اپنے نفوذ و اجراء کے دائرہ کو وسیع تر کرتا ہے، کیونکہ یہ تعلیمات طبیعی قطعاً ناقابل تغیر و تبدیل ہیں جو قانون اور دستور مرسل اعظمؐ نے پیش فرمایا ہے وہ فکری و شعوری اعتبار سے عمیق و اصیل ہے اور اجتماعی اعتبار سے نجات دہندہ اور ناجائز تبعیضات و ترجیحات کا دشمن ہے اور انسانی لحاظ سے

افرادِ انسانی کے درمیان میل جول قائم کرنے والا ہے چنانچہ شروع ہی میں قبائل عرب کے افراد کے درمیان بہت ہی کم مدت میں بہت مستحکم میل جول اور بے حد طاقتور اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا، آپؐ انسانی والٰہی عظیم درسگاہ کے مؤسس و بانی تھے کہ تھوڑی ہی مدت میں اپنی تعلیم و تربیت کے گہوارے سے ایسے ہونہار با استعداد و صلاحیت اور عالی قدر شاگردوں کو زیور تربیت سے آراستہ کیا کہ ان میں ہر ایک طالب علم اپنی جگہ پر خود دنیائے اسلام کیلئے ایک مدرس و معلم بن گیا۔

بعثت اور رسالت قلم

آنحضرتؐ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ آپؐ پر آیات رحمت کی بارش شروع ہوگئی اور خدائے واحد و یکتا کی جانب سے آواز آئی کہ "پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے کہ جس نے تمہیں خون بستہ سے پیدا کیا، پڑھو اپنے خدائے بزرگ و برتر کے نام سے وہ خدا جس نے قلم کے وسیلہ سے تمہیں تعلیم دی۔"

"اے محمدؐ! ڈرو نہیں، میں ہوں تمہارا خدا، اور جو میں کہتا ہوں اُسے پڑھو۔"

ان باتوں سے نبیؐ کے دل کو سکون ملا اور رسالت کی ذمہ داریاں آپؐ کے دوش اقدس پر ڈال دی گئیں، آپؐ اس راہ دشوار گذار میں آبدیدہ بھی ہوئے، آپؐ کی پوری گرانقدر زندگی میں اوسطاً ہر باون روز میں ایک مرتبہ جنگ نظامی (سریہ جس میں صرف فوج میدان میں آگئی) واقع ہوئی اور ۸۳ غزوے واقع ہوئے جن میں آپؐ خود بہ نفس نفیس شریک رہے، اور مردوں میں آپؐ کے سب سے پہلے مددگار و حامی و ہمراہی ایک کمسن یعنی حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام جن کا سن مبارک نو یا دس سال کا تھا، اور عورتوں میں سب سے پہلی حامی و مددگار ——— آپؐ کی بیکس و وفادار و فداکاری زوجہ محترمہ جناب خدیجۃ الکبریٰ تھیں جنہوں نے اپنی بے شمار دولت و ثروت اور عظیم ملکیت سے

اپنے شوہر بزرگوار و نامدار کی مدد و نصرت کی۔

قلم پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ میں اسقدر عجیب اور انوکھی چیز تھی کہ مکہ جیسے تجارتی شہر میں گیارہ افراد سے زیادہ اور اُس زمانہ کے متمدن شہر میں ۷ افراد سے زیادہ اہل علم کا وجود نہیں تھا اور پورے عربستان کے طول و عرض میں اہل قلم اور تجربہ سے آشنا افراد کی تعداد ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد سے زیادہ نہیں تھی۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ پہلا سورہ جو پیغمبر خداؐ پر نازل ہوا اس نے قلم اور اس کی قدر و قیمت کے بارے میں سخن رانی کی ہے، اسی طرح دوسرے سوروں میں قلم اور اس کی نگارشات کی قسم کھائی گئی ہے اور یہ رسالت (پیغمبرؐ کا) بزرگ ترین معجزہ اور بہت بڑی نشانی تھی کہ رسالت الٰہیہ نے قلم (جیسی نعمت عظمیٰ) کو کس طرح دریافت کرلیا ہے اور اس کی قدر و قیمت کو رسالت الٰہیہ کی آرزو بر لانے اور انسانیت کی بہبود و ترقی کیلئے (بہترین وسیلہ کے طور پر) تجویز کیا ہے اس کے بعد پورے تین سال تک پروردگار عالم کی طرف سے نبیؐ پر ہر قسم کے پیغام کے نزول کا سلسلہ منقطع رہتا ہے اور نبیؐ اس وادی ظلمت میں تنہا رہ جاتے ہیں لیکن دعوت الی اللہ سے دستکش نہیں ہوتے بلکہ فریضہ تبلیغ کی ادائگی میں مکمل استقلال و پامردی کا ثبوت دیتے ہیں (اور تبلیغ رسالت کے کام میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں)۔

تین سال تک خفیہ طور پر اور پوری رازداری کے ساتھ آپؐ کے مبارزہ اور دعوت الی اللہ میں مشغول رہنے کے بعد رب کریم نے آپؐ کو ہر طرح کامیاب و فائز المرام پایا اور آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ ہمکلامی کا فخر و شرف عنایت فرمایا اور آپؐ کو بعنوان تسکین و تسلی یہ مژدہ جانفزا دیا کہ تمہارا دین عالمگیر ہوگا اور ساری دنیا پر چھا جائے گا اور ساتھ ہی تمہارا پُر افتخار نام بھی ہمیشہ قائم و جاوداں رہیگا۔

عین انہیں حالات میں دوسری طرف (اہل مکہ کی طرف سے) دھمکیوں کے ذریعہ اور کبھی لالچ دلاکر پیغمبرؐ کو رسالت الٰہیہ کی تبلیغ سے باز رکھنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے یہانتک کہ

وہ لوگ پیغمبرؐ کے پاس یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ محمدؐ! آپؐ اپنی دعوت سے دست بردار ہو جائیں تو ہم کثیر دولت اور دختران عرب میں سے حسین و جمیل ترین عورت آپؐ کو دینے کیلئے آمادہ ہیں اور پیغمبرؐ کمال صراحت اور انتہائی اطمینان کے ساتھ صاف صاف الفاظ میں دوٹوک جواب جیسا کہ خالصانِ خدا اور رہروانِ حقیقت کا مخصوص وطیرہ ہے! انہیں دیتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر سورج کو میرے داہنے ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں دیدیں جب بھی میں پیغامِ الٰہی کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا اور جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے اسی راہ میں جس میں قدم رکھ چکا ہوں گامزن رہونگا' اور تمہارے زمانہ کے تمام بتوں کو توڑوں گا۔ اب جبکہ جہالِ عرب لالچ دلانے سے مایوس ہو گئے تو پھر سے دھمکیاں دینی شروع کر دیں، آپؐ کا اور آپؐ کے تمام اصحاب اور ہمراہیوں کا بائیکاٹ کیا، اور اقتصادی رابطہ قطع کرنے اور شعب ابوطالب میں محصور کرنے کے بعد مزید اقتصادی بائیکاٹ جاری رکھنے والی دھمکیاں دینی شروع کر دیں، آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے تین سال تک بدترین اقتصادی مشکلات اور مالی (و غذائی) پریشانیوں میں زندگی بسر کی۔ آپؐ کی ثروت مند زوجہ محترمہ جناب خدیجہؓ نے اپنی تمام ملکیت اور سارا مال و منال جو تجارت کے ذریعہ حاصل کیا تھا سب اسلام کو طاقتور بنانے اور اسے مستحکم کرنے میں بغیر کسی شائبہ کے دیا اور احسان جتانے اور بغیر کسی تظاہر و تفاخر کے خرچ کر دیا چنانچہ یہ بائیکاٹ اور یہ مشکلات بھی بے اثر ثابت ہوئیں اور پیغمبرؐ اور آپؐ کے ہمراہیوں کو اس صراطِ مستقیم سے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک تھا باز نہ رکھ سکیں جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ اہلِ مکہ کی طرف سے روز بروز نت نئی مخالفتیں اٹھتی رہیں اور طرح طرح کی تکلیفوں اور سختیوں کا سلسلہ برابر جاری و قائم رہا اور روزانہ نئی نئی شکلوں اور نئے نئے انداز سے مخالفتوں اور عداوتوں کا مظاہرہ ہوتا رہا۔

ہجرت

ہجرت سختیوں اور ایذاؤں سے رہائی حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرا قدم تھا لائق توجہ یہ امر ہے کہ تاریخ اسلام کا مبدا و آغاز مکے سے پیغمبرؐ کی ہجرت ہی قرار پایا ہے۔ اس اثناء میں بہت سے لوگ ایمان لائے اور راہِ ہدایت پا گئے۔ جو لوگ بہت دور رہتے تھے جیسے فارس اور دوسرے علاقے وہاں سے بھی لوگ وحی الہی کو سننے کیلئے جوق در جوق آکر جمع ہو گئے، روحانی بیداری اور ایمان باللہ کے نتیجے میں عربستان مکمل انقلاب کی طرف مائل و راغب ہو گیا۔ فتح مکہ پیغمبرؐ کی سب سے پہلی شاندار فتح تھی جس نے تمام دشمنان اسلام کو مرعوب کر دیا اور الٰہی مدد و نصرت اور فتح و فیروزی نے پیروانِ اسلام کو روئے زمین پر بشارت دی اور مسلمان شادمان و خوشحال ہوئے۔ آیات الٰہیہ یکے بعد دیگرے پیغمبرؐ پر نازل ہوتی رہیں اور مسلمان اجتماعی و روحانی زندگی کی راہ میں ثابت قدمی کے ساتھ گامزن ہوتے گئے۔

امیدِ امت

اسلام کی گراں بہا تعلیمات کی حامل حکومت الٰہیہ زمانہ پیغمبرؐ کے بعد سے اب تک پوری تاریخ میں طرح طرح کے نشیب و فراز سے دوچار رہی ہے، قرآن حکیم کے حقیقی پیرو (ہر زمانہ میں) "نعرہ حکومت الٰہیہ" کے سایہ میں ثابت قدم رہ کر شدید ترین شکنجوں اور بدترین حکومتوں (اور ان کے مظالم) کو برداشت کرتے رہے ہیں۔ لیکن اب ایران کے حقیقی اسلامی انقلاب نے تعلیمات اسلام سے استفادہ و استفاضہ کرتے ہوئے اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانوادۂ طاہرہ کے ایک مردِ باخدا، صاحب فضیلت و تقوائے

حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی (دام ظلہ العالی) کی قیادت و رہبری میں دنیا کے اس چھوٹے سے خطہ میں رسالت کی نجات بخش ندا کو تقویت دی ہے اور نئے سرے سے دنیا والوں کو اس آواز سے آشنا کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں دوسری جابر و ظالم حکومتوں کے ہاتھوں مجبور و بے بس اسلامی اقوام کے اندر پیدا ہونے والا شعور اور بیداری سے رحمانی بشارت کے متحقق ہونے کی توقع اور کشائش کا انتظار ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ روئے زمین کی حکومت (انشاءاللہ) انہیں مظلوموں اور مجبوروں کے قبضہ میں ہوگی اور وہ دن آئے گا جب صرف یہی مستضعفین روئے زمین کی حکومت کے لائق وارث ہوں گے۔

ہم اس نور رحمت کی بعثت اور خداوند متعال کے عدل و انصاف کے اس ظہور کی تمام مسلمانانِ عالم کو عموماً اور مخصوصاً رہبر بزرگ انقلاب اسلامی ایران کی خدمت میں اور اپنے تمام مجاہد و انقلابی ہموطنوں کو تہنیت و مبارکباد دیتے ہیں اس دن کی امید میں کہ ہم سب کے سب رسالت کی رہائی بخش تعلیمات کے زیر سایہ رسالت کی اصل آرزو اور بعثت کی انتہائی غرض و غایت کو پالیں اور ملک ایران کو پیغمبر عالی قدرؐ اسلام کی تعلیمات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا بہترین مظہر بنا دیں۔

شہادت

پیغمبرؐ اسلام کی رحلت

۲۸ صفر انسانیت کے رہبر اعظم عالم بشریت کے نجات دہندہ پیغمبر رحمت امین وحیِ الٰہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانگداز رحلت کی برسی کا دن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے سوانح حیات جو مژدہ نجات دینے والے اور بیداری و شعور پیدا کرنے

والے تھے، میں سے بعض کا مطالعہ و تحقیق ملت مسلمان کی انقلابی بیداری کیلئے مفید و مؤثر ثابت ہو۔

حیاتِ مقدس کی یاد

تاریخ ۲۸ صفر اس پیغمبرؐ گرامی قدر کے سالہا سال کے رنج و غم، تکالیف و مصائب کی یاد دلاتی ہے جنہوں نے کامل ۲۳ سال تک شرک، بت پرستی اور طاغوت گری جیسے اسباب فساد و تباہی کے مقابلہ میں صبر آزما اور طاقت فرسا پیہم مبارزہ و مقابلہ کی بنیاد ڈالی اور اسی میں مشغول رہے اور آخر کار اسی دن یعنی ۲۸ صفر کو ۶۳ سال کی عمر مبارک میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی اور ملاء اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔

آپؐ کی پُرافتخار حیات طیبہ کا صحیفہ کرم، مروت، عفو و درگذر، ایثار و ہمدردی حق و اسلام کی راہ میں استقامت و پائداری، استقلال و پامردی و فداکاری، توحید و وحدانیت پرستی اور انسان سازی کی راہ میں مبارزہ و پیکار جیسے صفات حمیدہ و خصائل پسندیدہ سے پُر و معمور ہے، آپؐ نے جو پروردگار عالم کی جانب سے مبعوث اور رسالت الٰہیہ کے پیغامبر اور خالقِ واحد و یکتا کی طرف سے منتخب تھے اپنے مقدس وظیفہ کی ادائگی کے سلسلہ میں آخری حد تک اپنی سعی و کوشش صرف کر دی اور ایک مختصر سے عرصہ میں ایسے جامع اصول دنیا والوں کے سامنے پیش فرمائے جن کی پوری رعایت و پابندی ترجیح بلا مرجح، خود خواہی اور صرف اپنا فائدہ چاہنا) جہالت اور بدبختی کو فضاء بشریت سے نکال باہر کر سکتی ہے اور ان کی جگہ پر مساوات، اخوت و برادری، باہمی تعاون اور علم اور نیک بخت بنانے والے دوسرے اسباب و صفات کی مستحکم بنیاد رکھ سکتی ہے۔

آنحضرتؐ جو کسی دنیاوی گہوارہ، تہذیب و تمدن کے تربیت یافتہ نہ تھے اور اپنی

بعثت و تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں صرف غیبی طاقت سے استفادہ کرتے اور تحصیل درس فرماتے تھے کا اعتماد و بھروسہ صرف اپنے ایمان اور روحانیت پر تھا، آغاز کار میں یکہ و تنہا (اپنی ماموریت کی تبلیغ کیلئے) قیام فرمایا اور تھوڑے ہی زمانہ میں یعنی فقط ۲۳ سال کی قلیل مدت میں غلامی، قید و بند فضول اوہام و خرافات، جہالت و عصبیت کی زنجیروں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ممکن ہو گیا اور تعصب اور وحشی گری کے بندھنوں کو انسانوں اور جامعہ بشریت کے دست و بازو سے کھول کر پھینک سکے اور پسماندہ اور کچلی ہوئی قوم کو ہیچ (کچھ نہیں) سے ہمہ چیز (سب کچھ) کی منزل تک پہنچا سکے۔ مسلمانوں اور معتقدین اسلام کے واسطے حکومت، سرداری، آزادی اور آزاد اندیشی (فکری آزادی) بطور تحفہ و سوغات لائے۔ قرآن مجید بہترین انداز سے اس کی تعبیر ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (آیہ الاعراف)

"وہ نبی امی جو .... ان کے وبال کو اور ان کے ان طوقوں کو جو ان کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں دور کرتا ہے۔"

آپ وہ الٰہی شجاع عظیم تھے کہ صرف اپنی عظیم ایمانی و روحانی قوت اور اپنی کوشش اور سعی پیہم سے عرب کے متفرق اور وحشی قبائل کو متحد و طاقتور کر سکے اور انہیں اتنا توانا بنا سکے اپنے اندر روم و فارس کی پُر جاہ و جلال و شان و شوکت امپریلسٹی حکومتوں سے ٹکر لینے اور مقابلہ کرنے کی طاقت محسوس کرنے لگیں اور ان شہنشاہیتوں کو بدترین ہزیمت و شکست سے دوچار کر دیں اور ملت مسلمان کو دستور و قانون اور آرزوؤں میں متحد و صف بستہ کر دیں۔

آنحضرتؐ کی پُر افتخار زندگی ایسی انسانی و روحانی گرانقدر و بیش بہا میراثوں سے پُر ہے جن کی نظیر و مثال عالم بشریت کی نگاہوں نے بہت ہی کم دیکھی ہو گی۔

آپ کی مقدس ذات استقامت و پائداری، بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا ایک واضح

و روشن نمونہ تھی جس کی روشن ترین تجلی آپؐ کی اس گفتگو میں جلوہ گر نظر آتی ہے جو آپؐ نے اپنے عم محترم جناب ابوطالب سے کی تھی، جہاں حضرتؐ فرماتے ہیں:

"خدائے لایزال کی قسم اگر اعراب اس بات پر قدرت رکھتے ہوں کہ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ میں اور ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ میں دیدیں جب بھی میں اپنی دعوت توحیدی سے دستبردار نہیں ہونگا۔"

آپؐ کا یہ کلام آپؐ کے آہنی ارادہ اور الٰہی عزم بالجزم کو ظاہر کرتا ہے اور اس اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے جس کا آپؐ اپنے بلند ہدف و مقصد کے بارے میں اعتقاد و ایمان رکھتے تھے اور اسے عشق کی حد تک محبوب رکھتے تھے۔

آپؐ کے عفو و درگذر کے چند نمونے

آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ اور طرز زندگی کا مطالعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپؐ کا وجود مقدس صفات اضداد سے مرکب تھا اگر ایک طرف صفت رزم و پیکار موسویؑ کے حامل تھے تو اس کے ساتھ ہی دوسری طرف صفت حلم و بردباری عیسویؑ کے آئینہ دار تھے، یہ صحیح کہ کسی دن میدان جنگ میں آپؐ کی تلوار سے خون ٹپکتا ہوتا لیکن دوسری طرف معاشرت میں حضرت عیسیٰؑ سے بھی نرم تر تھے، اس مزاحمت کرنے والے یہودی کے معاملہ پر غور کرو جو روزانہ آپؐ کے سر اقدس پر راکھ اور کوڑا پھینکتا ہے لیکن جب دو روز اس کی اس بیہودہ حرکت میں ناغہ ہوتا ہے تو صاحب خلق عظیم پے ہمراہیوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ "یہ ہمارا رفیق دو روز ہو گئے کہ ہمارے سراغ میں نہیں آیا" اور جب یہ سنتے ہیں کہ وہ بیمار ہے تو جلدی سے اس کی عیادت کو تشریف لیجاتے ہیں اور اس کی مزاج پرسی اور دلجوئی فرماتے ہیں باوجودیکہ آپؐ اتنی طاقت و توانائی رکھتے تھے کہ اس سے انتقام لے لیتے۔

انتہائی طاقت و توانائی حاصل کر لینے کے بعد جبکہ مسلمانوں کی دس ہزار افراد کی فوج نے مکہ پر قبضہ کر لیا تھا اس وقت وہ پیغمبر جو مسند قدرت و حکومت اسلامی پر متمکن تھے، عیسوی ہیئت و علامت کے ساتھ دیوار کعبہ کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں اور ابوسفیان، ابوجہل اور عکرمہ (وغیرہ) جو اس انتظار میں حواس باختہ ہو رہے تھے کہ اب ان سے انتقام لیا جائے گا کی طرف رخ کر کے رحم و کرم اور درگذر سے مالا مال روح کے ساتھ آواز دیتے ہیں:۔

"جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ آپ نے جو فکری و معنوی، اقتصادی و اجتماعی اور سیاسی و اخلاقی تعلیمات، فرمودات، احکام و ارشادات ۲۳ سال کی مدت میں عالم بشریت کے سامنے پیش فرمائے ہیں وہ ایسی بہترین عملی اور لائق تاسی سیرت و روش کا مجموعہ ہے جس کو اسلامی انقلاب و متحرک جامعہ اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دے سکتا ہے اور اپنے کو سدھارنے سنوارنے اور درست کرنے میں اس اسوۂ حسنہ پر مکمل بھروسہ کر سکتا ہے اور اپنے کو غیر اقوام کی فلسفی اور فرہنگی وابستگیوں سے نجات دے سکتا ہے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کے رأفت و رحمت، مہربانی و عطوفت رحم و کرم سچائی اور خلوص کے اصول اس قابل ہیں کہ ہمارے فوجی دلیروں کیلئے نمونۂ عمل بنیں اور وہ ان کی تاسی کریں
خداوند عالم نے قرآن مجید میں آپ کے بے شمار صفات حمیدہ میں سے حُسنِ خُلق کی صفت اور مومنین کی معاشرتی روش کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

"والذین معہ الایہ" یعنی وہ لوگ (مومنین) کفار اور آئین و مکتب اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں بے حد سخت لیکن داخلی زندگی کے روابط و باہمی تعلقات میں آپس میں بہت نرم و مہربان و پُرخلوص ہیں۔ (اشداء علی الکفار رحماء بینھم)

مدینہ میں سب سے پہلا خطبہ

پیغمبر رحمت و محسن انسانیت نے سب سے پہلا خطبہ جو مدینہ میں وارد ہونے کے

موقع پر مسجد قبا کے اندر نماز جمعہ کے نمازگذاروں کے مجمع میں ارشاد فرمایا اس میں باہمی اخوت وبرادری کے بارے بے حد تاکید فرمائی اور پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان عقد اخوت وبرادری باندھا اور جناب علیؑ ابن ابی طالب کو اپنا بھائی قرار دیا اور فرمایا "علی میرے بھائی ہیں (دنیا و آخرت میں)۔

پھر فتح مکہ کے موقع پر ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس کے ضمن میں مسلمانوں کو خلوص وصاف دلی کی طرف دعوت دی اور فرمایا :۔

"منحوس خود خواہی وخود غرضی کے جذبہ کو اپنے دل سے نکال پھینکو اور اس کے بجائے اپنے کو عفو ودرگذر، جذبات قربانی وایثار وفداکاری سے آراستہ کرو۔"

آپؐ بذات خود تقوےٰ اور خداشناسی کے نمونہ کامل اور اخلاق، خوش معاملگی، تواضع وانکساری کے مجسمہ تھے۔ خداوند متعال نے قرآن مجید میں آپؐ کے بے شمار خوبیوں اور بے حساب صفات حسنہ میں سے صرف آپؐ کے حسنِ خلق کو پسند کر کے تعریف وتوصیف فرمائی ہے اور قلم اور اس کے نگارشات کی معنی خیز و باحرمت قسم کھا کر آپؐ کے حسنِ خلق ونیک سیرتی کی مدح وستائش فرمائی ہے۔

آپؐ حقیقتاً صداقت وامانت، فداکاری، حلم وبردباری اور حسن خلق اور سینکڑوں صفاتِ حمیدہ کے نمونہ اور مکمل مصداق تھے۔

جناب امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام جو ہمہ وقت آپؐ کے ہمدم ودمساز محرم راز تھے حضرتؐ کی مدح کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں :

"آپؐ کسی بھی محفل میں کسی بھی بزم میں اپنے صدر مجلس و پائین مجلس بالائے نشست یا نیچے کی نشست کی تلاش نہیں فرماتے تھے، جہاں بھی جگہ مل جاتی وہیں تشریف فرما ہو جاتے

خواہ وہ بلا فرش کی زمین ہی کیوں نہ ہو، اور آپؐ لوگوں کے درمیان اتنی سادگی اور معمولی زندگی بسر فرماتے تھے کہ اگر کوئی باہر اور دوسرے آنے والا نا آشنا شخص آپؐ کو دیکھتا تو وہ آپ کو بہ اعتبار مجلس وطرز نشست نہیں پہچان سکتا تھا کہ آپؐ ہی اسلام کے پیغمبر عالیقدر ہیں۔"

مادیات سے بے اعتنائی

آپؐ نے دنیائے فانی سے اس حالت میں سفر آخرت فرمایا کہ مادی ذخیرے (مال و دولت) نہیں چھوڑا لیکن ایک محکم وپائدار دین اور مضبوط آئین بطور اپنی یادگار رکھ کے اہل عالم کیلئے چھوڑ گئے جس کی عظمت کی شعاع اور اس کی نورانیت روز بروز بلندی حاصل کرتی جاتی ہے اور دنیا کے دور سے دور ترین خطوں تک پرتو افگن اور نور گستر ہوتی جاتی ہے۔

آپؐ نے اس بے حد عظیم ورثہ اور گرانقدر وبیش بہا روحانی پیغام کی بنیاد ڈالی ہے جو ہمیشہ تروتازہ، مسرت بخش اور نہضت آفریں رہے گا اور ہر دور اور ہر زمانہ میں آغاز و انجام حیات کو معین ومشخص کر سکتا ہے اور انسانی زندگی کا مقصد، سمت، غرض وغایت بتا سکتا ہے اور فرد بشر اور جامعہ بشریت دونوں کو مادی زندگی کے خوفناک طوفان کی موجوں سے صحیح وسالم ساحل نجات تک پہنچا سکتا ہے۔

آپؐ نے اپنی مقدس زندگی کے آخری لمحات میں بستر بیماری پر مدینہ کے مسلمانوں کو بلوایا اور ان سے گفتگو کرنے کیلئے بیٹھ گئے اور ان سے درخواست کی کہ اگر کسی فرد بشر کا کوئی حق یا کوئی قصاص آپؐ کے ذمہ ہو تو وہ شخص اپنا حق یا قصاص آپؐ سے لے لے اور آپؐ کو مشغول الذمہ نہ چھوڑے، (اور اس جملہ کی کئی بار تکرار کے بعد مسلمانوں کے اس جم غفیر میں سے ایک شخص طلبگار اپنے تین درہم کا آپؐ سے مطالبہ کرتا ہے جو فوراً ادا کیا گیا، دوسری کوئی قیمتی چیز دنیاوی

اندوختوں اور ذخیروں میں سے آپؐ کے پاس نہ تھی، البتہ ایک بڑا ورثہ اپنی طرف سے بطور ترکہ چھوڑا اور وہ اسلام کا گراں بہا آئین تھا جس کی عظمت اور قدر و قیمت کا مقابلہ و مقائسہ دنیا نے مادیات سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اس اسلام کے نورانی و آسمانی آئین کے نبیان گذار (پیغمبرؐ) کی رحلت پر حسرت اور رسالتِ اکبر الٰہی شجرۂ طیبہ کی شاداب و آبرومند شاخ کے دو ثمر یعنی حضرت امام حسن علیہ السلام (امام دوم) اور حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام (امام ہشتم) کی شہادت جو اسی ماہ صفر کے آخر میں واقع ہوئی ہے کے موقع پر دوستداران و شیدایان خاندان رسالت کو تسلی دیتے ہیں اور خداوند متعال سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان بزرگواروں کے انسانی و اخلاقی فرامین و احکام کی پیروی کی توفیق کرامت فرمائے۔

حضرت علیؑ ابن ابیطالب

اسلام کی رگ کا مقدس خون

مولائے کائنات حضرت علیؑ بن ابی طالب کے سوا کسی فرد بشر نے یہ عظیم شرف نہیں پایا کہ خانۂ خدا میں اس کی پیدائش ہو اور خانۂ خدا ہی میں درجہ عالیہ شہادت پر فائز ہو۔

چنانچہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش، حیات مقدس اور شہادت مکتب جاودان کا ایک درس ہے۔

تیرھویں ماہ رجب تاریخ عالم سب سے عظیم مرد اور دنیائے اسلام کی دوسری شخصیت جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کی سالگرہ کا مبارک دن ہے جنہوں نے انسانوں کو اپنی ولادت، حیات اور شہادت کے ذریعہ رزم، عزم، علم و حکمت، مجاہدہ و شہادت کا وہ سبق سکھایا، جو بشری زندگی کے نشیب و فراز سے پُر تاریخ میں ہمیشہ باقی رہنے والا شجاعت و تہور آفریں ہو گیا، اور اُن تمام دوستداروں اور عاشقوں کیلئے جو شمار میں ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور تخمیناً ان کی تعداد دسیوں بلیون تک پہنچتی ہے ایک بہترین و قابل عمل و تاسی نمونہ ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی ولادت باسعادت زندگی اور پُر عظمت شخصیت کی تحقیق اور مطالعہ نیز آپ کی طرز زندگی، آپ کے اسلام و ایمان کی کیفیت اور آپ کے مجاہدات اور جنگوں کے بارے غور و فکر اور گہرا مطالعہ نہ صرف اصلاح کن، بیداری پیدا کرنے والا امید افزا اور گراں بہا ہے بلکہ حکومت عدل اسلامی کی شگفتگی کی ابتدائی منزلوں میں حکومت اسلامی

کے بنیادی اصول اور اس الہام بخش سرچشمۂ ہدایت کے زیر سایہ جو اُن ارشادات و فرمائشات سے معمور ہیں، دنیا میں بسنے والی ملت اسلامی ایران کی انفرادی و اجتماعی زندگی کیلئے اصلاح کنندہ بہترین نشانہ اور معیار زندگی اور سبب اصلاح ثابت ہو سکتا ہے اور ہم کو ایک تربیت دہندہ کامل اور نمایاں اسلامی تربیت کے نمونہ کے مقابل کھڑا کر سکتا ہے۔

علیؑ عظمتوں، طہارتوں، تقدسوں اور مطلق احساسات کے گوناگوں انواع کے رب النوع کی حیثیت کے حامل ہیں، آپ کی شخصیت وہ بے نظیر شخصیت ہے کہ جس کے سامنے دوست محبت و اُلفت کے ساتھ اور آپ کے دشمن اور مخالفین حیرت کے ساتھ کھڑے ہیں اور اب بھی آپ کی اس ملکوتی صدا کی طرف جو فضا شہر کوفہ میں اب بھی گونج رہی ہے کان لگائے ہوئے ہیں جہاں آپ فرماتے ہیں کہ:

"خدا کی قسم میری یہی پیوند دار جوتیاں میرے نزدیک تم جیسے لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز ہے، اِلّا یہ کہ اس حکومت کے ذریعہ کسی حق کو اس کی جگہ پر قائم کروں یا کسی امر باطل کو اکھاڑ پھینکوں (میرا مقصد حکومت فقط یہی ہے)

مجاہد اعظم یا شجاعوں کا شجاع

آپ فقط میدان جنگ ہی میں شجاع و دلیر نہیں تھے بلکہ ہر موقع و مقام پر دلیر تھے۔ خلوص و صفا دلی، وجدان کی پاکیزگی، عظیم الشان قلبی سکون و اطمینان میں مظلوموں کی مدد میں، ستمگروں اور جابروں سے جنگ میں خواہ وہ کسی جگہ اور کسی خطہ میں ہو آپ ان تمام میدانوں میں سب سے بڑے دلیر تھے۔

دنیائے اسلام کی اس عالیقدر شخصیت اور راہ خدا کے اس عظیم مجاہد کے بقاء دوام

کا راز ہر نکتہ سے زیادہ اس امر میں پنہاں ہے کہ آپ وقت کے ساتھ آگے بڑھتے تھے اور معین کرنے والے اسباب و عوامل کے ذریعہ ہر زمانہ کیلئے مخصوص فکری ملکہ (انداز) رکھتے تھے، اور ان باریکیوں کو موسم بہار کی شگفتگی و برگ و بار کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ اس وسیع و عریض دنیا کے ہر مقام اور ہر گوشہ میں بہار کھلنے، سرسبزی و شادابی، تازگی و خوبصورتی اور شان و شکوہ، اور شوکت و عظمت ہی کے معانی رکھتی ہے، اور اس سے بہار کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بہار مشرق میں ہے، مغرب میں، شمال میں ہے یا جنوب میں، صحرا میں ہے کہ پہاڑی علاقہ میں ہے پرانے باغ میں ہے یا نئے گلشن میں، شہر میں ہے یا دیہات میں آبادی میں ہے یا ویرانہ میں، غرض ہر جگہ بہار سے ایک ہی معنی اور ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، بہار ہر جگہ بہار ہے اسی معنی و مفہوم میں بلا کسی کوئی فرق کے، اور بہار کبھی کہنگی کا لباس زیب تن نہیں کرتی

بالکل اسی بہار کی طرح شاندار و پرشکوہ، سرسبز و شاداب ہے۔ ذات علیؑ بن ابیطالب اور آپ کے بلند کردار اور آپ کا سادہ شیوۂ زندگی۔

آپ کی شخصیت ہمیشہ تر و تازہ شاداب و پرشکوہ تمام زمانوں اور مکانوں اور تمام نسلوں اور خانوادوں کیلئے مطابقت پذیر ہے اور سب کیلئے ہمیشہ بہار ہے اور ہمیشہ شاداب سدا بہار۔

میدان جہاد سے مجلس بحث تک

جس وقت کہ فرزند ارجمند حضرت ابوطالب، پدر بزرگوار امامین ہمامین حسنؑ و حسینؑ و زینب و ام کلثوم، شوہر نامدار فاطمۃ الزہرا اور داماد مرسل اعظمؐ خداوند متعال اور کیفیت خدا شناسی سے متعلق گفتگو فرماتے ہیں تو خود بھی اس طرح محو جمال الہٰی ہو جاتے ہیں اور آپ کی گفتگو اسقدر بلند ہو جاتی ہے اور اس افق سے بہت بلند فکر و شعور کے اُفق میں سیر کرنے لگتی ہے کہ فکر و تصور

بشری کے بال وپر اس کی سطح میں پرواز سے عاجز ہو جاتے ہیں اور آپ خداوند متعال توصیف وتعریف اس انداز سے فرماتے ہیں کہ انسان اپنی چشم دل سے اُسے ہر جگہ دیکھنے لگتا ہے، آسمانوں میں زمینوں میں اپنے دل کے اندر اپنی روح کی گہرائی میں اور اپنی بینائی میں ایسی بینائی سے جمال وکمال الٰہی کا مطالعہ کرنے لگتا ہے جو لذت سے بھرپور اور اوج خواہی وبلند پروازی میں مواج و متلاطم رہتی ہے۔

اور یہی شخصیت عین اسی مذکورہ حالت میں میدان کارزار میں دشمن سے جنگ اور اسلام کی طرف سے جہاد و دفاع کے موقع پر ایک بہادر کمانڈر اور شائستہ وماہر سپہ سالار ہے جو لباس جنگ جسم پر سجائے ہوئے اور اپنی فوج کے سامنے جنگی باریک ترین فنون وتدابیر اور فتح وفیروزی کے رموز کی اس طرح تشریح کناں ہے کہ گویا اُسے تمام عمر سوائے میدانِ کارزار ومعرکہ نبرد وفنون حرب کے کسی اور کام سے کوئی سروکار ہی نہیں رہا ہے، اور پھر وہی ذات والا صفات مسند قضاوت وانصاف پر بہترین قاضی اور معاملات کی تہ تک پہنچ جانے والا ماہر ترین جج اور محراب عبادت میں بزرگ ترین زاہد وعبادت گذار، اور مسند تربیت پر بزرگ ترین و شفیق ترین معلم اخلاق اور روح وروان بشر مربی وتہذیب کنندہ ہے۔

حضرت علی غیر مسلم دانشمندوں کی نظر میں

آپ کے دوستوں نے تو آپ کے متعلق بہت لکھا ہے اور اپنی تحریروں سے کتب خانے بھر دیے ہیں جن کا دہرانا ممکن نہیں ہے لیکن اس غرض سے کہ ہم یہ جان لیں کہ غیروں نے علیؑ کو کس طرح پہچانا ہے اور حضرت کو کس نقطہ نظر سے دیکھتے اور پہچانتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر اسلامی مفکروں اور دانشمندوں کے افکار واقوال پر بھی تھوڑی سی نظر ڈالیں تاکہ

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

ہم یہاں جو کچھ بھی پیش کریں گے وہ لاکھوں اقوال اور لاکھوں تحریروں سے منتخب مقتبس یا ایک بہت بڑے گلشن سے محض گل چینی کی حیثیت سے ہوگا جو اس موقع پر سمندر سے ایک قطرہ لینے کا مصداق ہوگا۔

"جبران خلیل جبران" مشہور و معروف عیسائی مورخ اُس یگانۂ روزگار (حضرت علیؑ) کے متعلق لکھتا ہے :۔

"میرا عقیدہ ہے کہ فرزند ابوطالب وہ سب سے پہلے عرب ہیں جنہوں نے روح کلّی (الوہیت) کی ملازمت و ہمسائگی اختیار کی اور اسی کے ہمراز و دمساز ہو گئے، وہ سب سے پہلے عربی تھے جن کے دونوں لبوں نے ترانۂ الوہیت کی آواز ان انسانی کانوں تک پہنچائی جنہوں نے اس سے قبل اس نغمہ کو سنا ہی نہیں تھا، علیؑ اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ اپنی عظمت و بزرگواری کے شہید ہوئے، دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اس حالت میں کہ نماز (تسبیح سجدہ) آپ کے لبوں پر تھی، آپ دنیا سے اس حالت میں گئے کہ آپ کا دل شوقِ لقائے پروردگار سے معمور تھا عرب نے آپ کے مقام و رتبہ، قدر و منزلت کو نہیں پہچانا یہاں تک کہ عرب کے ہمسایوں میں سے فارس کے کچھ لوگ کھڑے ہو گئے اور افسوس کہ گوہرِ آبدار اور سنگریزہ کے درمیان فرق کو نہیں پہچانا"

"شبلی شمیل" عرب کا مادہ پرست مورخ جو کمیونزم اور الحاد کا نظریہ رکھتا تھا اور ماوراء الطبیعۃ کا منکر تھا وہ اس الٰہی و اسلامی بزرگ شخصیت کے متعلق پرجوش و ستائش آمیز لہجہ میں کہتا ہے :۔

"امام علی بن ابیطالب دنیا کے تمام بزرگوں کے بزرگ اور زمانہ کے واحد و یکتا نسخہ تھے

کر دنیائے مشرق و مغرب نے اپنی آنکھوں سے عصر قدیم و جدید میں کوئی ایسی تصویر جو اس نسخۂ یکتا کی مثال و نظیر ہو اور مطابق اصل ہو، نہیں دیکھی ہے۔"

یہ وہی مفہوم ہے جسے ایرانی شاعر شہریار نے شعر کی زبان میں یوں بیان کیا ہے:۔

گواہ فضل تو آن بہ کہ دشمناں باشند مثل خوش است بہ مصداق خوش نزی ہم وصل

یکے بہ گفتہ شبلی شمیل زندیق بہ بیں چہ گفتہ بہ وصف علیؑ خطابے فصل

علیؑ است نسخہ بوزے کہ شرق و غرب جہاں دگر ندیدہ سوائے ازو مطابق اصل

"جارج جرداق" ایک دوسرا عیسائی مورخ جس نے شخصیت و مکتب علیؑ ابن ابیطالب کی تحلیل و تشریح کے سلسلہ میں پانچ جلدوں میں ایک تاریخی و ادبی شاہکار تحریر کیا ہے اس طرح رقمطراز ہے:۔

"تاریخ کے نزدیک ——— خواہ تم پہچانو یا نہ پہچانو، ناموسِ شہید شہداء کے پدر بزرگوار، عدالتِ انسانی کی آواز، اور مشرق کی جاوداں شخصیت علیؑ ابن ابیطالب ہیں۔"

یہ علیؑ ابن ابیطالب تھے جن کے نزدیک جہاد و قتال و کارزار کی غرض و غایت دوسری ہی تھی۔ وہ غرض و غایت نہیں جو دوسرے سمجھتے تھے، اور دوسری ہی نیت اور دوسرے ہی قصد سے جنگ کرتے تھے اس نیت کے علاوہ جو دوسرے رکھتے تھے، انہوں نے زہد اور روحِ تقویٰ کے ساتھ جہاد کو اختیار کیا اور عاجزوں، بیچاروں اور مجبوروں کی محبت میں قلعوں کے فتح کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے دشمنانِ عدل و انصاف کے کام کو خاک میں ملا دیا، وہ انسانی اخلاق کریمہ و صفاتِ فاضلہ عالیہ میں بلندی و کمال کی حد تک پہنچے ہوئے تھے

"اے دنیا! کیا ہو جاتا؟ (کیا بگڑ جاتا؟) اگر اس تمام طاقت و توانائی کو جو رکھتی ہے کام میں

لاتی اور ہر زمانہ میں ایک دوسرا علیؑ جس میں انہیں کی عقل و دانش، انہیں کا دل اور انہیں کی زبان اور انہیں کی ذوالفقار ہوتی عالم کو بخش دیا کرتی۔"

(صوت العدالۃ الانسانیہ ج۱ ص۵۰۱)

"میخائیل نعیمہ": ایک معاصر عرب عیسائی بڑا مورخ اور فلسفی مفکر اور ادیب اس طرح رقمطراز ہے۔

"ایک تاریخ نویس کتنا ہی قابل و ہنرمند ہو شخصیت علیؑ اور ان کے پر آشوب زمانہ اور فتنہ انگیز ماحول کی کامل تصویر کشی ہرگز نہیں کرسکتا۔ چاہے وہ ہزاروں صفحات اس سلسلہ میں لکھ ڈالے کیونکہ اس عرب کے عنصر کامل اور مرد باکمال نے جو خدمات اپنے اور اپنے خدا کے درمیان انجام دیئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کسی شخص نے نہ دیکھا اور نہ سنا ہے۔ پس اس صورت میں اس شخصیت کی جو شکل بھی ہم کھینچیں گے وہ لامحالہ مبہم، نامکمل اور ایک دھندلی شکل ہوگی، وہ نہ صرف میدان جنگ و پیکار کے مقابلہ میں بہت بڑے بہادر شمار ہوتے تھے۔"

"ان کی یہ عظمت و بزرگی اگرچہ اسے ایک طویل عرصہ گذر چکا ہے لیکن (عظمت علیؑ) ہمیشہ ہمارے لئے ایک گراں بہا خزانہ ثابت ہوسکتا ہے جس کی طرف ضرورت ہے کہ ہم توجہ کریں، آج یا جس روز اور جب کبھی بھی ہمیں شائستہ و سربلند زندگی گذارنے کی ضرورت محسوس اور خواہش پیدا ہو تو ہم اس روح پر جوش و خروش سے غیبی مدد حاصل کرسکتے ہیں کیونکہ وہ تفکر و اندیشہ کا ختم نہ ہونے والا عنصر ہر زمانہ اور ہر جگہ موجود و کارآمد و نفع بخش ہے۔"

(علیؑ والقومیۃ العربیہ ص۱۲۰۴)

"تامس کارلائل": انگریز مورخ و فلسفی علیؑ کی تاریخی شخصیت و عظمت کی گوکشائی اس طرح کرتا ہے:۔

"لیکن علیؑ .... ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم انہیں دوست رکھیں اور اُن سے عشق کی حد تک محبت کریں کیونکہ وہ ایسے عالیقدر و عظیم انسان جوانمرد تھے جن کے سرچشمۂ وجود سے نیکیاں، اچھائیاں اور خوبیاں جوش مارتی اُبلتی تھیں اور اُن کے دل سے جوش و شجاعت کے شعلے بلند ہوتے تھے، آپ خشم آلود شیر سے بھی زیادہ دلیر و شجاع تر تھے لیکن ایسی شجاعت جو مہربانی و پاکیزگی کا پہلو لئے ہوئے اور انسانی نرم و نازک جذبات شفقت اور مروّت و نرم دلی سے بھرپور و معمور تھی"۔

ایک اور حوالہ ہے

"وہ مسجد کوفہ میں حالت نماز میں شہید ہوئے اور دشمن کے حیلہ و مکر و فریب کے نتیجہ میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ آپ کے عدل و انصاف میں شدت ہی تھی جس کا تسلسل (منافقت کے ہاتھوں) جو اس جرم کا باعث بنی۔ کیونکہ آپ ہر شخص کو اپنی طرح عادل سمجھتے تھے، جس وقت کہ آپ بستر مرگ پر تڑپ رہے تھے، کسی نے آپ کے قاتل کے بارے میں (سزا کے متعلق) پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا "اگر میں زندہ رہ گیا تو میں جانتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کروں گا، لیکن اگر میں اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا تو یہ مسئلہ تمہارے اختیار میں ہے، لیکن اگر تم قصاص لینا چاہو تو اس کی ایک ضرب شمشیر کے بدلے تم بھی اس پر فقط ایک ہی وار کرنا لیکن اگر تم اُسے معاف کر دو تو یہ تقوٰے سے نزدیک تر ہو گا۔" (الامام علی بن ابی طالب۔ عبدالفتاح مقصود ص ۱۵)

"بارون کارادو" فرانسیسی مورخ و محقق ایک مستند و تحقیق کتاب میں شیعوں کے پہلے امام اور تاریخ الکلام کے عظیم اور بے مثل مجاہد کے متعلق اسطرح رقمطراز ہے:

"علیؑ وہ شجاع بے نظیر اور دلیر بے مثال اور نڈر و بے باک شہسوار میدانِ شجاعت تھے

جو پیغمبرؐ اسلام کے پہلو بہ پہلو دشمنوں سے جنگ کرتے تھے اور ایسے پسندیدہ و مثالی معجزہ کام سرانجام دیتے تھے جن کو تاریخ میں نہایت شان و عظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔" آپ نے معرکہ جنگ 'بدر' میں جبکہ آپ ایک بیس سالہ جوان تھے اپنے توانا بازو کی طاقت سے اپنی شمشیر آبدار کی صرف ایک ضرب سے سرداران قریش میں سے ایک شخص کے جو خود بھی بڑا تنومند و مشہور پہلوان تھا' دو ٹکڑے کر دیئے، جنگ 'احد' میں پیغمبرؐ کی تلوار ہاتھ میں لی اور (پھر اسطرح جنگ کی کہ) تلوار کے ایک ایک وار میں کتنے ہی زرہوں اور جوشنوں کو جسموں پر چاک و شگافتہ کر دیا' اور 'خیبر' میں یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کے موقع پر قلعہ کے آہنی اور بے حد سنگین دروازہ کو ایک ہاتھ سے اکھاڑ لیا اور اُسے اپنے سر پر سپر بنا لیا۔"

"پیغمبرؐ اسلام آپ کو بہت دوست رکھتے اور آپ پر کامل اعتماد و بھروسہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک روز اس حالت میں کہ نگاہیں آپ کی طرف جمی ہوئی تھیں فرمایا:۔
"من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ" (ہر وہ شخص جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں)

(الامام علیؑ ص۱)

گابریل دانگیری' مشہور فرانسیسی محقق و مورخ اپنی تحقیقی و گرانقدر کتاب میں بڑے پرجوش و ہیجان انداز اور طوفان خیز جذبات قلبی اور ایک خاص بشاشت و شگفتگی کے ساتھ امامؑ کی شخصیت کی عظمت و بزرگی کے متعلق اس طرح لکھتا ہے۔

"علیؑ زبردست خطیب، قادر الکلام، انشا پرداز اور عظیم القدر قاضی تھے جو نظریات کے سب سے پہلے موسسین اور بنیاد رکھنے والوں کی صف میں ایک بہت بلند مقام رکھتے ہیں، جس نظریہ کی بنیاد آپ نے رکھی ہے وہ اپنی صراحت و روشنی اور اپنے

استحکام کے لحاظ سے نیز ترقی و تجدد اور حرکت و بیداری کی طرف اپنے نمایاں میلان و رجحان کے لحاظ سے ایک فوق العادہ امتیاز رکھتا ہے۔"

"علیؑ کی شخصیت دو ایسی ممتاز اور بہت نمایاں خاصیتوں کی حامل ہے جو تاریخ کے بہادروں اور سورماؤں میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پائی جاتیں،

پہلی خاصیت یہ ہے کہ علیؑ شجاعت و امامت دونوں کے حامل تھے جہاں آپ ناقابل شکست و ہزیمت جنگی سردار و سپہ سالار تھے عین اسی حالت میں علوم الٰہی کے زبردست عالم و دانشمند اور صدر اسلام کے فصیح ترین خطیبوں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔

دوسری خاصیت یہ ہے کہ علیؑ کو عین اس حالت میں کہ سنی یا شیعی مذاہب میں مسلمانوں کی طرف سے اسلام کے بزرگ ترین اور قابل فخر اشخاص میں سے ایک شخصیت ہونے کی حیثیت سے دونوں کے نزدیک مدح و ستائش و تکریم و تعظیم کا مقام حاصل ہے بغیر اس کے کہ آپ نے خود چاہا ہو، تمام مذاہب اور تمام فرقے جو آج تک مسلمان قوم کے درمیان تفرقہ اور جدائی ڈال رہے ہیں یہ سب کے سب بھی آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں چنانچہ اہل سنت کی مساجد کے کتبوں پر پیغمبرؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ناموں کے پہلو میں علیؑ کا نام بھی ثبت نظر آتا ہے، اور شیعوں کی محرابوں کی دیوار پر بھی پیغمبرؐ کے نام کے بعد علیؑ کا نام نقش ہوتا ہے۔" (شہسوار اسلام ص ۱۳۹)

"نرسیسیان" جو چند سال قبل بغداد میں برطانوی سفارت خانہ میں مامور اطلاعات تھا اور خود بھی مسیحی دنیا کے فاضلوں اور مفکروں اور مشہور سیاست دانوں میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت علیؑ کے بارے میں کہتا ہے۔

"اگر یہ عظیم خطیب علیؑ ابن ابیطالب ہمارے زمانہ میں موجود ہوتے اور آج بھی مسجد

کوفے کے منبر پر قدم رکھ دیتے تو تم دیکھ لیتے کہ مسجد کوفہ اتنی طویل و عریض ہونے کے باوجود یورپ کے سرداروں اور بزرگوں (علماء و فضلائے مسیحی) سے چھلک جاتی اسلئے کہ سب کے سب یہاں حاضر ہوتے تاکہ آپ کے علم و دانش کے بحر مواج سے اپنی روحوں کو سیراب کریں" (ماہو نہج البلاغہ ص۳)

"سلیمان کتانی" مسیحی مورخ نے مدت ہائے دراز تک اپنی عمر کے بہترین برسوں کو اس حریت کے عظیم علمبردار کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرنے اور آپ کی یگانہ شخصیت کے پہچاننے اور پہچنوانے کے لئے وقف کر دیا تھا، اس نے ایک بیش قیمت کتاب امام علیؑ بن ابیطالب کی مدح و ستائش میں "الامام علیؑ" کے نام سے لکھی ہے اور اپنی اس کتاب کو تاریخی و تحقیقی اعتبار سے قیمتی ہونے کے علاوہ ایک ادبی شاہکار ہونے کی حیثیت سے بھی ہمارے اس زمانہ کی منظر کشی کی خوبصورت ترین شکل میں پیش کیا ہے، چنانچہ ادبیاتِ عرب کے ماہروں فاضل ہنرمندوں، دانشمند ادیبوں اور اس فن میں خاص مہارت و استعداد رکھنے والوں کے سوا کسی میں دم نہیں ہے کہ اس کتاب کے رازوں کو کما حقہٗ سمجھ سکے اور اس کے بلند و لطیف معانی کی گہرائیوں تک جیسا چاہیے پہنچ سکے۔

یہ کتاب جس کا ترجمہ ہماری خوش قسمتی سے فارسی زبان میں بھی ہو چکا ہے اور بہ عنوان "امام علیؑ پیشوا و پشتیبان" شائع ہو چکی ہے ہم یہاں اس کا ایک جملہ بطور سند و شاہد پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اس مقالہ کا حسنِ خاتمہ بھی ہوگا۔

"سخن گفتن دربارۂ امام علیؑ از نظر قرب معنوی کمتر از ایستادن در محراب عبادت نیست"

(امام علیؑ بن ابیطالب کے بارے میں ذکر و گفتگو کرنا (ذات الٰہی سے) قرب معنوی کے لحاظ سے محراب عبادت میں کھڑے ہونے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔)

غدیر خم ۔ علیؑ بن ابیطالب کی فضیلت، لیاقت و قابلیت کے پہچنوانے کا دن ۔ اس روز پیغمبر گرامی قدر اسلام نے اپنی زندگی کے آخری سفر سے مدینہ واپس آتے ہوئے ایک شخصیت کو رہبر و جانشین و ولی امر کے عنوان سے مجمع حجاج کے سامنے معرفی اور شناسائی کیلئے پیش کیا جو ہر لحاظ سے ولایت و سرپرستی اُمتِ اسلامی کیلئے لیاقت و شائستگی کی حامل تھی۔

علیؑ وہ نمایاں شخصیت جو ولایت امر الٰہی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے حقدار قرار پائے. آپ کا وجود اسلام کی گراں قدر تعلیمات حد کمال تک پہنچانے والا ایک سراپا نمونہ تھا اور خود آپ ایک مرد جانباز و فداکار اور اصول اساسی اسلام کے بنیان گذار تھے۔

آپ نے راہِ اسلام اور مرحلۂ آزادی و کمال اور اجتماعی و اقتصادی و علمی و ثقافتی عدالت کے قیام کے سلسلہ میں وہ سختی کے ساتھ مبارزات و مجاہدات انجام دیئے تھے کہ متکبرین و بزرگانِ قریش کے دل پُر خون اور شدید کینہ سے مملو تھے، اور وہ لوگ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی الٰہی و آسمانی حکومت عدل کے زیر سایہ رہ جائیں۔

علیؑ کا جانشینِ پیغمبرؐ اور احکام الٰہی کے محافظ اور نافذ کنندہ کے عنوان سے انتخاب وراثت کی بنیاد پر یا جنبۂ خاندانی کی بناء پر یا سیاسی و اقتصادی اسباب کی بناء پر نہیں ہوا تھا بلکہ حکم الٰہی کے اور آسمانی امر لازم الاجراء کے علاوہ فضیلت و لیاقت کی اساس اور علم و تقویٰ و شائستگی کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا اور اس بناء پر آپ کا انتخاب ہوا تھا کہ آپ ایمان و اخلاص کا مکمل نمونہ اور عدالت و مساوات و اُخوت کے مظہر کامل تھے۔

سودۂ ہمدانی ایک مجاہد و دلیر خاتون علیؑ کے ایک سخت ترین دشمن کے سامنے امامؑ کی طرف سے دفاع اور امامؑ کی مدح و توصیف ایسے انداز سے کرتی ہیں جس سے آپ کے

اخلاق کریمہ کے ایک گوشہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

"درود الٰہی اس روح پاک وطاہر پر ہو کر زمین نے جسے اپنے سینہ میں چھپالیا اور اس کے ساتھ ہی عدالت وانصاف وری بھی دفن ہو گئی"

آپ نے حق وحقیقت کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھا تھا اور عہد کرلیا تھا کہ حق کی جگہ پر یا اس کے عوض میں کسی دوسری چیز کو ہرگز اختیار نہیں کریں گے، آپ کا وجود از سرتاپا ایمان وحق طلبی وحقیقت خواہی سے معمور وسرشار تھا۔

علیؑ کا سراسر وجود، علیؑ کی تاریخ وسیرت، علیؑ کی عادت وخصلت اور علیؑ کی بات اور گفتگو سب درس ہے، مشق ہے، تعلیم ہے اور رہبری" (جاذبہ و دافعہ علیؑ از استاد مطہریؒ ص ۱۰)

یہ مختصر سی عبارت استاد مطہری جیسی دانشمند شخصیت کی ہے جنہوں نے اپنی عمر کے سالہا سال علیؑ کی راہ میں، علیؑ کے نظریات کی اشاعت اور اس کی طرف سے دفاع کرنے میں اور علوم علیؑ کے نشر کرنے میں صرف کیے ہیں یہاں تک کہ اپنی جان عزیز بھی اسی راہ میں قربان کردی اور حکومت عدل علوی کے قائم کرنے کی راہ میں جام شہادت نوش کیا اور درجہ عالیہ شہادت پر فائز ہوئے۔

امام علیؑ امت اسلامی کے سچے رہنما اور حقیقی رہبر اور ان مسلمانوں کی زندگی کے لائحہ عمل کی سرنوشت کے معین کرنے والے ہیں جو چاہتے ہیں کہ صراط مستقیم الٰہی پر گامزن ہو جائیں اور بین الاقوامی اور جہانی میدان میں اپنی اصلیت وحیثیت وواقعیت کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ دنیا کی دوسری قوموں سے کسی قسم کی روحی، فکری علمی ونظریاتی واقتصادی وابستگی کے محتاج ہوں، علیؑ اور مکتب علیؑ سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مکتب کے مطابق عمل کرنے والے اور آپ کے راستے اور طریقہ پر چلنے والے اس راہ میں ایسے قدم اٹھائیں

جیتے اٹھاتے تھے اور اس طرح سوچیں جس طرح آپ سوچتے تھے اور مقصد کی راہ میں اور اس کے حصول کیلئے اس طرح فعالیت، تلاش اور کوشش کریں جسطرح آپ انجام دیتے تھے۔

علوی افکار کی حکومت

آج ملّتِ ایران کی تلاش کے نتیجہ اور شہیدانِ راہِ فضیلت و سربلندی و حریت و استقلال کی فعّالیت اور کوشش کے ثمرہ کے طور پر ہمارے ملک (ایران) میں اسلام اور قرآن کے نام سے اور نظریۂ عالیہ پُر ثمرِ علیؑ سے غیبی امداد کے ساتھ ایک نئی حکومت قائم ہو چکی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ لوگوں کی فکری و اجتماعی اور عملی زندگی کی رفتار کو علوی مقصد و آرزو کی طرف موڑ دے اس تاریخی لمحہ اور اس ادوار اور زمانوں کے موڑ کے نقطہ پر ملّت کی مسؤلیت اور ذمّہ داریاں سنگین تر اور قوم کا آگاہ و ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

اگر ہمارے اعمال و کردار اور ہماری کوشش و تلاش علیؑ ابن ابیطالب کے انسانی افکار و نظریات کے برخلاف ہونگی اور آپ کی مقدس زندگی کی تاریخ اور آپ کے فکری مکتب سے ہم سبق نہیں لیں گے اور اپنے کو آپ کے بتائے ہوئے نمونوں پر منطبق اور ہم آواز نہیں بنائیں گے تو ہماری حکومت ہمارے اقتصادیات اور تربیت اخلاق اور ہماری اور آئندہ نسلوں کی ساری زندگی کی اساس و بنیاد کج ہو جائیگی اور ٹیڑھی بنیاد کمزور اور ہلنے والے پایہ پر زندگی کی عمارت کھڑی کرنی ہوگی اور یہ امر ہماری بربادی و تباہی، اضمحلال اور کمزوری کا باعث ہوگا۔

آج اس امر کا موقع ہمیں حاصل ہے کہ ہم سب کے سب کو چاہئے کہ شخصی محبت و عداوت، خصوصی و نجی منافع و مصالح اور صنفی و انفرادی خیراندیشیوں اور مصلحت بینیوں کو ایک طرف پھینکدیں اور صرف اور صرف علیؑ کے مقصد و آرزو کے حصول اور علوی و اسلامی و انسانی

افکار و نظریات کی بنیادوں کی تائید اور اس کے استحکام پر پوری پوری توجہ دیں اور اپنے محفوظ و ترقی پذیر و آباد ملکِ عزیز کو اسلامی افکار و نظریات اور اسلام کی گرانبہا تعلیمات کی بنیاد پر استوار کریں تاکہ علیؑ اور آپ کے مکتب و نظریات کو دنیا میں افتخار و سربلندی حاصل ہو، علیؑ سے دوستی و محبت کے حق کی ادائگی فقط اسی طریقے سے ہو سکتی ہے، اور انقلاب اسلامی کی حمایت اور ان سب امور کے عملی ہو جانے ہی کی صورت میں ہم عید مسعود و مبارک منائیں گے، انشاء اللہ، ہم اپنے ہموطنان عزیز کو اس فرخندہ و مبارک دن کی مبارک باد دیتے ہیں۔

شہادت

راہِ خدا میں شہادت مردان خدا کی آرزو اور خلاقِ کائنات قادر و توانا سے انکی درخواست و خواہش ہے۔ علیؑ نے بارہا خلوصِ دل کے ساتھ بارگاہِ خداوند متعال سے یہ درخواست اور سوال کیا تھا آپ چاہتے تھے کہ ہرگز بستر استراحت و مسند آسائش پر جان نہ دیں بلکہ راہِ خدا میں دشمنانِ خدا سے میدانِ کارزار میں جنگ کرتے ہوئے شہادت کا فیض عظیم حاصل کریں اور اپنے پروردگار سے لقاء کی منزل کی طرف تیزی سے گامزن ہو جائیں اور ایسا ہی ہوا، آپ محراب عبادت، جو بہترین الٰہی کارزار ہے، اپنے خون میں نہا گئے۔

سنہ ہجری میں ضد اسلام عوامل و اشخاص اور منافقین کی سازشوں اور فریب کاریوں کے باوجود آپ اپنی حکومت اور خلافت ظاہری کے پانچویں سال میں داخل ہوئے، یہ پانچ سال کا زمانہ جس میں حضرت علیؑ زمامدار حکومت اسلامیہ رہے، سارا کا سارا ناگوار حوادث اور ضد حکومت اسلامی عوامل و افراد کی ریشہ دوانیوں اور تفرقہ اندازیوں سے بھرا ہوا تھا، یہ سازشیں اور اقدامات جو زیادہ تر داخلی پہلو رکھتے تھے شدید نقصان دہ و ضرر رساں

جنگوں مثلِ جنگ جمل و صفین و نہروان کی شکل میں ظاہر ہوئے، اور علیؑ وہ مرد عالم و زاہد و حق آگاہ اور امام دانشمند و شجاع جس قدر ممکن تھا کوشش فرماتے رہے کہ یہ ملت کے خلاف جنگیں وقوع پذیر نہ ہوں لیکن کینہ توزوں اور موقع سے فائدہ اٹھانے والوں نے ایک نہیں سنی۔

علیؑ تو اپنی ساری سعی و کوشش زمانۂ پیغمبرؐ کے حالات اور اسی ماحول کے واپس لانے اور اسلامی حیات بخش اصول کو دوبارہ بروئے کار لانے میں صرف فرما رہے تھے لیکن عرب کے ممتاز طبقوں اور ان عناصر جو علیؑ سے قبل والے خلیفہ کے دور میں ناحق مال و دولت اور ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے کے درمیان علیؑ کے بہت سے غدار دشمن تھے جس کا سر انجام یہ ہوا کہ انہیں غداروں کی تحریک سے زمانۂ جاہلیت اور اس کے فوراً ہی بعد آپ کے مبارزات اسلام کے سلسلے میں پرانے کینے جو تاریخ کی اس بزرگ ترین شخصیت کے خلاف ان کے دلوں میں چھپے ہوئے تھے ایکدم سے ظاہر ہو گئے اور پھر جنگ صفین کے معرکہ میں معاویہ، عمرو عاص اور اشعث بن قیس کندی جیسے دوسرے منافقین کا قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کرنا فرقہ خوارج کے ظاہر ہونے کا باعث ہوا، اور اس فرقہ کی پیدائش جنگ نہروان واقع ہونے کا باعث ہوئی اس جنگ میں امیرالمومنین علیؑ کے طرفداروں اور نزدیکی دوستوں نے جب خطرہ کو بالکل نزدیک دیکھا تو بے پناہ حملے شروع کر دیئے اور میدان کو خوارج کے وجود سے پاک کر دیا، علیؑ نے خود بھی اس جنگ میں منافق گروہوں کے فتنہ و فساد کو دفع کرنے کیلئے کمر ہمت باندھی، اور اسطرح ان منافقوں میں سے سوائے چند نفر کے سب ختم ہو گئے۔

جنگ نہروان کے ختم ہونے کے بعد زخموں نے شفا پائی اور اپنے مقتولین پر گریہ وزاری کی اور پھر گذشتہ و موجودہ حوادث پر بحث و مباحثہ میں مشغول ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے چند نفر منافق جو اپنے دلوں میں جناب امیرالمومنین علیؑ کی طرف سے بھی کینہ رکھتے تھے اور معاویہ

سے بھی عداوت رکھتے تھے مکہ کا رخ کیا وہاں پہنچکر ان میں سے تین شخصوں (عبدالرحمن بن ملجم مرادی برک ابن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی) نے ایک نشست کے دوران کہا کہ فعلاً ان تمام پریشانیوں کے ذمہ دار صرف تین شخص ہیں جن سے انتقام لینا چاہیئے، علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص پھر اس مقصد کے انجام دینے کے بارے میں باہم رائے مشورہ کیا۔

اور سب نے اس کام کیلئے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ یہ تینوں اشخاص بالترتیب شام اور مصر کی طرف روانہ ہو جائیں اور انیسویں ۱۹ ماہِ رمضان کی صبح کو علیؑ اور ان دوسرے دو افراد کو قتل کر دیں۔

برک شام گیا اور معینہ شب کو معاویہ کی گھات میں چھپ کر بیٹھ گیا اور فجر کے وقت جب اس نے معاویہ پر اپنی تلوار کا وار کیا تو تلوار معاویہ کی ران پر پڑی اور معاویہ کی جان بچ گئی۔

عمرو تمیمی مصر گیا اور شب ۱۹ ماہِ رمضان کو مسجد کے اندر والیِ مصر عمرو عاص کی گھات میں بیٹھا مگر اتفاقاً عمرو عاص اس دن بیمار ہو گیا اور مسجد میں نہیں آیا اور اس کی جگہ قاضی مصر نماز کیلئے مسجد میں آیا اور عمرو تمیمی کی تلوار کا لقمہ بن گیا۔

ابن ملجم کے لئے ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا جس کی وجہ سے اس کے منحوس ارادہ کی پختگی اور زیادہ راسخ ہو گئی، واقعہ یہ ہوا کہ چونکہ ۱۹ ماہِ رمضان کی شب معین تھی اور ابھی اس میں کئی روز باقی تھے۔ لہذا اس نے محلہ خوارج میں قیام کیا، یہاں تک کہ ایک دن اس کے دوستوں میں سے کسی ایک کے مکان پر اس کی نگاہ ایک عورت کے جمال پر پڑ گئی جس کا نام قُطامہ تھا اور وہ دلباختہ ہو گیا اور اس سے شادی کی درخواست کی۔

قُطامہ جو ایک خوبصورت عورت تھی اور اس کے خارجی باپ اور بھائی جنگ

نہروان میں قتل ہوئے تھے اسلئے امامؑ کے خلاف اپنے دل میں سخت بغض وکینہ رکھتی تھی اور برابر انتقام لینے کے موقع کی تلاش میں رہتی تھی، اس لحاظ سے جس وقت پسر ملجم کی درخواست اس کے سامنے آئی تو اس نے ابن ملجم سے سوال کیا:

جانتے ہو؟ میرا مہر کیا ہے؟

ابن ملجم نے کہا۔ جو تو طلب کرے گی؟

قطامہ نے کہا، میرا مہر بہت سنگین ہے:

علیؑ ابن ابیطالب کا خون، تین ہزار درہم نقد، ایک غلام اور ایک کنیز۔

ابن ملجم جو خواہش نفس امارہ کا اسیر ہو چکا تھا اور اپنی عقل وخرد، ہوش وحواس کو شیطان کے گرو کر چکا تھا قتل علیؑ ابن ابیطالبؑ کو قبول کر لیا (ارادہ تو پہلے ہی سے تھا اب مزید پختہ ہو گیا) انیسویں شب ماہِ رمضان آگئی، اس رات خود قطامہ بھی مسجد میں آئی اور دوسرے چند افراد کو بھی ابن ملجم کی مدد کیلئے بلا لیا تھا، یہ سب گھات میں بیٹھے ہوئے صبح کا انتظار کر رہی تھی۔

ماہِ رمضان میں امیرالمومنین علی علیہ السلام ہر شب اپنے فرزندوں میں سے کسی ایک کے گھر افطار کی غرض سے تشریف لیجاتے تھے، چنانچہ انیسویں شب اپنی دختر جناب اُمّ کلثوم کے گھر تشریف لے گئے۔

جناب اُمّ کلثوم فرماتی ہیں کہ اس شب میرے پدر بزرگوار میرے گھر تشریف لائے، اولاً نماز میں مشغول ہو گئے، پھر میں افطار کیلئے ایک ظرف لائی جس میں جو کی فقط دو روٹیاں اور ایک کاسہ شیر اور تھوڑا سا نمک تھا۔

پدر مہربان نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس سینی کو دیکھا اور فرمایا جانِ پدر! دو قسم کے کھانے ———— کیوں لائی ہو، تم نہیں جانتیں کہ تمہارا باپ

اسوۂ پیغمبرؐ کی پیروی کرتا ہے؟ بیٹی! مال حلال دنیا کا حساب ہوگا اور مال حرام میں عقاب ہوگا جب تک تم ان دو سالنوں میں سے ایک کو اٹھا نہ لوگی میں افطار نہیں کروں گا۔

میں نے کاسۂ شیر اٹھالیا تب آپ نے وہی جو کی تھوڑی سی روٹی نمک کے ساتھ تناول فرمائی، اس کے بعد شکر خدا ادا کیا اور پھر نماز میں مشغول ہو گئے، آپ نے اس شب بہت نمازیں پڑھیں اور بارگاہِ خداوندی میں گریہ فرماتے رہے، بہت دفعہ حجرہ سے نکلکر صحن خانہ میں آتے، آسمان کی طرف دیکھتے پھر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور آیہ ان فی خلق السمٰوات والارض جس میں تدبیر الٰہی کی باریکیوں اور آفرینش عالم کی شگفتگی کا تذکرہ ہے تلاوت فرماتے تھے اور پھر حجرہ میں چلے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، سپیدہ سحری نمودار ہوتے ہی مسجد میں جانے کے قصد سے باہر نکلے اس حالت میں کہ فرما رہے تھے :

"خدایا موت کو میرے لئے مبارک فرما"

دروازہ کے قریب چند مرغابیاں جو گھر میں پلی ہوئی تھیں اس سحر کے وقت امام کے سامنے آگئیں اور آپ کا راستہ روک کر چیخنے اور فریاد کرنے لگیں اور پروں کو پھڑپھڑانے لگیں ہم نے چاہا کہ انہیں حضرت کے راستہ سے ہٹادیں۔ امامؑ نے فرمایا :

"انہیں چھوڑ دو، فریاد کرنے دو، ابھی یہ فریاد کر رہی ہیں اس کے بعد لوگ نوحہ وشیون کریں گے۔" پھر ان مرغابیوں کے بارے میں سفارش کی۔

"جان پدر! یہ بے زبان پرندے ہیں، یہ اپنی بھوک وپیاس کا اظہار نہیں کر سکتے لہذا ان کی نگہداشت کرنا ان کو وقت پہ دانہ پانی دیتی رہنا، یا اگر ممکن نہ ہو تو انہیں آزاد کر دینا۔"

اس کے بعد حضرتؑ مسجد میں تشریف لیگئے، مسجد کی قندیلیں خاموش تھیں، ابھی تاریکی میں چند رکعت نماز پڑھی پھر دعا تعقیب پڑھی اور دعا فرمائی اس کے بعد مسجد کے گلدستۂ اذان

پر تشریف لے گئے اور اذان دی، اذان کے بعد گلدستہ سے اترے اور سونے والوں کو بیدار کرنا شروع کیا، ابن ملجم بھی انہیں سونے والوں کے درمیان منہ کے بل پڑا تھا گویا سو رہا ہے، اس حالت میں کہ شمشیر زہر آلود اپنے کپڑوں کے نیچے چھپائے ہوئے تھا، جب امامؑ اس کے نزدیک پہنچے تو فرمایا:

"اس طرح نہ سو! یہ شیاطین کے سونے کا طریقہ ہے....."

پھر محراب میں تشریف لے گئے اور نماز صبح کیلئے کھڑے ہو گئے، ابن ملجم اور شبیب (جو ابن ملجم کی مدد کیلئے آیا تھا) دونوں آہستہ آہستہ اپنے کو محراب سے نزدیک تر کرتے جا رہے تھے (یہاں تک کہ)

جب امامؑ نے نماز کی پہلی رکعت کے سجدہ سے سر اٹھایا شبیب نے اپنی تلوار کا وار کیا مگر تلوار محراب کی دیوار سے ٹکرائی اور وار خالی گیا اسی لمحہ ابن ملجم جلدی سے آگے بڑھا اور اپنی زہر آلود وزنی تلوار کا وار امامؑ کے سر اقدس پر کیا جس سے سر اقدس شگافتہ ہو گیا۔ علیؑ اپنے شگافتہ سر کے ساتھ مسجد کوفہ کی محراب میں ہیں اور اسی لمحہ شہادت کی عظمت اپنی زندگی کی معنویت و مقصدیت اور موت کے اقسام میں سے اپنی پاک و پاکیزہ موت کی نوعیت پر کمال توجہ کے ساتھ ایک نگاہ ڈالی اور آواز دی:۔

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَة (پروردگار کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

مسجد کے لوگ بپھر گئے اور ابن ملجم کو گرفتار کر لیا اور اُسے امام حسنؑ کے پاس لائے امام علیؑ نے ابن ملجم کے بارے میں سفارش فرمائی:

"دیکھو! اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور جو کچھ تم خود کھانا وہی اسے بھی کھلانا، اس کے خوف، وحشت، اضطراب و گھبراہٹ پر رحم کرنا"

لوگ امام علیہ السلام کو محراب سے اٹھا کر صحن مسجد میں لانے کے بعد حضرت کے گھر لیگئے شہر کوفہ کے تمام باشندے اس خبر سے آگاہ ہوئے اور امامؑ کے گھر کی طرف جوق در جوق روانہ ہو گئے، امامؑ کی حالت بے حد تشویشناک تھی اسلئے کم ہی لوگوں کو دیدار امامؑ کی اجازت ملتی تھی، اسی صورت سے حالات گذر رہے تھے خانوادہ امامؑ کے افراد اور دوسرے مومنین اس مصیبت عظمیٰ کے رنج وغم و درد سے بے چین تھے، خود امامؑ بھی زہر آلود زخم کے درد و سوزش کی وجہ سے تپ میں مبتلا اور بے چینی سے تڑپ رہے تھے، تھوڑی دیر بھی ذرا سا سکون ملتا تو اپنے فرزندوں اور اپنے اصحاب اور دوستوں کو وصیت ونصیحت فرماتے تھے اور دین وتقویٰ کے طریقے تعلیم فرماتے تھے کبھی شدت تکلیف سے بے ہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش میں آجاتے۔

ایک مرتبہ جو حضرت ہوش میں آئے تو امام حسنؑ نے زہر کا اثر روکنے یا کم کرنے کیلئے حضرت کی خدمت ایک کاسۂ شیر پیش کیا۔

امامؑ نے کاسۂ شیر ہاتھ میں لیا، اس میں سے تھوڑا نوش فرمایا اور پھر حکم دیا کہ بقیہ شیر ابن ملجم کے واسطے لیجائیں اور ایک مرتبہ پھر ابن ملجم کیلئے آب وغذا کے بارے میں سفارش فرمائی ....

آہستہ آہستہ رات آگئی شب بستم ماہ رمضان امامؑ نے اس رات بیٹھ کر نماز پڑھی اور برابر اپنے فرزندوں کو نصیحت فرماتے رہے، ۲۰ ماہ رمضان کا دن آیا، اس دن بھی لوگ آتے تھے اور ہر ایک کوئی نہ کوئی سوال کرتا، حضرت فرماتے:

"اپنے سوالات کو مختصر الفاظ میں پیش کرو۔"

اور پھر ہر ایک کو جواب عنایت فرماتے رہے۔

"حجر بن عدیؓ آئے اور امامؑ کی شان میں ایک شعر پڑھا۔ امامؑ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ ایک زمانہ کے بعد تمہیں لوگ طلب کریں گے تاکہ تم مجھ سے بے زاری کا اظہار کرو۔"

اور پھر یہ دن بھی ختم ہوگیا اور اکیسویں ماہِ رمضان کی شب آگئی، اس شب میں حضرت نے اپنے تمام فرزندوں اور اہل خانوادہ کو جمع کیا اور ان سب کو وداع کیا اور اپنی مشہور و معروف وصیت بیان فرمائی ؛

"حق بات کہو اور ہر کام خدا کے لئے کرو۔"

"ظالم کے دشمن اور مظلوم کے حامی و مددگار رہو۔"

"حسنؑ اور حسینؑ! تم دونوں سے اور اپنے تمام فرزندوں سے اور اپنے خاندان والوں سے اور ہر اس شخص سے زمانہ کے خاتمہ تک جس تک میری یہ وصیت پہنچے سب سے تقوائے کی رعایت، کاموں کو نظم و ضبط سے انجام دینے اور اختلافات کو ختم کرنے کی میں سفارش کرتا ہوں، اور یتیموں کے بارے میں خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی وقت بھوکے رہ جائیں یا ایک لمحہ کیلئے مورد توجہ نہ رہ جائیں، ہمسائیوں اور پڑوسیوں کا لحاظ رکھو قرآن کے بارے میں خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے قرآن مجید کے مطابق عمل کریں اور تم نہ کرو، خانہ کعبہ کے بارے میں خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، کعبہ، یاد رکھو جب تک تم زندہ ہو خانہ خدا کو اپنی حاضری سے خالی نہ چھوڑنا۔

جہاد کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں، مال سے، جان سے اور زبان سے راہ خدا میں جہاد جاری رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے سے وابستہ رہو اور ایک دوسرے کی خبر گیری کرتے رہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا، اگر تم امر بالمعروف و نہی از منکر کو چھوڑ دو گے تو

بدترین لوگ تم پر مسلّط ہو کر حکومت کریں گے اور جس زمانہ میں بدترین لوگ حکومت کریں گے تو تم جو دعا بھی کرو گے اُسے خدا مستجاب نہیں فرمائے گا۔

اس کے بعد مولائے متقیان بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو اپنے خاندان کے افراد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں"۔

"خدا تم سب کو راہ حق و صدق پر ثابت قدم رکھے"۔ پھر فرمایا:

"اے اللہ کے فرشتو! تم پر درود ہو"۔

اس کے بعد قرآن مجید کی چند آیتیں اس مضمون کی تلاوت فرمائیں کہ:

"خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اپنی عمر کو تقویٰ و پرہیزگاری میں گذاریں، اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ہمیشہ نیک کام کریں"۔

اور پھر اس کے ایک لمحہ بعد اشهد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ و اشهد انّ محمداً عبدہ و رسولہٗ ، اور پھر آرام اور مکمل خاموشی

رات کے ابتدائی اوقات تھے جب خبر شہادت امام علیؑ سارے شہر کوفہ میں منتشر ہو گئی اور در و دیوار کو فلرز گئے اور ہر طرف سے نوحہ و شیون کی صدائیں آ رہی تھیں۔

جمعیت مومنین نے خانہ امیرالمومنین کو اس طرح سے گھیر لیا اور اس طرح در و دیوار سے لپٹ گئے تھے جیسے انگوٹھی کا نگینہ چاندی کے دندانوں میں محصور ہوتا ہے اور لوگوں کی صدائے نالہ و فریاد ہر طرف بلند تھی۔

تمام لوگ منتظر تھے کہ امامؑ کے جنازہ کو باہر لائیں تو وہ اس کی تشیع کریں لیکن امام حسنؑ باہر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں

اور ان کے حق میں دعا خیر فرمائی۔

جس وقت جمعیت متفرق ہوگئی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تو امام حسنؑ مجتبیٰ نے اپنے پدر عالیقدر کی وصیت کے مطابق آپ کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور تابوت میں رکھ دیا اس کے بعد قرابتداروں اور مخلص دوستوں میں سے چند افراد کی مدد سے تابوت کو اٹھایا اور اپنے شانوں پر رکھ کرلے چلے، اور سرزمین نجف میں دفن کر دیا، اور حضرت کی قبر کو پوشیدہ کر دیا، اور اس صورت سے مجسمۂ علم و تقویٰ اور مرد فضیلت و شہادت اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جا پہنچا۔

امیرالمومنین علیؑ نے فرمایا تھا کہ جس جگہ میرا تابوت زمین کی طرف جھکنے لگے اُسی جگہ مجھے دفن کرنا اور دفن کرنے کے بعد میری قبر کو مخفی رکھنا کیونکہ فرقہ خوارج میں سے بچے ہوئے افراد اور حاکم ظالم شام کے ہاتھ زندہ و مردہ کسی پر رحم کرنا نہیں جانتے۔

تابوت کا اگلا سرا اس سرزمین پر جو کوفہ کے نزدیک تھی اور نجف کے نام سے پکاری جاتی تھی زمین کی طرف جھکا امامؑ کے فرزندوں امام حسنؑ و امام حسینؑ نے خود دفنانے کی خدمت انجام دی اور گھر کی طرف پلٹ آئے۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ کی قبر ہارون الرشید کے زمانہ تک مخفی و پوشیدہ رہی (اور ائمہ کے علاوہ) حضرت کے صرف چند اقرباء اُس جگہ سے واقف تھے۔

سودہ ہمدانی علیؑ کی فداکار و مخلص چاہنے والی نے معاویہ کے سامنے علیؑ پر درود بھیجا اور اس طرح حضرت کا مرثیہ پڑھا۔

صلی الالہ علی روح تضمنھا قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

قد حالف الحق لا یبغی بدلا فصار بالحق والایمان مقرونا

۱۔ (خدا رحمت نازل فرمائے اس روح پاک پر جس کے جسم کو خاک نے اپنے سینہ میں چھپالیا
تو اس کے ساتھ ہی عدل و انصاف بھی دفن ہو گئے)

۲۔ (حق کے ساتھ عہد و پیمان باندھا تھا کہ اس کے بجائے اور اس کے بدلے کسی دوسری
چیز کو اختیار نہیں کریں گے پس آپ کا وجود حق و ایمان کا مجسمہ بن گیا)

صعصعہ بن صوحان عبدی جو عاشقان و فدائیان علیؑ میں سے ایک تھے اور ان خاص افراد میں سے تھے جنہیں اُس شب دفن میں علیؑ ابن ابیطالب کے مراسم دفن میں معدودے چند افراد کے ساتھ شرکت کا موقع ملا۔ امام کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد صعصعہ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے سینہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے سر پر خاک ڈالی اور کہا :۔

"یا امیر المومنین! آپ کو موت قبول ہو کیونکہ آپ کا تولد پاک تھا اور آپ کا صبر طاقتور تھا اور آپ کا جہاد عظیم تھا، آپ نے اپنے افکار پر قابو پالیا اور نفع بخش تجارت سے موفق ہوئے، آپ اپنے خالق و پروردگار کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور اس نے بھی خوشی سے اپنے قرب خاص میں جگہ عنایت کی، اور آپ اپنے برادر بزرگ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے درجہ تک پہنچے اور آنحضرتؐ کے کاسہ لبریز کو آپ نے بھی نوش فرمایا۔"

'یا امیر المومنین! آپ نے وہ چیز حاصل کر لی جسے دوسرے لوگ حاصل نہیں کر سکے اور آپ اس منزل پر پہنچ گئے جس پر دوسرے نہیں پہنچ سکے آپ نے اپنے برادر بزرگ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں رہکر جہاد کیا اور دین خدا پر جس طرح قیام کرنا چاہیے تھا آپ نے قیام کیا یہاں تک کہ سنتوں کو آپ نے قائم کیا فتنوں اور خرابیوں کی اصلاح کی، اسلام و ایمان کو منظم کیا، آپ پر بہترین درود ہو اور بہترین رحمتیں نازل ہوں۔

'آپ کے ذریعہ مومنین کی پشت محکم و مضبوط ہوئی اور راہیں روشن ہوئیں اور سنتیں مضبوطی سے قائم ہوئیں، کوئی ایک شخص بھی آپ کے فضائل اور آپ کے خصائل پسندیدہ کو اپنے اندر جمع نہیں کر سکا، آپ نے پیغمبرؐ کی آواز پر لبیک کہی، آنحضرتؐ کی دعوت قبول کرنے پر دوسروں پر سبقت حاصل کی، آنحضرتؐ کی نصرت و مدد میں جلدی کی، اور اپنی جان کو سپر بنا کر آنحضرتؐ کی حفاظت کی، خوفناک مراحل میں اور مسلمانوں کی وحشت و گھبراہٹ کے موقع پر اپنی شمشیر آبدار ذوالفقار سے دشمنوں پر حملہ کیا اور ستمگروں کی کمر توڑ دی، شرک و پستی کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا، اور گمراہوں کو خاک و خون میں لت پت کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، پس اے امیرالمومنینؑ آپ کو قبول ہو یہ موت!

'تمام لوگوں کی بہ نسبت پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ نزدیک آپ تھے، آپ وہ پہلے شخص تھے جو یقین سے لبریز و مالا مال و سرشار اور مضبوط دل کے ساتھ اسلام کے گرویدہ ہوئے، آپ سب سے زیادہ فداکار تھے اور خیر و نیکی میں آپ کا حصہ سب سے زیادہ تھا، خدا ہم کو آپ کی مصیبت عظمیٰ کے اجر سے محروم نہ فرمائے اور آپ کی رحلت کے بعد ہمیں رسوا نہ کرے۔'

'خدا کی قسم آپ کی زندگی خیر کی کلید تھی اور شر کا قفل، (افسوس) آپ کی موت ہر شر کی کلید ہوگی اور ہر خیر کا قفل، اگر لوگوں نے آپ کو قبول کیا ہوتا تو آسمانوں اور زمین سے ان پر نعمتوں کی بارش ہوتی، لیکن انہوں نے تو دنیا کو آخرت کے بدلے چن لیا اور اسے دین پر ترجیح دی۔'

'ہاں ہاں! ان لوگوں نے دنیا کو منتخب کیا اور آپ کے عدل و مساوات کی تاب نہ لا سکے جس کا انجام یہ ہوا کہ بندشوں اور رکاوٹوں کے ہاتھ آستین سے باہر آگئے اور

علیؑ کو شہید کردیا۔"

اس طرح سے اسلام کی یہ عظیم و نمایاں شخصیت جہان علم و فکر اور تاریخ بشری میں ہمیشہ باقی رہنے والی شجاعت کی تابناک روشنی کوفہ میں غروب ہوگئی لیکن اس کے افکار و نظریات، تعلیمات و ارشادات آغاز شہادت کے لمحات سے لیکر جب تک دنیا قائم ہے تب تک انسانوں کی زندگی کے مراحل اور راہوں میں جاری و ساری رہیں گے۔

درود ہو اس جاودانہ شخصیت پر اس وقت جبکہ وہ دنیا میں آئی اور ان لمحات میں جن میں اس نے زندگی بسر کی اور ان آخری اوقات میں کہ جب اس نے دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلیں، درود ہو اور رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔

جناب فاطمہ زہراؑ

عمل و مبارزہ حق طلبی و انقلاب کی خاتون

اسلام کی عظیم المرتبت و مثالی خاتون

اسلام اپنے انسان ساز مکتب میں نہ صرف ترقی کی منزلوں پر پہنچانے والے اصول کا مرتب کرنے والا اور جامعہ بشریت کی انفرادی و اجتماعی ترقی و کمال کی قدروں کا بانی ہے بلکہ ان اصول اور قدروں کے مطابق ایسے انسانوں کو پرورش کرتا ہے جو خود جامع اسلامی اور دوسرے لفظوں میں اجتماع بشری کی قدروں کے مکمل نمونہ ہیں۔

اسلام کی بزرگوار خاتون بہ عنوان ایک دختر یعنی دختر پیغمبرؐ ہونے کے عفت و قناعت و تقوے کا نمونہ ہیں، اور بہ عنوان ایک زوجہ یعنی زوجہ امام علیؑ ہونے کے ایک روشن و واضح صبر کی خوگر اور زحمت کش زوجہ ہیں اور بہ عنوان ماں یعنی مادر حسنینؑ و زینب و اُم کلثوم ہونے کے دین کے بے باک مجاہد انسانوں کی پرورش کنندہ اور جامعہ بشری کی رہبری پر قدرت رکھنے والی ہیں، اور مختصر عبارت میں فاطمہؑ ان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں ایک عقلمند انسان خود اعتماد و دلیر مجاہد ہیں، اور اپنے جامعہ (جامعہ نسوان) میں ایسے تغیرات و تبدیلی کی مبدا و منشا ہیں کہ ایک خردمند و مصلح اور مردوں کی ہمشان عورت کا نمونۂ کامل شمار ہو سکتی ہیں اور

بدوی قبائل میں عورت کے ننگ وعار ہونے کے خیال کو قبیلہ کے متعصب مردوں کے دماغوں اور ذہنوں سے دھو سکتی ہیں، اور ثابت کر سکتی ہیں کہ عورت و مرد کے درمیان سوائے تقوائے و پرہیزگاری کے اور کوئی مخصوص امتیاز اور واضح فرق وجود نہیں رکھتا تاکہ دنیا والوں کو یہ بتائیں کہ جامعہ اسلامی کی درستی و اصلاح اور امور زندگی کو آگے بڑھانے میں عورتوں کا کردار بھی ویسا ہی مؤثر و نافذ العمل ہے جیسا مردوں کا۔ جناب فاطمہؑ وہ بزرگ و عالیقدر خاتون تھیں جو اپنی حیات میں نئی نئی قدروں کی موجد تھیں اور اپنی وفات کے بعد بہت سے جدید معیار زندگی جامعہ اسلامی کو بخشے۔

جزیرۃ العرب کے خشک بیابانوں میں رہنے والے اعراب جاہلیت کی سوسائٹی! آغاز بعثت پیغمبرؐ اور اسلام کے نومولود آئین کی پیدائش کے زمانہ میں ایک مذکر سوسائٹی تھی ایسی سوسائٹی میں مادر سالاری نظام کے ختم ہونے کے بعد نظام سالاری تشکیل پا چکا تھا اس قبائلی نظام میں صرف فرد کی زندگی کی قدر و قیمت اقتصادی و مادی معیاروں کے قابل ذکر یعنی اس سوسائٹی کی جو فرد بھی لائق مبارزہ و پیکار اور کچھ کر گذرنے پر قادر ہوں اور دوسرے کمزور قبائل سے کوشش و جنگ و پیکار کے ذریعہ اقتصادی درآمد یا جنگی مال غنیمت حاصل کر سکتی تھی وہی شخص اس سوسائٹی میں قدر و قیمت والا سمجھا جاتا اور وہی شخصیت کا مالک ہوتا۔

عورت، اس دلیل کی بنا پر کہ جسمانی اعتبار سے ضعیف شمار ہوتی ہے ایسی سوسائٹی میں نہ تو اقتصادی کام انجام دینے پر قادر تھی اور نہ قبائلی جنگ و جدل کی قوت رکھتی تھی۔ اس وجہ سے نہ تو اس کی کوئی قدر و قیمت تھی اور نہ کوئی شخصیت، اور یہی وجہ ہے کہ اعراب جاہلیت کی طویل تاریخ میں صرف ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد کے برابر بلکہ اس سے

بھی کم عورتوں کا سراغ لگایا جاسکتا ہے جو کم از کم ایک نسبتی قدر وقیمت کی مالک ہوں، یہ معاشرہ ایسی ساخت وبافت اور ایسے نظام کے ساتھ اپنی خاص لغت بھی رکھتا تھا، اعراب جاہلیت کی مذکر سوسائٹی کی لغت میں عورت کا مفہوم ایک ننگ وعار کے مترادف تھا اور عورت سوسائٹی کیلئے عیب اور رسوائی کا باعث شمار کی جاتی تھی، یہانتک کہ اعراب جاہلیت کی لغت کی ایک ضرب المثل مشہور ہے کہتاہے "عورت ننگ ہے اور ننگ کو خاک میں ملادینا چاہیئے" ایک عرب شاعر نے اسی زمانہ میں ایک نغمہ لکھا ہے وہ کہتا ہے:

"لڑکی کے واسطے چھپنے اور پوشیدہ رہنے کی تین جگہیں ہیں، داماد جو اس کی حفاظت ونگہداشت کرے، وہ گھر جو اسے چھپائے رکھے اور وہ قبر جس میں اسے دفن کردیں، داماد اور قبر گھر سے بہتر ہیں۔"

ایسی سوسائٹی میں ایک اونٹ کی قیمت کئی لڑکیوں سے زیادہ تھی اگر کسی ایک قبیلہ کی تمام لڑکیاں زندہ درگور بھی کی جاتیں تو بھی ان کی قیمت کئی گھوڑے نہیں بلکہ صرف ایک گھوڑے سے زیادہ نہیں ہوتی، لڑکوں کا وجود مردوں کیلئے زیادہ باعث شرف تھا صرف جنگ وپیکار کیلئے، اور مردوں کی پیشانی پر اس وقت نفرت وننگ کا داغ لگ جاتا تھا جبکہ ان کی بیویاں کسی لڑکی کو جنم دیتی تھیں، ایسی تاریک فضا اور خفقان کا ماحول تھا جس میں برگزیدہ خدا حضرت محمد مصطفےؐ کی بعثت کے ساتھ انسان کو شرف وبلندی بخشنے اور حسرتِ صنفِ نازک اور جامعہ انسانیت کی بھلائی ہوئی شخصیت (عورت) کو قدرو منزلت عزت ووقار عطا کرنے کیلئے اسلام آیا اور اسلام نے قدر وقیمت کے تمام معیاروں کو جامعہ میں منتشر کردیا اور انسانیت کی بقاء ودوام کیلئے ایک طرح نو ڈالی اور نئی بنیاد رکھی، اور عورت اس مرتبہ جلیلہ پر پہنچ گئی کہ پیغمبر خدا نے اپنی دختر فاطمہ کے ہاتھوں

کا بوسہ لیا، آسمانی کتاب میں اس عورت کیلئے جو کل تک زندہ درگور کردی جاتی تھی آج علم کا حاصل کرنا فریضہ قرار دیا گیا، اور عورت نے یہ شرف و بزرگی یہ عزت و منزلت جناب فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ کی پیدائش کے طفیل میں حاصل کیا۔

۲۰ جمادی الثانی ۸ھ؁ ولادت جناب فاطمۃ الزہرا دختر پیغمبر اسلام کی سالگرہ کا مبارک دن ہے، جہالت و ضلالت کی شب تیرہ و تار میں جبکہ یہ تاریکی لانے والے اور اس تاریکی میں پناہ لینے والے سبھی اصنام اور بتوں کی چوکھٹ پر اپنی پیشانیاں گھس رہے تھے اور اپنے تراشے ہوئے پتھروں کی پرستش و ستائش کرنے میں مشغول تھے۔ لا الہ الا اللہ کی نورانی گونج سے شب تار کا پردہ تار تار ہو گیا، سارے بت ٹوٹ گئے، ضلالت کی اس شب دیجور میں جس میں لڑکیاں قبائلی عصبیت اور مردوں کی جہالت و نادانی کی وجہ سے پامال ہو رہی تھیں اور قبریں لڑکیوں کے زندہ جسموں کو نگل رہی تھیں، انھیں تاریکیوں کی گہرائی سے "عورت" کے وجود کا آفتاب طالع ہوا۔

عورت کی شخصیت نے فاطمہؑ کے وجود میں سربلندی حاصل کی اور آسمان کی طرف رُخ کر کے بلندیوں کی معراج کی منزل کی طرف قدم بڑھایا، عورت کی فضیلت قرآن کی زینت بنی اور خالق ارض و سما کے حکم سے عورت اس قابل ہوئی کہ اس کے پاؤں کے نیچے جنت کی قربانی کریں اور اس کی ولادت کی خوشی میں شکر و سپاس خدائے متعال بجا لائیں، فاطمہؑ کی پیدائش کی وجہ سے دشمن اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے اور دوستوں کے لبوں پر شکر و رضامندی کے ترانے تھے۔

٭٭٭

دشمنوں کی شماتت

سرداران قریش اور دوسرے قبائل عرب جو پیغمبر خدا محمدؐ کی صدائے توحید کو اپنی ترکتازیوں، قتل و غارتگریوں کے خاتمہ کا سبب سمجھتے تھے اور حضرتؐ کی طرف سے زبردست بغض و کینہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے، اس بات پر خوش تھے کہ محمدؐ کے کوئی فرزند نرینہ نہیں ہے، حضرتؐ کو طعنہ دیتے تھے کہ (معاذ اللہ) ابتر ہیں، ان کی نسل (معاذ اللہ) منقطع ہو چکی ہے ان کے کوئی اولاد نہیں ہوگی، حالانکہ وہ اس بات سے غافل تھے کہ فاطمہؑ کے دامن اور ان کی آغوش میں تاریخ کا ہمیشہ زندہ رہنے والا شہید پرورش پائے گا۔ اور جو اسلام کے انقلاب توحیدی کو تا ابد قائم و دائم رکھے گا۔

پیغمبر اسلامؐ کے یہاں جناب فاطمہؑ سے پہلے دو فرزند پیدا ہوئے لیکن دونوں زمانۂ طفولیت ہی میں انتقال کر گئے، دشمنان پیغمبرؐ جن کا راس و رئیس ابوسفیان تھا خوشی سے رقص و شادمانی کرنے لگے کہ محمدؐ کے کوئی لڑکا نہیں ہے یہاں تک کہ جناب خدیجہ زوجۂ محترمہ پیغمبر خداؐ ساٹھ سال کی عمر کے قریب پہنچ گئیں، دشمن جو پیغمبرؐ کے فرزندوں کو بچپنے ہی میں انتقال کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے بہت خوش تھے اور پیغمبرؐ پر طعن و شماتت کرتے تھے کہ پیغمبرؐ کے گھر میں ایک اور بچہ متولد ہوا دشمنوں نے یہ جان کر کہ نوزائیدہ دختر ہے خوشیاں منانے لگے، لیکن پیغمبرؐ راضی اور شاکر تھے کہ منادی وحی نے ندا دی: اے محمدؐ! اے برگزیدہ الٰہی خدا نے آپؐ کو کوثر عطا فرمایا ہے (یعنی کثرت اولاد عطا کی ہے) جو آپ کے بعد باقی رہے گی پس آپ اپنے پروردگار کی نمازیں پڑھتے رہیں اور قربانیاں دیتے رہیں "بے شک آپؐ کا دشمن ابتر و نسل بریدہ ہے۔ انا اعطیناک الکوثر ۞ فصل لربک وانحر ۞ ان شانئک ھو الابتر ۞

سیدہ طاہرہ کی زندگی کا زمانہ

جناب فاطمہؑ زہرا نے ایسے زمانہ میں صحن حیات میں قدم رکھا جب قریش کی جہالت ونادانی کی فوج کے حلیف دشمنوں نے آپ کے پدر بزرگوار کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اور آنحضرتؐ اپنی حیات طیبہ کے سخت ترین مراحل کو مسلسل طے فرما رہے تھے۔

آپ کے کان درۂ ابو طالب کے بھوکے اور محروم بچوں کی فریاد ونالے سے آشنا تھے۔ آپ نے محروموں کے ساتھ زندگی کا آغاز کیا اور محروموں کے ساتھ زندگی بسر کی اور محرومین مستضعفین کے ہمراہ وہم قدم رہ کر زندگی کا سفر ختم کیا۔

آپ نے پیغمبر بزرگوار اسلامؐ کی انسان ساز آغوش اور ام المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰ کے پُر از شفقت والفت دامن میں پرورش پائی، اور اسی روحانی مکتب میں روحانیت وپاکیزگی جہاں بینی اور خدا شناسی کا سبق سیکھا اور مکتب الٰہی اسلام کی تربیت یافتہ خاتون کا ایک سچا اور مکمل نمونہ بن گئیں جو بردباری واستقامت اور انسانی معاشرہ کے محروموں اور محتاجوں سے ہمدردی میں تا ابد باقی رہنے والا ایک واقعہ بن گئیں، آپ مراتب کمال وفضیلت کے لحاظ سے اس بلند مرتبہ پر پہنچ گئیں کہ آپ کے بارے میں آپ کے پدر بزرگوار کی طرف سے یہ سند افتخار صادر ہوئی: "ام ابیہا" (یعنی اپنے پدر بزرگوار کی ماں) فاطمہ زہرا کا جو احترام وتکریم جناب پیغمبر خدا فرماتے تھے۔ وہ عورت ہی کی شخصیت کے احترام کی ایک قسم تھی وہ مخلوق خدا جو سالہا سال بلکہ صدیوں سے عرب معاشرہ میں بے وقعتی ومظلومیت کی حالت میں زندگی گذار رہی تھی اور قریب تھا کہ اس کے فنا وزوال کا زمانہ اپنی انتہا کو پہنچ جائے وہی مخلوق

گھر کی فضا سے اور عزت و عظمت بخش تعلیم گاہ کے پاک و پاکیزہ اور رفعت و مہربانی سے سرشار مرکز اسلامی کی تعلیمات و تربیت کی برکت کے اس اعلیٰ منزل پر پہنچ گئی کہ اپنی آغوشِ تربیت میں حسنؑ و حسینؑ جیسے فرزندوں اور زینب و ام کلثوم جیسی خواتین کی پرورش کرے، اور راہ ایمان و تقویٰ میں اور اسلام کے نوبنیاد انقلاب کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے کام میں، محاذ بہ محاذ، خانہ بہ خانہ اور میدان بہ میدان اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اور اپنے شوہر نامدار و فداکار کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھتی جائے۔ یہاں تک کہ اسلامی عمیق مسئولیت و ذمہ داری کی ادائیگی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر دے۔

آپ گھر کے اندر اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں، چکی پیستی تھیں، گندم کوٹتی تھیں، اپنے ہاتھ سے روٹیاں پکاتی تھیں، غرض کہ گھر کے سبھی طاقت فرسا کاموں کو بذات خود انجام دیتی تھیں اور راتوں کو اپنے خالق و مالک و پروردگار کی بارگاہ بے نیاز میں عاشقانہ نمازوں میں اور خدا سے راز و نیاز میں گذارتی تھیں، اور معرکۂ جنگ میں مجروحین اور زخمیوں کی مدد فرماتی تھیں، عالم سیاست میں اسلام کی ایک دلیر و بہادر رہنما، سچی مجاہد اور نہ جھکنے والی ایک انقلابی خاتون تھیں، آپ اپنے حق کے متعلق دادخواہی کیلئے مسجد میں جاتی ہیں اور ایک خطبہ بلیغ ارشاد فرماتی ہیں اور حکومت وقت سے وضاحت و صفائی چاہتی ہیں۔ آپ کے یہ اعمال اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آپ صرف خاتون خانہ نہ تھیں بلکہ آپ خاتون عمل، خاتون پیکار و حق طلبی اور حق کی راہ میں ایک دلیر و رزمندہ خاتون تھیں، اپنے شوہر اور فرزندوں سے بے پناہ محبت کرنے والی میدان عمل و سیاست کی مجاہدہ، میدان عبادت و میدان تعلیم و تربیت کی مجاہدہ، میدان جہاد و پیکار و شہادت کی مجاہدہ، تمام فضیلتوں اور لیاقتوں کی حامل مجاہدہ..... تھیں۔

سیدہ طاہرہؑ کی خصوصی زندگی میں چند بہت نمایاں گوشوں پر ہماری نگاہ پڑتی ہے جو ممکن ہے کہ ہمارے جامعہ اسلامی کی خواتین اور لڑکیوں کی بہت سی خاندانی مشکلات کی گرہ کشا اور سبق آموز ہوں :-

۱۔ معیار ازدواج

زندگی کا سب سے پہلا سبق زہراؑ طاہرہ کے مکتب سے لیا جا سکتا ہے وہ شوہر گزینی اور شوہر کے انتخاب کا واقعی معیار ہے، قریش کے دولتمند افراد اور اشراف نے نبیؐ کی بارگاہ میں آپ کی خواستگاری کی، یہ لوگ مالی قدرت و مکنت اور اجتماعی وقعت و عزت کی بہت بلند سطح کے لوگ تھے لیکن فاطمہؑ طاہرہ نے حضرت علیؑ کو فقط اسلام کے ایک دلیر مجاہد و جان نثار کے عنوان کی بنا پر ترجیح دی، اور آپ کو اپنے ہمسر کی حیثیت سے قبول اور اختیار کیا جبکہ یہاں ہر قسم کی مادی و اقتصادی قدرت و مکنت و خوشحالی مفقود تھی، تاکہ مسلمان لڑکیوں کو یہ بتا دیں کہ واقعی قدر و قیمت مال و منال و جاہ و حشمت میں نہیں ہے (بلکہ ذاتی قابلیت علم و ادب، شجاعت و فداکاری میں ہے)

۲۔ مہر

زندگی کا دوسرا سبق اسلامی مثالی خاتون کے مہر کی کمی و سادگی ہے، اس سلسلہ میں تاریخ کی مشہور ترین سند یہ ہے کہ جناب امیرالمومنین علیؑ نے اپنی زرہ کو صدیقہ طاہرہؑ کا مہر قرار دیا جس کی قیمت چار سو اسی درہم تھی، وہ زرہ جو اُس زمانہ کے خریداروں کی نظر میں چند سو ریال سے زیادہ قیمت نہیں رکھتی تھی، لیکن مکتب امیرالمومنینؑ کے دوستداروں کی نظر میں دسیوں لاکھ تومان میں بھی اُسے خریدا نہیں جا سکتا، اور اصولاً تو اس زرہ کی قیمت کی تعیین کی ہی نہیں جا سکتی۔

اسلام زیادہ اور سنگین مہروں کی قرار داد و تجویز میں مسلمانوں کی صلاح و خوش بختی نہیں سمجھتا اور سفارش کرتا ہے کہ اگر تم نے داماد کے دین و اخلاق کو پسند کرلیا تو مہر کے بارے میں سخت گیری نہ کرو اور اس کی کم مقدار پر قناعت کرو۔ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"میری اُمت کی بہترین عورتیں، وہ ہیں جو خوبصورت ہوں اور جن کے مہر کم ہوں۔"

(وافی کتاب نکاح ص۱۵)

اسلام ہوشیار کرتا ہے:

"مہر کی زیادتی کے سلسلہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش لوگوں کی زندگی دشوار کر دیتی ہے اور لوگوں کیلئے بڑی بڑی مشکلیں کھڑی کر دیتی ہے۔"

امر ازدواج میں سہولت پیدا کرنے کیلئے چاہئے کہ جوانوں کو خانوادہ تشکیل دینے کی طرف رغبت دلائی جائے تاکہ معاشرہ کو ہزاروں اجتماعی خرابیوں، خاندانی پریشانیوں اور گرفتاریوں اور امراض روحانی سے محفوظ رکھا جا سکے۔ سنگین مہر داماد کی اقتصادی بنیاد کو نئی زندگی تشکیل دینے کے آغاز ہی میں کمزور و متزلزل کر دیتا ہے۔ زن و شوہر کی باہمی محبت اور صفائی قلب کو صدمہ پہنچاتا ہے اور جوانوں کو امر ازدواج کی طرف سے بے رغبت کر دیتا ہے۔ پیغمبر گرامی اسلامؐ نے اس غرض سے کہ مسلمانوں کو عملاً سمجھا دیں کہ کثیر و سنگین مہر ملت کے واقعی صلاح و مفاد میں نہیں ہے، اپنی عزیز دختر کو اسی مختصر مہر پر جو آپ نے اوپر ملاحظہ کیا امیر المومنین علیؑ کے ساتھ تزویج فرما دیا یہاں تک کہ بعنوان قرض و طلب بھی کوئی چیز آپ کے ذمہ معین نہیں کی۔

۲۔ معمولی جہیز

تیسرا سبق جو سیدہ طاہرہ کی زندگی سے سیکھا جا سکتا ہے وہ مختصر سا جہیز

ہے جو سیدہ طاہرہ اپنے ساتھ شوہر کے گھر لے گئیں لیکن اس کے ساتھ ہی فضائل و مناقب کا ایک انبار اور خلوص و محبت کے جہیزوں کی ایک دنیا بھی لے جا رہی تھیں۔

رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا:

"علیؑ! ابھی جاؤ اور جس زرہ کو تم نے فاطمہ زہراؑ کا مہر قرار دیا ہے فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لاؤ تا کہ اس سے تمہارے لئے جہیز اور گھر کا سامان مہیا کروں۔"

علیؑ ابن ابیطالب نے زرہ کو بازار میں لیجا کر فروخت کیا، مختلف روایتوں کے مطابق اس کی قیمت چار سو اسی درہم اور پانچ سو درہم کے درمیان معین کی جاتی ہے علیؑ ابن ابیطالب نے وہ رقم لی اور لا کر پیغمبر خداؐ کی خدمت میں پیش کر دی، رسولِ خداؐ نے ابوبکرؓ، سلمان فارسیؓ اور بلالؓ کو بلایا اور اس میں سے کچھ رقم ان لوگوں کو دی اور فرمایا:

"انھیں پیسوں میں فاطمہؑ کے واسطے اسباب و لوازم زندگی خرید کر لاؤ۔"

اور کچھ رقم اسماء بنت عمیس کو بھی دی اور فرمایا: "میری دختر کیلئے عطر اور خوشبو مہیا کرو۔" بقیہ رقم جناب اُمّ سلمہ کے سپرد کر دی۔

ابوبکرؓ کہتے ہیں: میں نے جب ان پیسوں کو گنا تو دیکھا کہ وہ کل ۶۳ درہم ہیں۔ اس رقم سے میں نے حسب ذیل اسباب و لوازم خریدے:

۱. ایک سفید پیراہن
۲. ایک مقنع
۳. ایک خیبری سیاہ چادر
۴. ایک چارپائی جو لیف خرما سے بنی ہوئی تھی
5. دو عدد توشک جس میں سے ایک گوسفند کے اون سے بھری ہوئی اور دوسری

لیف خرما سے پُر کی گئی تھی۔

۶۔ بھیڑ کی کھال کا تکیہ جو اذخر نامی گھاس سے پُر کیا گیا تھا۔

۷۔ ایک عدد ہجری چٹائی۔

۸۔ ایک جفت دستی چکی۔

۹۔ ایک تانبہ کا پیالہ۔

۱۰۔ ایک چمڑے کی مشک آب کشی کیلئے۔

۱۱۔ ایک طشت لباس دھونے کیلئے۔

۱۲۔ ایک پیالہ دودھ کیلئے۔

۱۳۔ ایک پانی پینے کا ظرف۔

۱۴۔ ایک اونی پردہ۔

۱۵۔ ایک لوٹا۔

۱۶۔ ایک مٹی کا گھڑا۔

۱۷۔ دو مٹی کے کوزے۔

۱۸۔ ایک عدد کھال فرش کیلئے۔

۱۹۔ ایک عبا۔ (مناقب ابن شہر آشوب۔ جلد ۳ ص ۳۵۳)

جس وقت زہراؑ کے جہیز کا سامان پیغمبر خداؐ کی خدمت میں لائے چشمان مبارک سے اشک جاری ہو گئے، اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

"خدایا! اس عروس کو ان لوگوں کے واسطے جن کے اکثر ظروف مٹی کے ہوں مبارک فرما۔"

رحلت

پیغمبرؐ بزرگوار اسلام و نجات دہندۂ عالم بشریت کی وفات کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا، مکہ پیغمبرؐ کے سوگ میں خون کے آنسو رو رہا تھا، گھروں اور جھونپڑوں کے اوپر سیاہ پرچم علامت غم و ماتم کے طور پر نظر آرہے تھے جزیرہ نمائے عربستان کی جلا دینے والی گرم ہوائیں پرچموں کے بادبانوں کو لہرا رہی تھیں، ان چند دنوں میں فاطمہ زہرؑا اپنے پدر مہربانؐ سے جدائی کے غم میں جنہوں نے ایک دفعہ فاطمہؑ کو اپنا ایک "ٹکڑا" فرمایا تھا اور پھر "نور چشم" اور "ام ابیہا" کے لفظوں سے یاد فرمایا تھا تڑپ رہی تھیں کبھی راتوں کو شام سے صبح تک اشک ریزی اور فریاد کرتی تھیں بیقراری فاطمہؑ کی کوئی حد و انتہا نہ تھی، اکثر ایسا بھی اتفاق پڑ جاتا کہ آدھی آدھی رات کو مادر مہربان کے گریہ اور ہچکیوں کی آواز سے حسنینؑ کی آنکھوں سے نیند بالکل اُڑ جاتی تھی، فاطمہ زہرؑا کیلئے پدر بزرگوار کی جدائی، وہ باپ جس نے انسانوں کے دلوں میں حیات جاودانہ پیدا کردی تھی، سیدہؑ کے حیطۂ تحمل و برداشت سے باہر تھی۔

اس صدمہ جانکاہ کا انجام یہ ہوا کہ ۱۲ر ماہ جمادی الاولےٰ کو، ان حالات میں کہ ابھی پیغمبرؐ کی رحلت کو تین ماہ سے زیادہ نہیں گذرے تھے۔ فاطمہ زہرؑا بھی اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہوگئیں۔ جس وقت بنت پیغمبرؐ کی رحلت کی خبر جزیرہ نمائے عربستان میں پھیلی تو عرب کے مختلف قبائل نے افسوس کے ساتھ یہ جملہ کہا:۔

"محمدؐ کی بولنے والی خاموش ہوگئی۔"

امامِ حسن علیہ السلام

صبر و استقلال و استقامت کے کوہِ گراں

امامِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام

سبطِ اکبر صبر و شکیبائی و استقامت کے مجسم نمونہ

۱۵ رماہِ رمضان سبطِ اکبر، مقاومت و صبر کے مردِ عظیم، خاندانِ رسالت کے اولین فرزند حضرتِ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت کی سالگرہ کا دن ہے۔

جناب امیر المومنین علیؑ بن ابیطالب اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پہلے فرزند ارجمند نے شب نیمۂ ماہ رمضان ۳ھ ہجری میں دنیا میں آنکھ کھولی، آپ کی ولادت عترتِ طاہرہ کے پاک ترین و بزرگ ترین خانوادہ میں ہوئی اور علیؑ بن ابیطالب جیسے باپ اور فاطمہ زہراؑ جیسی ماں کے سایۂ تربیت و پرورش میں آپ بڑے ہوئے اور ایسی تربیت و رشد اور نشو و نما پائی کہ خلوص و پاک نفسی اور مکارم اخلاق و صفات حمیدہ کی ایک دنیا اپنے ساتھ بطور تحفہ و سوغات لائے، اور اپنی روش و رفتار سیرت و کردار، اخلاق و عادات اور صفات و خصائل پسندیدہ کے ذریعہ اپنے جد بزرگوار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انبساطِ خاطر و سرورِ قلبی کے اسباب فراہم کئے، آپ کے وجود نے ایک خاص مسرت و شادمانی، بہجت و سرور خاندان رسالت میں ظاہر ہوا کیونکہ آپ خود بھی اپنے مبارک نام کی طرح خوبصورت بھی تھے اور اخلاق حمیدہ و صفات پسندیدہ کے مالک بھی اس

حد تک کہ اُس روز تک آپ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں دیکھا گیا تھا۔

پیغمبر عالیقدر اسلامؐ جس وقت اپنے کسی مختصر سفر سے مدینہ واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے خانۂ فاطمہ زہراؑ میں تشریف لاتے، اس دفعہ جو اپنی عادت جاریہ کے مطابق پیغمبر اکرمؐ جب خانۂ فاطمہؑ پر پہنچے تو اپنے وجود ذی جود کے اولیں ثمرہ کی ولادت کی مسرت بخش خبر سماعت فرمائی، اور نومولود نے جو زرد رنگ کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اپنے بزرگوار نانا کی آغوش میں قرار لیا، مرسل اعظمؐ نے تنبیہ آمیز لہجہ میں فرمایا:۔

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا ہے کہ بچہ کو زرد رنگ کے کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔۔۔"

فوراً ہی سفید کپڑا حاضر کیا گیا اور اس وقت نومولود کو سفید قنداق میں لپیٹ کر بزرگ و مہربان نانا کی آغوش میں دیا، پیغمبر اسلامؐ نے اس نومولود عزیز کو پیار کے ساتھ آغوش مبارک میں لیا اور شکر خدا ادا کیا پھر شہزادہ کے دونوں کانوں میں کلمہ توحید پڑھا پھر ایک خاص مسرت و شادمانی کے ساتھ فرمایا:۔

"میں اس بچہ کا نام حسن رکھتا ہوں۔" نام رکھ لینے کے بعد حکم دیا کہ آپ کے اس فرزند کیلئے ایک گوسفند عقیقہ کریں۔

یہ عمل عقیقہ اس روز تک اعراب اور مسلمانوں کے درمیان رائج نہیں تھا، لیکن اُس دن سے اس کا رواج ہوا اور اُسے شرعی حیثیت بھی حاصل ہوئی پیغمبر خدا نے دعا عقیقہ اس طرح تلاوت فرمائی:۔

(ترجمہ) "اس گوسفند عقیقہ کا گوشت و خون اور بال اور اس کی ہڈی حسنؑ کے گوشت و خون اور بال اور ہڈی کا فدیہ ہو جائے اور یہ قربانی محمدؐ اور آپ کے خاندان کو ہر آسیب سے دور رکھے۔" پھر آپ نے حکم دیا کہ اس گوشت میں سے کھایا جائے اور دوسرں

کو کھلایا جائے اور گوسفند کی ایک ران قابلہ (دائی) کو ہدیہ کر دیں۔

خاندان رسالت کا اولین نومولود مرسل اعظمؐ کی سیرت طیبہ کے مکمل طور سے آئینہ دار تھے سب لوگ امام حسنؑ کی صورت میں جمال محمدؐ کا نظارہ کرتے تھے پیغمبر اسلامؐ بھی اس نومولود سے ایک خاص عشق و محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ انتہائی محبت و الفت کی بناء پر نیز اس استعداد و لیاقت کے لحاظ سے جس کا سراغ اس ذخیرہ روزگار میں پاتے تھے آپ کے اور آپ کے برادر ارجمند حسینؑ کے بارے میں فرمایا:۔

"حسنؑ و حسینؑ اُمّت کے درمیان میری دو امانتیں ہیں، وہ دونوں جوانانِ بہشت کے سردار ہیں" یا یہ کہ آپؐ مکرّر فرمایا کرتے تھے:۔ 'خدایا! میں اس فرزند کو دوست رکھتا ہوں' خدایا! تو بھی اس شخص کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے" گویا پیغمبر اسلامؐ کی یہ کوشش بلیغ تھی کہ مسلمان ان شہزادوں سے مرسل اعظمؐ کی محبت و الفت کو دیکھیں اور اس بات کو آئندہ بھی یاد رکھیں اور مرسل اعظمؐ کے ان فرزندوں کے بارے میں آپ کے حق کی رعایت کریں۔

امام حسنؑ کے بعض روحانی خصوصیات

آپ کی ذات میں انسانیت کے اعلیٰ ترین صفات و علامات درخشاں تھے آپ ہر ایک سے محبت کرتے تھے آپ نے تین مرتبہ اپنی ساری مالیت و ملکیت محتاجوں کے درمیان تقسیم فرما دی اور دو مرتبہ اپنی تمام ملکیت کو راہِ خدا میں حاجتمندوں کے اختیار میں دیدیا، آپ نے اپنی پوری زندگی میں ۲۵ بار حج بیت اللہ کیلئے پا پیادہ سفر کیا حالانکہ سواری کے جانور آپ کے ساتھ ہوتے تھے کبھی کبھی پا برہنہ بھی اس روحانی سفر میں تشریف لے جاتے تھے تاکہ بارگاہِ الٰہی میں زیادہ سے زیادہ ادب و خشوع و خضوع کے ذریعہ اجر و جزا

وافر کے مستحق ہوں۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۴)

شجاعت و دلیری

آپ ایک مرد شجاع اور دلیر خطیب اور متعہد تھے، مسلمانوں کے درمیان ایک تعجب خیز وجاہت و اعتبار اجتماعی کے مالک تھے، جودت ذہنی اور خداداد ذکاوت و قوت ادراک سے حد کمال تک بہرہ مند تھے، آپ شخصی و اجتماعی عقائد و نظریات و افکار کے بیان کرنے میں معمولی سا بھی خوف و ہراس نہیں رکھتے تھے، خوف و بیم و ترس و ہراس کو آپ کے دل میں کبھی جگہ نہیں ملی، اور مقاصد اسلام کو آگے بڑھانے کی راہ میں کسی قسم کی جانبازی سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔

پیغمبر بشریت کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد ایک روز دو بھائی افسردہ و پژمردہ حالت میں مسجد رسول خداؐ میں داخل ہوئے اور مسجد کی چوکھٹ ہی سے ایک دوسرے شخص کو منبر کے عرشہ پر دیکھا، شجاع و دلیر حسنؑ نے اپنی فوق العادت حساسیت کی حالت میں جس وقت دیکھا کہ بزرگوار نانا کا منبر کسی غیر کے پاؤں تلے ہے تو جوش میں صدا دی: "اُترو میرے باپ کے منبر سے۔ تمہیں کیا حق ہے کہ میرے باپ کے منبر پر قدم رکھو۔" اس شخص کو جواب دینے کا یارا نہیں رہا اور ایک غم آلود سکوت و خاموشی کا بادل فضائے مسجد پر چھا گیا، اور اس خاموشی کے عالم میں جناب رسول خداؐ کے پُرشور خطبوں کے زمانہ کا نقشہ حاضرین مسجد کے ذہنوں پر کھنچ گیا، آخر کار اُس شخص نے لکنت آمیز زبان سے جواب دیا: "آپ سچ کہتے ہیں یہ جگہ آپ کے پدر بزرگوار ہی کی ہے ..."

یہ اعتراض حق کا جذبہ اور یہ جوش و خروش حسنؑ کی ذات میں نشو و نما پاتا رہا، اور یہ جذبہ

اعتراض و پیکار تاریخ اسلام کے اکثر حساس مواقع پر اپنی نشاندہی کرتا رہا۔ عثمانؓ کے زمانہ میں انقلابیوں کے آگ و خون کے درمیان، عائشہ کے ہودج کے زیرسایہ شدید تیر بارانیوں میں سپاہ اسلام اور لشکر کفر و نفاق کے درمیان ہونے والے اس عظیم معرکہ جنگ صفین میں غرض تمام میدانوں اور کارزاروں میں اپنے جوہر ذاتی کا نشان دیتے رہے، اپنی لیاقت و شائستگی شجاعت اور روحانی عظمت کو نمایاں حیثیت سے ظاہر و ثابت کیا اور ایک عنصر شجاع و متحرک و انقلابی کے عنوان سے اسلامی معاشروں میں پہچانے گئے۔

مظلوم کی حمایت

سب سے پہلی بار امام حسن علیہ السلام نے ایک زبردست خطیب کی حیثیت سے اپنے کلام کے ذریعہ ایک مظلوم و ستمدیدہ کی حمایت فرمائی وہ ۳۴ھ ہجری کا زمانہ تھا جبکہ صحابی بزرگ و مجاہد عظیم اسلام جناب ابوذر غفاری کو مدینہ سے رخصت کرنے کیلئے اُن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے جبکہ خلیفہ وقت نے انھیں شہر بدر کئے جانے کا حکم صادر کر دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ کسی شخص کو اُن سے گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ہے، جناب امیرالمومنینؑ اور آپ کے بیٹوں نے بیرونِ شہر مدینہ تک جناب ابوذر کی مشایعت کی اس وقت امام حسن علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا:

"افسوس کہ مشایعت کرنے والوں کو خواہ مخواہ واپس ہو جانا چاہئے اور وداع کرنے والوں کو چاہئے کہ وداع کی تلخ و ناگوار حقیقت بیان کرنے کیلئے چند کلمے زبان پر جاری کریں، ورنہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ وداع کی منزل بعید دشوار منزل ہے اور وداع کرنے والوں کی حسرت کی کوئی انتہا ہے، اے عم بزرگوار!

اب بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ (باوجود مخالفت) ہم سب آپ کی مشایعت کیلئے آئے ہیں، آپ دنیا کی تحقیر کیجئے اور دنیا کے فریبوں اور دھمکیوں کے مقابلہ میں اپنے موت کے دن کے بارے میں سوچیں، اور ان شکنجوں اور تلخیوں اور مصیبتوں پر صابر ہیں کیونکہ اس کی زندگی تھوڑی اور اس کی عمر مختصر ہے، لہذا اس دنیا کے پیچھے ایک عالم جاوداں اور حقائق کے پیش کئے جانے کا مقام ہے آپ اُس کے امیدوار ہیں ہبود دبر دبار رہے تاکہ میدانِ محشر میں رسولِ اکرمؐ کو اپنے سے راضی و خوشنود پائیں۔"

فصاحت وبلاغت

فرزندانِ نبوت و رسالت، فصاحت و بلاغت کا مرکز اور فکری و ذکاوت و جودت ذاتی کے سرشار اور مستقل جاری رہنے والے چشمے ہیں، امام حسنؑ خانوادہ جلیلہ نبویؐ کی انھیں فصاحت وبلاغت کی روشن و درخشاں شمعوں میں سے ایک ہیں۔

ابھی بچے ہیں لیکن آپ کی مادر گرامی فاطمہ زہراؑ ملاحظہ فرماتی ہیں کہ آپ تکیوں کو ایک دوسرے پر رکھتے اور اپنے واسطے منبر بناتے ہیں، اور پھر اس پر بیٹھکر کچھ خطبہ دیتے ہیں، مہربان ماں اس طرز و ادا کو دیکھکر بہت خوشحال ہوتی ہیں اور فرماتی ہیں:۔

"واہ واہ! ماشاء اللہ کیا خوب باتیں کہتے ہو اور اپنے پروردگار کی کیا اچھی توصیف و ستائش کرتے ہو اور کیسی فصاحت وبلاغت سے کلام کرتے ہو۔"

امام حسنؑ روز بروز اپنے کلام اور سخن رانی میں پہلے سے شیریں تر و لطیف تر ہوتے جاتے ہیں اور رسول خداؐ مسجد میں جو خطبہ ارشاد فرماتے اُسے امام حسنؑ گھر میں آکر بیان کر دیتے ہیں لیکن اس بات سے سوائے مادر گرامی اور خواہر کے دوسرا کوئی واقف نہیں ہے۔

ایک روز فاطمہؑ اس بات کا اپنے شوہر گرامی قدر جناب امیرالمومنین علیؑ سے ذکر فرماتی

ہیں اور کہتی ہیں :۔

"کیا آپ اس بات کو پسند نہیں کرینگے کہ اپنے فرزند کے منبر کے نیچے بیٹھیں اور انکا خطاب سماعت فرمائیں؟"

امیرالمومنین :۔ "کیسے نہیں پسند کروں گا؟"

اور پھر دوسرے دن امام حسنؑ کی سخنرانی کے موقع پر خاموشی سے گھر کے ایک گوشہ میں پنہاں ہو کر بیٹھ گئے تاکہ اپنے فرزند دلبند کی باتوں کو سنیں ، امام حسنؑ منبر کے عرشہ پر شکمن ہو گئے اور حسب معمول کلام کرنا چاہتے ہیں لیکن آج زبان لکنت کر رہی ہے الفاظ ادا ہی نہیں ہو رہے ہیں

ماں نے پوچھا :

"کیا بات ہے کہ آج تم لکنت کے ساتھ کلام کر رہے ہو؟ تم تو ایک چمکدار ہندی شمشیر تیز و بُراں جیسی زبان رکھتے ہو"

امام حسنؑ نے تھوڑے توقف کے بعد عرض کیا :۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی روح بزرگ اور بڑی عظیم شخصیت میرے کلام کو غور سے سُن رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی عظمت کے مقابلہ میں میں اپنا کلام جاری رکھنے سے اپنے کو عاجز محسوس کر رہا ہوں"

فوراً امیرالمومنین علیؑ پس پردہ سے برآمد ہوئے اور امام حسنؑ کو اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں ، تعریف کرتے ہیں ، شاباشی دیتے ہیں اور تشویق و ترغیب فرماتے ہیں ۔

صلح یا مسلمانوں کے خون کی حفاظت

امام حسنؑ کی زندگی کی اہم ترین عظمت و بزرگی کو معاویہ کے ساتھ آپ کی صلح تشکیل

دیتی ہے۔ وہ صلح جو دوست و دشمن دونوں کیلئے موضوع گفتگو بنی ہوئی ہے صلح یا تاریخ اسلام کی شجاعت آمیز و دلیرانہ نرم روش کے بارے میں ہم مفکرین اسلام میں سے صرف ایک شخص بزرگ شرف دین و آبروئے مسلمین جناب مرحوم آقا سید شرف الدین جبل عاملی کے کلام پر اکتفا کرتے ہیں، آپ نے اپنے اس مقدمہ میں جو علامہ شیخ راضی آل یاسین کی گرانبہا کتاب "صلح الحسن" پر تحریر فرمایا ہے (اور جس کتاب کا فارسی ترجمہ ادیب دانشور جناب آقائے سید علی خامنہ ای دام ظلہٗ العالی نے فرمایا ہے) اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"اموی جرگہ کی خطرناک سازشوں نے حسنؑ بن علیؑ اور آپ کے بھائی حسینؑ کو بڑے مہیب خطرہ سے دوچار کر دیا جو اسلام کو اسلام کے نام سے دھمکیاں دیتا تھا اور حقیقت کے نام سے نور حقیقت کو بجھانے پر کمربستہ تھا، ان دونوں اماموں کیلئے اس خطرہ کو دفع کرنے کیلئے دو راستوں کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔"

مقاومت و مقابلہ یا صُلح

امام حسنؑ کے دور میں مقاومت و مقابلہ و جنگ و پیکار حق کے محاذ اور دین و راہ حق کے طرفداروں کی تباہی پر منتج ہوتی کیونکہ اس زمانہ میں مقاومت خود امام حسنؑ اور بنی ہاشم اور ان کے ہوا خواہوں اور مددگاروں کو خطرہ میں ڈال دیتی اور ان لوگوں کو معاویہ کی طاقتور اور باقاعدہ مسلح و مجہز افواج سے مقابلہ کرنا پڑتا، اس صورت میں اگر اپنے برادر حسینؑ کی روز عاشورہ کی طرح فداکاری و جانبازی قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتے تو اس کا نتیجہ بلا تردد و تردید اس محاذ پر جانے والے تمامی افراد کی شہادت ہوتا۔

اور اموی جرگہ اس طرح سے جنگ میں نیز اپنے مقاصد فاسدہ میں نمایاں کامیابی

حاصل کرلیتا، اور اس فتح و کامیابی کے بعد معاویہ کیلئے میدان خالی اور بغیر حریف و رقیب رہ جاتا، ساتھ ہی حملہ اور فوج کشی کے سارے امکانی الزامات رقیب (امام حسنؑ) پر عائد کئے جاتے اور اس کے نتیجہ میں امام حسنؑ اسی سرانجام سے دوچار ہوتے جس سے آپ شدت سے پرہیز کرتے تھے اور آپ کی قربانی اور جانبازی بھی (مذکورہ حالات میں) رائے عامہ کی نظر میں سوائے ایراد و اعتراض کے کوئی دوسرا اثر و نتیجہ پیدا نہ کرتی۔

اس لئے کہ معاویہ نے از روئے سیاست بڑے اصرار کے ساتھ صلح کی پیشکش کی تھی اور وہ ہر اس شرط کو جو رضائے خدا اور امت اسلامیہ کے نفع کی حامل ہو قبول کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ ظاہر کرتا تھا، ایسی صورت میں اور اس ظاہری آمادگی کے مقابلہ میں امام حسنؑ کا کوئی عذر مسموع و قبول نہ ہوتا، کیونکہ (امام حسنؑ کی مقرر کردہ تمام شرطوں پر) معاویہ کی ظاہری آمادگی نے سبھی کو فریب میں مبتلا کر دیا تھا کیونکہ امویوں کا قبیح چہرہ ابھی اتنا بے پردہ و بے نقاب نہیں ہوا تھا کہ خواص و عوام سبھی اس کی قباحت و زشت روئی سے واقف ہو جاتے (عوام تو انھیں بربنا مسلمانیت اب بھی سچا مسلمان ہی سمجھتے تھے اور اسی نظر سے انہیں دیکھتے تھے۔ امام حسنؑ منافقت کی چالوں سے اچھی طرح واقف تھے اور جاہلیت مسلمانی کے لباس میں سامنے آتی تھی۔ لیکن سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور میں یہ فریب کا پردہ چاک اور تار تار ہو چکا تھا اور بنی امیہ کی اسلام دشمنی بالکل طشت از بام ہو چکی تھی) اس وجہ سے حضرتؑ کی قربانی اور جانبازی حقیقت و اہل حقیقت کی مدد و نصرت کی راہ میں آثار جاودانہ قائم کر سکتی تھی جیسا کہ وقت آنے پر قائم کیا۔ امام حسنؑ کے بعد آنے والے وارث عہدہ امامت (امام حسینؑ) نے درحقیقت امام حسنؑ ہی کی روش و رفتار کی تفسیر و توجیہ فرمائی ہے اور اس طاغوت زمانہ کے چہرہ سے مصنوعی اسلامی نقاب کو نوچ کر پھینک دیا،

اور سب سے پہلا پھٹنے والا مادہ جو امام حسنؑ کے وسیلہ سے اور آپ کے دور میں تیار ہو چکا تھا (امام حسینؑ کے دور میں) پھٹ پڑا۔

چنانچہ صلح ہو جانے کے بعد معاویہ نے بڑے غرور و گھمنڈ کے ساتھ کہا تھا،
اے اہل عراق! خدا میں نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج کیلئے نہیں لڑ رہا تھا میرا مقصدِ جنگ تو فقط حکومت حاصل کرنا تھا اور خدا نے مجھے میرے اس مقصود تک پہنچا دیا باوجودیکہ تم نہیں چاہتے تھے اس طرح سے چوروں کے چہرے سے نقاب خود بخود اتر گئی (اور اصلی چہرہ سامنے آگیا) اور بنی امیہ کی رسوائی کا باجہ بازاروں بازاروں بجنے لگا' اور حضرتؑ کی تدبیر پر تاثیر کی برکت تھی کہ آپ کے بھائی امام حسینؑ اتنا عظیم انقلاب جو حقیقت کو واضح و روشن کرنے والا اور عقلمندوں کے واسطے درسِ عبرت تھا برپا کر سکے پس واقعہ کربلا قبل اس کے حسینی ہو حسنیؑ تھا، مقام ساباط میں امام حسنؑ کی فداکاری و جانبازی روز عاشورہ سے ملی ہوئی تھی کیونکہ امام حسنؑ ہی نے (اپنی صلح کے ذریعہ) اس کی بنیاد رکھی اور واقعہ کربلا یا انقلاب حسینیؑ کے اسباب و وسائل فراہم کئے تھے۔"

علامہ شیخ راضی آل یاسین ....

آپ نے اپنی کتاب کے متن میں اسباب صلح امام حسنؑ کا ایک خلاصہ پیش کیا ہے اور وہ ایک قابل توجہ خلاصہ ہے جو بحث کے خاتمہ کا عنوان رکھتا ہے۔ جہاں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" ایک رہبر کا کیا گناہ ہے اگر اس کے رفقاء فاسد اور اس کے سپاہی خیانت کار اور اس کی جماعت وجدانِ اجتماعی سے عاری و خالی ہو؟"

اس طرح صلح یا ترک جنگ امام حسن کا راز روشن ہو جاتا ہے۔"

مظلومین و مجروحین کا فریاد رس۔

ہمارے دوسرے امام، امام حسن علیہ السلام نہ صرف بہ نظر علم و تقویٰ و زہد و عبادت مقام بلند و شامخ رکھتے تھے بلکہ بہ لحاظ جود و سخا، بذل و عطا اور حاجتمندوں کی مدد و دستگیری کے اپنی قدرت و توانائی کے مطابق یکتائے روزگار تھے، آپ کی ذات دردمندوں کے دلوں کو سکون و راحت پہنچانے والی اور حاجتمندوں اور مفلسوں اور عاجزوں کی پناہ گاہ اور ان کی امیدوں کا مرکز تھی، کوئی سائل و حاجتمند آپ کی بارگاہ سے خالی ہاتھ نہیں پلٹتا تھا اور کوئی آزردہ دل آپ کے آستانہ سے بغیر دوا و مرہم کے واپس نہیں جاتا تھا، آپ کی عادت مستمرہ ہوگئی تھی کہ سائل اپنی حالت و کیفیت بیان کرے اور اس کے چہرہ پر ذلت وسوال کے رنج آثار ظاہر ہونے نہ پائیں اس کی حاجت براری فرمادیتے، عموماً و معمولاً امام کی بخششیں اس نوعیت کی ہوا کرتیں کہ ضرورتمند کی حاجت اس طرح رفع ہونے کا سامان فرمادیتے کہ اُسے دوبارہ اِدھر اُدھر دست سوال دراز کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔

"حافظ جلال الدین سیوطی (علما اہل سنت میں سے ایک بزرگ عالم) اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"امام حسنؑ بن علیؑ بہت سے اخلاقی امتیازات اور انسانی فضائل کے مالک تھے، آپ بے حد متین و سنجیدہ، باوقار و سخاوتمند تھے اس وجہ سے بلا استثنا تمام لوگوں کیلئے موردِ ستائش و احترام تھے ...." (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۲)

آپ سردار جوانان بہشت ہیں اور ان چار افراد میں سے ایک ہیں جنکو ساتھ لیکر جناب رسولِ خداؐ نصارائے نجران سے مباہلہ کیلئے تشریف لیگئے تھے اور ان بارہ افراد میں سے ایک ہیں جن کی اطاعت و فرمانبرداری اپنے تمام بندوں پر واجب و فرض

گردانی ہے، اور قرآن مجید میں جن کو رجس و نجاست سے پاک و منزہ قرار دیا ہے اور جن کی محبت کو قدرت نے اجر رسالت جانا ہے آپ ریحانۂ رسول خداؐ ہیں۔ حضرتؑ کے افتخارات و مکارم اخلاق اور فضائل معنوی و روحانی اتنے زیادہ ہیں جن کا تذکرہ بے حد طویل ہوگا پھر بھی وہ فضائل ختم نہیں ہوں گے لہذا اچھا ہوگا کہ اسی مختصر ذکر پر ہم اکتفا کریں۔

ہم اس میلاد مسعود کے سلسلہ میں عاشقانِ روحانیت و انسانیت کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور خداوند متعال سے ان انوار درخشان الٰہی کے تعلیمات، فرمودات و ارشادات کی پیروی کی توفیق کیلئے دعا کرتے ہیں۔ ٭٭

امام حسینؑ علیہ السلام

دنیائے اسلام میں خونین شہادت کے مؤسس و بانی

تیسری شعبان جوانانِ جنت کے سردار اور حریت کے لئے جہاد کرنے والوں کے امام حضرت امام حسین علیہ السلام کے مبارک و مسعود تولد کا روز مسعود ہے، وہ عظیم شخصیت جس نے اپنی ولادت حیات، مبارزہ و شہادت کے ذریعہ انسانوں کو فداکاری و قربانی عفو و درگذر، ایثار و ہمدردی اور شرف و فضیلت کا عظیم درس دیا، اور خود تاریخِ حیاتِ بشری میں جہاد و شہادت کے نمونہ یکتا قرار پائے۔

ولادتوں اور خوشخبریوں کا مہینہ

ہجری قمری مہینوں کے درمیان ماہ شعبان، ولادتوں اور بشارتوں کا مہینہ ہے اور دنیائے تشیعت کیلئے ایک خاص شکوہ وجلال عظمت و بزرگی اور ایک مخصوص اہمیت و اعتبار بطور تحفہ لایا ہے۔ ماہ شعبان جادۂ اسلام کے محبوب رہنماؤں کی پر شکوہ و ضمیر ساز میلادوں کی بشارت دینے والا مہینہ ہے۔

اس مہینہ کی تیسری تاریخ ہمارے تیسرے امام اور تاریخ اسلام کے حریت نواز شہید اعظم حضرت امام ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی سالگرہ کا روز مبارک ہے اور اس مہینہ کی چوتھی تاریخ اسلام کے شجاع و دلیر و فداکار و جانباز سردار اور راہ حق و فضیلت کے عظیم شہید حضرت ابوالفضل العباسؑ کی ولادت کی

سالگرہ کا روز مسعود ہے اور اس مہینہ کی پانچویں تاریخ کو عالم تشیع کے چوتھے رہبر و امام کی ولادت باسعادت کی وجدان آفریں سالگرہ کا دن قرار پایا ہے۔

خلقت و آفرینش کے ید قدرت نے ان تین پُرشکوہ باقدر و قیمت میلادوں کو قریب قریب اور ایک دوسرے سے متصل رکھا تھا کہ یہ تینوں افراد اُس فریضہ اور لائحہ عمل میں جو مبارزات اسلامی کے سلسلہ میں وہ اپنے اپنے ذمہ رکھتے ہیں اس ترتیب سے ایکدوسرے کے عمل کو اتمام و تکمیل کی حد تک پہنچا دیں۔

امام حسینؑ خونیں انقلاب کے مؤسس و بانی اور صحیح اسلام کے زندہ کرنے والے ہیں اور جناب ابو الفضل العباسؑ حضرت سید الشہداؑ کے برادر ہمرزم و ہم محاذ، وفادار ساتھی اور اسلام کے دلیر و جانباز مجاہد ہیں جنہوں نے شجرۂ اسلام کی سرسبزی و شادابی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی نثار کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ اور امام سجادؑ شہیدوں کے خون کی حرمت و حقوق کے نگہبان اور شہیدان راہ خدا کے جد و جہد و جہاد کے درخت کو بارآور کرنے والے اور تکمیل کی حد تک پہنچانے والے اور شہادت و قید و بند کے لائحہ عمل کے متمم ہیں۔

ان سبھی افراد کی یہی خواہش اور سب کا مقصد یہی تھا کہ باہم ایک دل و ایک جان ہو کر مقصد عظیم الٰہی و روحانی کے حصول کی سعی و کوشش، دین کو زندہ کرنے اور جامعہ اسلامی سے ظلم و ستم کو دفع کرنے میں زندگی گذار دیں اور اس کے نتیجہ میں شربت شہادت نوش کریں تاکہ اسلام عزیز زندۂ جاوید ہو جائے اور ہمیشہ سرسبز و شاداب اور قائم و دائم رہے۔

اس مہینہ (شعبان) کی پندرھویں تاریخ کا سرانجام و نتیجہ عالم بشریت کے عظیم مُصلح اسلام کی توحید و یکتا پرستی کی حکومت کو وسعت دینے والے اور تمام روئے زمین پر اس کے پھیلانے والے حضرت حجۃ بن الحسنؑ کی ولادت باسعادت و کرامت کی بشارت

دینے اور مژدہ جانفزا سنانے والا دن ہے، کیونکہ حضرت مستکبرین عالم پر مستضعفین کی حکومت اور غاصب اترانے والوں پر محرومین کی مکمل اور انتہائی فتح مندی کی خوشخبری دینے والے ہیں تاکہ وہ وعدہ الٰہی متحقق ہو جائے جو اس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمه ونجعلهم الوارثین۔

مولود سوم شعبان

اب ہم سوم ماہ شعبان کے مولود مسعود وذی جود کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جو صدیوں سے عرب و عجم، مسلمان اور غیر مسلم مورخین اور اہل قلم کے فکر و شعور کو اپنی طرف متوجہ و مرکوز کئے ہوئے ہیں، اور ان حضرتؑ کے بارے میں کتنی ہی کتابیں اور کتنے ہی رسالے لکھے جا چکے ہیں اور کتنی ہی کانفرنسیں اور کتنے ہی اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں، مگر اب بھی جیسا چاہئے اور جو حق ہے حضرت کی عظمت و بزرگواری کے رازوں کا انکشاف نہیں ہو سکا ہے اور حضرت کی زندگی کا راز اب بھی ابہام و تاریکی کے ہالہ میں باقی رہ گیا ہے اور وہ راز یہ ہے کہ آپ مرد خدا تھے اور مردان خدا کے رموز و اسرار اغیار اور مادہ پرست و مادہ پسند نگاہوں سے مخفی و مستور رہتے ہیں آپ کی شخصیت وہ عظیم الشان شخصیت ہے جس نے اپنے مجاہدہ، جستجو اور شہادت سے جہان بشریت کو آبرو و وقعت بخشی اور اپنے جوہر ذات سے جامعۂ بشریت کے رہنما رہے، آپ سرنوشت کربلا کے معرکہ میں اگرچہ آزادی، عدالت اور فضیلت و شرف کے دشمنوں کے محاصرہ میں اس طرح تھے جیسے انگوٹھی کے اندر نگینہ، اور موت خوفناک اژدھے کی طرح آپ کو اور آپ کے ساتھیوں اور مددگاروں کو نگلنے کیلئے منہ کھولے ہوئے تھی آپ کے عیال و اطفال زمانہ کے پست ترین و وحشی ترین نالائق افراد کی قید و بند میں گرفتار

ہو جانے کے شدید خطرہ سے دوچار تھے، آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اقتصادی وحیاتی تحریر اور آب و آذوقہ کی محرومی کا سامنا ہوا پھر بھی ایسے حساس حالات میں بھی فولادی پہاڑ سے زیادہ سخت اور ٹھوس مصمم و آہنیں ارادہ کے ساتھ عراق کے آفتاب کی جلا دینے والی شعاعوں کے نیچے کھڑے ہوئے اور نہایت دلیرانہ و مردانہ لہجہ میں آواز دی :۔

خدا کی قسم میں اپنا ہاتھ ایک فرد ذلیل کی طرح تمہارے سامنے نہیں لاؤنگا اور غلاموں کی طرح تمہارے سامنے سے بھاگوں گا نہیں، بنی امیہ کے منہ بولے بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ قتل ہونا۔ یا ذلت و خواری کو قبول کرنا، لیکن میں ان دونوں شقوں میں پہلی شق کو قبول کرتا ہوں اور ذلت کے ساتھ اپنے کو تمہارے حوالہ نہیں کروں گا، ذلت و رسوائی کا قبول کرنا ؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں یہ کام ہمارے گھر سے بہت دور ہے اور ہماری زندگی کے سمندر میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، اس کام سے نہ خدا راضی ہے، نہ رسول خداؐ راضی اور نہ ایمان دار افراد راضی ہیں اور نہ وہ پاک و پاکیزہ دامن اور مطہر آغوش راضی ہیں جنہوں نے میری تربیت کی ہے اور نہ صاحبان عزت و استقامت راضی ہوں گے کیونکہ یہ سب کے سب کریم افراد اور جوان مردوں کی قتلگاہ پر کمینوں کی اطاعت کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔

(اللھوف ص۵۸ امام حسینؑ کے خطبہ روز عاشورہ سے)

اسی قسم کی باعظمت روح اور اسی نوعیت کا بلند و خود دار نفس ہوتا ہے جو بشری معاشروں کو آزادی و جوانمردی کا درس دیتا ہے اور اسلامی معاشروں کو آجتک جو کچھ بھی آزادی استقلال اور حق حاکمیت کا کچھ حصہ نصیب ہوا ہے وہ اس قبیل کے مردان راہ حق و فضیلت کی سعی و جستجو کد و کاوش، اور مبارزہ و شہادت کا مرہون منت ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی

نمایاں شخصیت اور بزرگ و باشکوہ قربانیاں اور فداکاریاں ایک خاص عظمت رکھتی ہیں جس کے طول و عرض اور جس کے وجود کی گہرائیوں کو آسانی سے ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس مولود مسعود رہبر معصوم کی شہادت اور اس کے مبارزات نے آزادی بشر کے قانون پر اپنے اور اپنے ناصروں اور مددگاروں اور فداکاروں کے خون سے دستخط کئے ہیں اور اُسے بعنوان تحفہ و سوغات اور بطور درس جاوداں عالم بشریت اور آزادی و شرف کی راہ میں مسلمان مجاہدین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ وہ خون مقدس جو شام کی شفق کی طرح ہمیشہ درخشاں رہے گا اور تمام صدیوں اور تمام زمانوں میں چرخ مینائی اور اس کے بلند ایوان کے سائے میں ایک خاص شکوہ و روشنی اور ایک مخصوص شان و قدر و منزلت حاصل کرتا رہے گا۔

امام حسین علیہ السلام کا ایک درس

سرکار شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایک درس جو آج سے چودہ صدی قبل میدان کربلا میں دیا گیا تھا، اور آج ہمارے کشور عزیز کے لوگوں کو اس درس کے اصول و قواعد کو مکمل طور سے سمجھنے اور اپنا لینے کی قطعی اور شدید ضرورت ہے تاکہ آزادی و جواں مردی کے اصول کو سیکھنے اور سمجھ لینے کی نتیجہ میں اسیری و قید و بند، وابستگی و پیوستگی کی زنجیریں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مکمل طور سے کٹ جائیں اور ایران کی زندہ قوم اپنے آپ کو جبار و ستمگر بڑی طاقتوں کی قید و بند سے بصورت کامل آزاد کرے، اور وہ شعور، پائداری اور آگاہی حاصل کرے کہ پھر کبھی بیگانوں اور اجنبیوں کے تسلط کی ذلت و خواری و ننگ و عار میں مبتلا نہ ہو۔

کربلا کا جاوداں معرکہ شجاعت۔ شمشیر پر خون کی فتح کا معرکہ

—— حسین والوں کی شہادت زندگی ہے اور یزیدیوں کی زندگی موت ہے ——

ماہ محرم، کربلا کے شجاعت آفریں واقعات کی یاد دلانے والا مہینہ ہے، سید الشہداء

حضرت امام حسین علیہ السلام کی باشکوہ و عظمت زندگی اور شہادت نے مسلمانوں کی زندگی کی تاریخ میں ایک نیا باب کھول دیا ہے اور کروڑوں انسانوں کو اپنی قربانیوں اور ایثار، صبر و استقلال کا گرویدہ بنالیا ہے۔

کربلا کا معرکۂ جاوداں ایک عظیم الشان الٰہی شخصیت حضرت ابو عبداللہ الحسینؑ کی دلیرانہ و جواں مردانہ مبارزہ و نبرد آزمائی ہے جنہوں نے دوران مبارزہ لوگوں کو انسان دوستی اور عظیم حقوق بشری کی حمایت کا درس دیا اور ہمیشہ کے واسطے دنیا بھر کے آزادی خواہ اگر چاہیں تو اس گرانقدر درس کے مضمرات سے جوش و ولولہ، شجاعت و دلاوری اور قدرت روحی کا مکمل و واضح ترین نمونہ حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی انقلابی و مبارزاتی زندگی کا شعار قرار دے سکتے ہیں معرکہ جاودان کربلا تاریخ بشریت کے تمام بڑے حوادث کے درمیان مہر درخشاں کی طرح چمک رہا ہے۔ اس عظیم تاریخی واقعہ کی قدر و عزت توقیر و تجلیل کرنا درحقیقت عدالت، التقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت عزت و توقیر اور قدر شناسی کرنا ہے یہ ایسے اصول جن کی بشر کی زندگی میں ہمیشہ ضرورت پڑتی رہتی ہے اور پڑتی رہے گی۔

خونین عاشورہ حسینیؑ کی یادگار ہر سال پابندی سے مناتے رہنا ایک بہترین و مناسب ترین موقعہ ہے کہ مسلمان اپنا تعلق مردان راہ خدا کی قربانیاں اور جانبازیوں کے ساتھ قائم و مستحکم کریں اور مکتب حسینی کے تربیت یافتہ افراد کی رفتار و گفتار و اخلاق کا سبق حاصل کریں۔

سردار شہیداں حسینؑ ابن علیؑ نے سیاہ ڈکٹیٹری و استبداد و مطلق العنانی کے مقابلہ میں جانبازی و قربانی کی حد تک پیش رفت کی اور اپنے آپ کو طاقت و جبر کے سپرد نہیں کیا۔

آپ وہ فرشتۂ عدالت و آزادی و ڈیموکریسی (دیمقراطی) اور صحیح معنی میں ایسے اسلامی تھے کہ یزید کی مسلح و ابلیسی و طاغوتی طاقتوں کی زیادتیوں کے مقابلہ میں ساکت و خاموش نہیں

رہ سکے، اور اس امر کو ترجیح دی کہ یزید کی طاغوتی حکومت کو تسلیم نہ کرنے کی پاداش میں اپنے عیال و اطفال کی نظروں کے سامنے خاک و خون میں آغشتہ و غلطاں ہوں لیکن عدالت و حُریت و تقوائے روئے زمین سے محو و نیست و نابود نہ ہو جائے۔

مکتب و نظریۂ شہادت

حسینی انسان ساز مکتب ہمارے جوانوں اور مجاہدوں کو سبق دیتا ہے کہ حُریت تقویٰ، عفت و خودداری، دلیری و بے باکی اور فساد سے مبارزہ و مقابلہ کا درجہ نہایت اہم، بے حد قیمتی اور بہت بلند ہے بہ مقابلہ انسانی جانوں کے۔

حسینی مکتب جہاد و شہادت ان مکاتب میں سب سے زیادہ محکم و استوار اور سب سے زیادہ طبیعی مکتب ہے جو اب تک بشر کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اسلئے یہ مکتب حق رکھتا ہے کہ حریت پسندوں کیلئے دستور العمل اور راہ حق و حقیقت میں جہاد کرنے والوں کیلئے الہام بخش ہو اور اس مکتب کی محافل و مجالس سے حُریت و آزادی کے درسوں کے عنوان سے استفادہ کیا جائے۔

امام حسینؑ بن علیؑ کی زندگی اور آپ کی شہادت کا ادراک ہزاروں سال تک افراد بشر کی جسمانی و روحانی شجاعت و توانائی کا دستور العمل بن سکتا ہے حسینؑ اور آپ کے یاور و مددگار اپنی موت کے بعد بھی زندہ ہیں لیکن یزید اور اس کے پیرو یزیدی اپنی زندگی میں بھی مردہ ہیں.....

استاد محمد تقی شریعتی جنہوں نے اپنی عمر کو راہ اسلام میں صرف کیا ہے اور ڈاکٹر علی شریعتی جیسے فرزند زیرک و دانشمند کی اپنے تربیتی مکتب و مرکز میں پرورش کی ہے اس بارے میں لکھتے ہیں:

وہ مقام جہاں بیدار قومیں ایک گمنام سپاہی کی اسقدر تعظیم و تکریم کرتے ہیں تاکہ فداکاری و جانبازی کی روح کو لوگوں کے اندر بیدار کریں اور تقویت دیں، کیا یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ملت مسلمان ان مجلسوں اور ان عظیم الشان اجتماعات کو سردار شہیداں اور مجاہد اعظم اسلام حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کے نام سے تشکیل و ترتیب دیں اور اس کی مخصوص فضیلتوں سے مستفید ہوں۔

تمام انقلابوں کو الہامی قوت بخشنے والا

وہ معرکۂ عظیم جو کربلا سے اور اس سرزمین کے ریگ گرم کے بستر سے شروع اور رونما ہوا وہ دنیا کی تمام آزادی بخش اور رہائی دلانے والے معرکوں اور تحریکوں کیلئے الہام بخش ثابت ہوا، اور دسیوں لاکھ آزاد و باضمیر انسانوں نے اپنے مبارزات و کارزار میں اس معرکہ سے اشارہ اور غیبی قوت حاصل کی۔

"گاندھی" ہندوستان کے عظیم لیڈر اور مُصلح کہتے ہیں: "میں ہندوستان والوں کیلئے کوئی نئی چیز نہیں لایا ہوں، میں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ نتیجہ ہے اُن مطالعوں اور تحقیقات کا جو میں نے کربلا کے بہادر و دلیر شہیدوں کی تاریخی زندگی سے حاصل کیا ہے، اگر ہم ہندوستان کو استعماری طاقتوں اور نوآبادیاتی نظام کے ظلم و جبر کے چنگل سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے لازم و ضروری ہے کہ ہم اسی راہ پر قدم بڑھائیں جس راہ کو حسینؑ بن علیؑ نے اختیار کر کے طے کیا۔"

یہی معرکۂ جاودانہ وانقلاب رہائی بخش ہے جو محمد علی جناح قائد اعظم پاکستان کو الہام و تقویت بخشتا ہے تاکہ ہندوستان میں گم شدہ مسلمانوں کے استقلال و آزادی کو واپس لے لیں۔

ایران کے عظیم اسلامی انقلاب نے ماہ محرم وصفر کے اجتماعات کی برکت سے زندگی حاصل کی اور روز تاسوعا و عاشورہ و ۲۸ صفر کے عظیم الشان جلوسوں نے اپنی بے نظیر شان وشوکت وعظمت کے ذریعہ مغربی ومشرقی استعماری طاقتوں اور شہنشاہیتوں کو ذلیل ورسوا اور ان کی مکارانہ چالوں اور پُرفریب اسکیموں کو نقش برآب کر دیا۔

کبھی کبھی یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ عزاداریاں اور ان مراسم عزا کی ہرسال تکرار آخر کیوں اور کس بنیاد پر ہوتی ہے اور اس پر کیا اثر مترتب ہوتے ہیں؟ کیا یہ ایک قسم کی عقب روی اور رجعت وقدامت پسندی نہیں ہے؟ اس سوال کے جواب کیلئے تھوڑی سی توضیح ضروری ہے۔

ہم حسینی قربانیوں کی شرح کو تاریخ بھر (مکمل طور) نہیں سمجھ سکتے اور نہ صرف ماضی میں اس کی تلاش وجستجو کر سکتے' اور نہ اس کو جامعہ انسانیت کی عینیت اور مسلمانوں کی زندگی اور اُن کے روزانہ کے پروگراموں سے جدا کر سکتے۔ امام حسین علیہ السلام کی اور آپ کے دلاوریاوروں کی شخصیتیں انسانی شرف کی طرف سے دفاع کا نمونہ اور فضیلت وروحانیت کے مجسم پیکر ونمونہ تھے اور ان دونوں چیزوں کا وجود ہر فرد مسلمان کے انفرادی واجتماعی زندگی کیلئے لازم وضروری ہے اور کسی بھی مسلمان کے لائحہ زندگی کو ان دو ارکان سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

حسینی قربانیوں کی تاریخ ہم کو بہت سے سبق سکھاتی اور بہت سے نکتے یاد دلاتی رہتی ہے' اس کے سادہ ومعمولی ترین درسوں میں سے ایک ظلم وجبر وفساد سے مقابلہ ومبارزہ اور انسانی آزادبخش تحریک وانقلاب پیدا کرنا ہر منٹ وہر سکنڈ آپ کا نورانی وبلند آہنگ خطبہ یاد میں لایا جاسکتا ہے جو مدینہ سے رخصت ہوتے وقت آپ نے اپنے اہل بیت اور دوستوں کے سامنے فرمایا تھا:۔

" ایھا الناس! آگاہ وہوشیار ہوجاؤ! بدبخت کے بیٹے بدبخت نے مجھ کو قتل

ہو جانے اور ذلت و خواری کا انتخاب کرنے کے درمیان مخیر کیا ہے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو قبول کروں لیکن تم یہ جان لو کہ ذلت و رسوائی خانوادۂ رسالت کے صحن سے بہت دور ہے ہماری ذلت و رسوائی کو نہ خدا قبول فرمائے گا اور نہ اس کے رسول و پیغمبرؐ اور نہ مردانِ باایمان اور نہ وہ لوگ اسے قبول کریں گے جن کے مقدس دامن میں میری پرورش ہوئی ہے اور نہ وہ خوددار و با استقامت روح قبول کرے گی جو میرے اندر موجود ہے..... میں کمینوں اور پست فطرتوں اور بدطینتوں کی اطاعت پر راہِ خدا میں شرافت مندانہ شہادت کو ترجیح دوں گا۔"

اس قسم کی تعلیمات اور انسانی و الٰہی درس ہیں جنہوں نے حسینی عزاداریوں کو ہمیشگی، ہمہ گیری اور ایک خاص ابدی درخشندگی دی ہے اور اس کی عظمت و شکوہ میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، مزید برآں کچھ اسباب بھی ہیں جو اس تاریخی ٹریجڈی کی ہمیشگی و جاودانگی میں ممد و معاون ہیں جن کی طرف سے ایک اجتماعی و تاریخی و متجسس نگاہ رکھنے کی حیثیت سے غفلت و بے توجہی نہیں برتی جا سکتی۔

بے نظیر شخصیت

جو مرد شجاع و دلاور اس معرکۂ جاوداں کے سلسلہ کا سردار و رئیس ہے وہ ایک سچا اور معصوم امام و پیشوا ہے اور ان صفات و مراتبِ عالیہ نے آپ کے گرد روحانیت و معنویت و قدوسی و پاکیزگی کا ایسا دائرہ بنا دیا ہے جس کا سراغ تمامی مسلمانانِ جہاں کے درمیان ان تمام خصوصیات اور فضائل و کمالات کے ساتھ بہت کم افراد میں مل سکتا ہے۔

بے مثل و بے نظیر قربانی

امام حسین علیہ السلام نے شعائرِ اسلامی کی حفاظت اور اعلاءِ کلمۂ حق اور حق و

حقیقت وعدالت وفضیلت کو زندہ رکھنے اور نگہداشت کرنے میں ان تمام امتیازی وابستگیوں اور امکانی تعلقات سے جو کسی شخص کی انفرادی حیثیت سے محبت و دوستی کا باعث ہوتے ہیں صرفِ نظر فرمایا اور مقصد کے حصول کیلئے مال وجان و فرزند اور زندگی کے تمام علائق سے دست بردار ہو گئے۔

اُس وقت جب کہ قریب تھا کہ پیغمبر عالیقدر اسلام کی ۲۳ سالہ تمام زحمتیں کوششیں اور کاوشیں اور مجاہدین راہ حق کی کوششیں اور جانفشانیاں بے کار اور پامال ہو جائیں اور اسلام حقیقی لوگوں کے درمیان سے یکسر غائب و نابود ہو جائے، اور ایسے حالات میں جبکہ اسلام حکام جور کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا حضرت سید الشہداؑ نے قیام فرمایا' اور مدینہ سے رخصت ہوتے وقت فرمایا :۔

"جو شخص اس بات کیلئے آمادہ و حاضر ہو کہ ہمارے اُس مقدس مقصد کی راہ میں جو ہمارے پیش نظر ہے اپنا خون دل نثار کرے اور اپنی زندگی اور شخصی تعلقات سے دستکش ہو جائے' وہی شخص ہمارے قافلہ میں شامل ہو اور چلے۔"

امام علیہ السلام نے دوران سفر راستہ میں اپنی راہ معین فرمائی تھی چنانچہ فرمایا :۔

"میرے دوستو اور ساتھیو! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زمانہ کی ہیئت و حالت دگرگوں ہو چکی ہے، برائیاں ظاہر ہو گئی ہیں اور نیکیاں، اچھائیاں، خوبیاں اور فضیلتیں ہمارے ماحول سے رخت سفر باندھ چکی اور رخصت ہو چکی ہیں' اور مراد اسلامی کے برخلاف حالات سامنے آگئے ہیں، انسانی فضائل میں سے سوائے ایک قلیل مقدار کے کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے، ٹھیک ایسے ہی جیسے پانی گراتے وقت معدودے چند قطرے ظرف آب پر معلق رہ جاتے ہیں' آج لوگ رسوائی و بے حیائی کے ماحول

میں جس کے ساتھ ننگ وعار و ذلت بھی شامل ہے زندگی گذار رہے ہیں، آج حق و حقیقت پر عمل نہیں ہوتا، اور باطل و ناجائز امور سے پرہیز اور روگردانی کا کوئی وجود نہیں ہے، ایسے حالات میں مناسب و سزاوار یہی ہے کہ باایمان و بافضیلت انسان فداکاری وجانبازی کا ثبوت دے اور اپنے پروردگار سے ملاقات اور اس کے فیوض حاصل کرنے کیلئے سبقت وجلدی کرے، میں ایسے جبر و تشدد سے معمور ماحول میں اور ان خرابیوں اور بے دینیوں سے بھر پور فضا میں موت کو فقط سعادت و خوش نصیبی سمجھتا ہوں اور ان جابروں اور ستمگروں کے ساتھ زندہ رہنے کو سوائے جانکاہ رنج وملال کے اور کچھ نہیں جانتا۔

ہمیں چاہیئے امام حسینؑ کے انقلابی مکتب ونظریہ سے اہل عالم کو روشناس کرائیں۔

وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مجلسیں اور محفلیں جو ایران میں سرے سے اُس سرے تک اور دنیا کے تمام خطوں اور علاقوں میں حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ کے نام نامی سے برپا ہوتی ہیں، تمام تعلیمی وتربیتی کلاسوں سے بہت زیادہ بلند اور بہت زیادہ طبیعی اور با قدر و قیمت ہیں یہ وہ کلاسیں ہیں جو ہم کو اسلام کی گرانقدر و گراں بہا تعلیمات سے آشنا اور مستفید کرسکتی ہیں۔

لیکن بہت خوش آئند و زیبندہ ہوگی یہ بات کہ مجالس حسینی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور ایسا پروگرام مرتب کرکے اس پر عمل درآمد کیا جائے جو پروردگار عالم کی رضا و خوشنودی کا موجب ہو اور اس قیام وانقلاب مقدس حسینیؑ کے اغراض ومقاصد کی تکمیل و تامین کا سبب ہو اور راہِ مستقیم حسینیؑ پر گامزن ہوا جائے اور حضرت کے نشان قدم کی پیروی کی جائے، شخصی اغراض کی تکمیل مجلسوں کی تشکیل کے سلسلہ میں ہمسایوں کے ساتھ رقابت وہم چشمی اُس شخصیت

مقدس و معصوم کی طرف ناروا امور، خلافِ شان اور ذلت آمیز باتوں کی نسبت دینا وغیرہ نہ صرف یہ کہ پروردگار عالم کی رضا و خوشنودی کا سبب نہیں ہے بلکہ اہل بیت عصمت و طہارت کے تنفر و انزجار اور ناراضی و بے زاری کا باعث ہوتی ہیں۔ مجالس حسینی دین کے اسباق اور درسوں کی کلاسیں ہیں، اجتماعات حسینیؑ کے انعقاد، برگزاری کے موقع پر اصول اسلام کا لحاظ نہ کرنا اور ایسی مجلسیں برپا کرنا جو امام حسینؑ کی عظیم و مقدس شخصیت کے لحاظ سے غیر متناسب ہوں نہ صرف یہ کہ امام عالی مقام کے مقدس و بلند مرتبہ کے شایان شان نہیں ہیں بلکہ یہ لوگوں کے دین سے انحراف، بے حسی اور گمراہی کا سبب بھی ہوں گی۔ اس لئے لازم و ضروری ہے کہ انقلاب حسینی کی سرسبزی و شادابی اور اس کی عظمت و روحانیت کی روشنی سے مسلمانوں کی سیاسی و اجتماعی زندگی کے فائدہ کیلئے بلند ترین و بیش قیمت درسوں کو حاصل کیا جائے اور امامؑ کے روحانی و معنوی مقاصد اور آرزوؤں سے نئی نسلوں کو روشناس کیا جائے کیونکہ انقلاب حسینیؑ وہ بزرگ ترین و سنگین ترین امانت ہے جو ہزارہا خونِ دل نثار کرنے کے بعد مسلمانوں کے اختیار میں آئی ہے، اور اب یہ موجودہ نئی نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس امانت کو صحیح و سالم اور بغیر کسی عیب و نقص پیدا کئے آنے والی نسلوں کے سپرد کرے بغیر اس کے کہ کیفیت فعل و انفعالات کے ذریعہ معمولی سے معمولی تغیر و انحراف اسمیں ایجاد و اختراع کرے اور اسی عظیم المیہ کے پاک و صاف و منزہ چہرہ کو جھوٹی باتوں، غلط نسبتوں، خفت آور ذلت آفریں و دشمن پسند اقوال و مطالب کے ذریعہ بدنما کر بدنما کرے۔

استعمار (نوآبادیاتی نظام حکومت) کیخلاف قیامگاہ

صرف حسینی مجالس و محافل ہیں جو اجنبیوں، بیگانوں اور بیگانہ پرستوں کے استعمار کے مقابلہ میں مضبوط و پائدار روحانی محاذ اور مستحکم قلعہ ہے جو روز اول ہی سے اسی بنیاد پر اور اسی مقصد

کیلئے قائم کیا گیا ہے۔

یہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی باشکوہ مجالس اور حسینی منبروں ہی کی برکت ہے کہ قرآن مجید کی دلنواز و دلکش صدائیں گونج رہی ہیں اور حسینی انجمنوں اور جلوسوں کا فیض ہے کہ خصائل و فضائل محمدیؐ، مناقب علویؑ، عفت و عصمت فاطمیؑ، حلم و بردباری حسنیؑ اور دوسرے پیشوایان راہ حق کی ملکوتی و روحانی خوبیاں ہر سال مکرر اور مفصل بیان کی جاتی ہیں اور لوگ بذات خود داعی ہو کر خاص اپنے ہی مکتب کی اصالت رکھنے والوں کو دعوت شرکت دیتے اور اجنبی و بیگانہ افراد کو شرکت سے روک دیتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ حسینی جانبازیوں اور خدمتوں کا تذکرہ مسلمانوں کے دفتر زندگی سے کسی دن حذف ہو جائے یا ان مبارزات و قربانیوں کی روح اور مقصد عزاداریوں اور مجلسوں کے متن سے علیحدہ کر دی جائے تو پھر ملت کے درمیان بیگانوں کے ظالمانہ و جابرانہ استعمار و استثمار و حکومت خواہیوں سے مقابلہ کرنے کیلئے کوئی سچا اور واقعی محاذ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اسی دریافت کی بنیاد پر اور پرشکوہ نام حسینی کی جلالت و عظمت کی بنا پر بین الاقوامی استعمار گر اس کے مقابلہ کی فکر میں رہتے ہیں اور پیہم اس سعی و کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ صدائے حسینی کو خاموش کر دیں یا اقلاً کم اثر کر دیں اور استعمار گر و استثمار گر حکومتیں اور امریکی، روسی اور یورپی جہاں خوار و توسیع پسند طاغوتی طاقتیں دل سے چاہتی ہیں کہ لوگوں کو اس جاذبۂ ولایت و محبت سے دور کر دیں اور حسینی عزاداریوں اور اس کے مراسم کو ایک قسم کی رجعت پسندی، قدامت پرستی اور رجعت قہقری کا نام دیتے ہیں۔

ہماری عزاداری میں ان بیگانوں کی بیجا دخالت کے واضح ترین نمونوں میں سے یہ ہے کہ کبھی تو عزاداریوں کے طریقہ پر اور کبھی شعار حسینی کو قائم کرنے والوں پر بنی اسرائیلی

اعتراضات کرتے ہیں اور اس کے بارے میں فضول و نارو امضامین اخبارات و جرائد میں اور نمائشگاہوں میں چھپواتے اور منعکس کرتے ہیں اور اپنی اندرونی کیفیت ناپسندیدگی اور دلی جلن کو اس شکل میں ظاہر کرتے ہیں (یعنی دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں)

اس حقیقت پر ہمارا ایمان ہے کہ طلوع اسلام کے پہلے ہی روز سے مسخرہ اور طعن وطنز واعتراض دشمنان دین وحقیقت کا ہتھیار رہا ہے۔ قرآن مجید اس بارے میں آواز دیتا ہے

"بے ایمان اور گناہگار افراد ایماندار اشخاص کے افعال واعمال پر ہنسی ومذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو کمال بے اعتنائی سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ ہیں۔" (سورۂ مطففین آیت ۲۹،۳۰)

لیکن حقیقت کے تابناک جلووں نے اپنی درخشانیوں اور اصالتوں کے ساتھ دشمنوں اور بد خواہوں کو اندھا کر دیا اور ان کو اپنے معیاروں اور سچے اصولوں کے اثرات کے ماتحت قرار دیا اور انھیں عَلَمِ اسلامی کے سایہ میں لا کھڑا کیا اور انھوں نے خود بخود اسلام کی حقیقت وحقانیت کا اعتراف کر لیا۔

عزاداری حسینؑ کی مجلسیں، اس خصوصیت کی بھی حامل ہیں کہ ہر سال دنیا کے لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور ان کے سامنے ظلم واستبداد، استعمار و بیگانہ پرستی واجنبی دوستی سے مقابلہ ومبارزہ کی راہیں کھولتی اور جذبہ بیدار کرتی ہیں، اور انھیں ایثار وقربانی، حریت پسندی، نجات واصلاح کے بلند ترین وبیش قیمت درس دیتی ہیں: ایمان، خداشناسی، استقلال وآزادی اور معارف اسلامی کی عظمت وحقانیت کی طرف دفاع کی راہ میں ثبات قدمی واستقامت، حاجتمندوں اور مجبوروں کی دستگیری حقوق وحدود اسلامی کی مکمل شناخت، پاکدامنی، شرف، خلوص وصفائی قلب کی حفاظت و

پابندی، عمومی روحانیت و معنویت کی تکمیل و تحفظ، یہ سب کی سب صفتیں پیدا ہو جانا اسی آسمانی بلند پایہ نام مقدس کے معمولی اثرات میں سے ہیں اور انہیں مجالس پُرشکوہ حسینی کی برکتیں ہیں۔

شعائر حسینی دین و مذہب کی سبق آموز کلاسیں ہیں لہٰذا صرف دشمنانِ دین کے اعتراض و اشکال، طعن و طنز و بدگوئی کی وجہ سے انھیں چھوڑنا نہیں چاہئے بلکہ اُن کی تحسین و تجلیل تعظیم و تکریم اور انھیں بہتر طور سے انجام دینے کی پوری کوشش کرنا لازم ہے اور کمزوری کے گوشوں اور بنیادی اشکالات و اعتراضات کو ان سے دفع کرنا چاہئیے تاکہ جب کبھی بھی جامعہ بشریت میں طبقاتی امتیازات سر اٹھائیں اور کسی فرد یا دوسری ملت کے وسیلہ سے کسی ایک فرد یا ملت کا استثمار وجود میں آئے اور جب تک انسانی قدر و قیمت رو بہ زوال و تنزل ہے اور مادی بنانے والی و مادہ پسندی کی روح اور حیوانیت درندگی کی خصلت دنیا والوں پر اپنا نحوس سایہ ڈالے ہے، اور جب تک ناروا نسلی ترجیحات اور صنفی اور طبقاتی تعلّی پسندی کا وجود ہے، اور جب تک نئے قالبوں اور نئے پیکروں میں دروغ گوئیوں، فریب کاریوں، ستم گریوں اور زیادتیوں کی حکمرانی ہے، اور جب تک ملکوں میں ملازمتوں اور عہدوں کی تقسیم لیاقت و صلاحیت کے ضابطوں کو پیش نظر رکھنے کے بجائے تعلقات و روابط کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور جب تک دنیا میں بے دینی اور لاپروائی اور روحانی اضطرابات کی حکومت قائم ہے، اور جب تک روئے زمین پر تمام انواع و اقسام کے جرم، خیانتیں، زیادتی اور ظلم و جور کار فرما ہیں، شعائر حسینی اور کربلا کے باوفا مجاہدین کے آزادی بخش مکتب کی تعلیمات جاوید و پائندہ ہیں اور ان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ فضیلت، حریت، جوانمردی اور فداکاری کے بلند ترین مظہر کے عنوان سے مجاہدین انقلاب کیلئے الہام بخش اور بہترین نمونۂ عمل بنیں اور ان کے احساسات و جذبات اور ولولوں کو ابھارتے اور جوش میں لائے یہاں تک کہ

اصالتوں کو درست اور تیار کرے۔

عظیم و پرشکوہ حسینی انقلاب عالمی عظمت اور بین الاقوامی و عمومی اہمیت کا اس حد تک حامل ہے کہ اس مہتم بالشان واقعہ کی تحقیق و تجزیہ و تحلیل کے سلسلہ میں کتابوں کی ہزاروں جلدیں حیطہ تحریر میں آچکی ہیں اور غیر مسلم محققین و صاحبان نظر کی ایک جماعت نے اس واقعہ کے متعلق بہت سی باتیں کہی ہیں اور اس موضوع پر بہت سے آثار چھوڑے ہیں جن کو بے غرض نگاہیں اور کبھی غرض سے آلودہ نگاہیں بھی کمال وضاحت سے روشن کرتی ہیں۔

اس گروہ کے نظریات کی اہمیت اس اعتبار سے کہ ہم امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اسلامی انقلاب کو غیروں اور بیگانوں کی نگاہ سے پہچنوائیں اور اس مسئلہ میں کارشناسان خارجی کی موجودگی کو کام میں لائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ ان نظریات کی اہمیت زیادہ تر حسب ذیل دو نقطہ نظر سے ہے۔

۱. اصولاً دوست کی بات دوسروں کی زبان سے سننا زیادہ شیریں اور زیادہ باعث کشش ہوتا ہے کیونکہ دوست تو سوائے مدح و ثنا و تحسین بلکہ کبھی کبھی بجز مبالغہ کے کوئی دوسری بات کہنا جانتے ہی نہیں۔

۲. غیروں اور بیگانوں کے نظریات اس انقلاب کے خارجی و بین الاقوامی اور اجتماعی و انسانی تاثیر کی گہرائی کو بہتر طریقہ سے دہرا سکتے ہیں اور اس کے اساسی مناظر کو بہتر طور پر منعکس کر سکتے ہیں اور یہ چیزیں خود امام علیہ السلام کی انقلابی زندگی کی توصیف و تعریف اور تحلیل و تجزیہ میں زیادہ مؤثر اور زیادہ درست کرنے والی ہیں۔ اسی لحاظ سے ہم اس مختصر گزارش میں چند غیر مسلم دانشمندوں کے اقوال و نظریات کو مسلمانوں اور امت کے اس رہبر اعظم برحق کے دوستداروں کی خدمت میں بطور پیغام پیش کرتے ہیں۔

"گاندھی" ہندوستان کے پدر آزادی و استقلال (باپو) جو خود بھی گروہ مقدسین (مہاتما) اور ملّتِ ہندوستان کے نجات دہندہ شمار کئے جاتے ہیں وہ کربلا کے انقلاب حسینی کے تحفہ کے بارے میں اور برطانیہ عظمیٰ کے پنجۂ استعمار سے ہندوستانی کی نجات ورہائی دلانے میں اس واقعہ کے اثر عظیم کا برملا اظہار کرتے ہیں۔

"میں ہندوستانیوں کیلئے کوئی نئی چیز نہیں لایا ہوں بلکہ یہ صرف نتیجہ وماحصل ہے میرے ان مطالعات وتحقیقات کا جو میں نے دلاوران کربلا کی تاریخ زندگی کے بارے میں کیا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو (استعمار کے چنگل سے) نجات دلائیں تو واجب ہے کہ ہم بھی وہی راستہ اختیار کریں اور اسی راہ پر چلیں جسے حسینؑ ابن علیؑ نے اختیار کیا تھا۔

(مجلۃ الغری چھاپ نجف شمارہ۔ ربیع ۱۳۸۱ھ)

ایک مشہور امریکی مورخ "واشنگٹن ایرونگ" امام علیہ السلام کی صلابتِ روحی محکم و استوار ایمان اور استقامت وپائداری کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

" امام حسینؑ کیلئے ممکن تھا کہ یزید کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرکے اپنی شخصی زندگی کو بچا لیتے لیکن امامت ورہبری کی مسؤلیت وذمہ داری آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ یزید کو خلیفہ کی حیثیت سے پہچانیں اور تسلیم کریں۔ آپ نے بڑی سُرعت کے ساتھ اسلام کو بنی امیہ کے چنگل سے نجات دلانے کی غرض سے اپنے کو ہر مصیبت و تکلیف گوارہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ سرزمین خشک کے آفتاب سوزاں کے دھوپ میں اور عربستان کی تپتی ہوئی ریگ کے اوپر حسینؑ کی لافانی روح قائم ہے۔ شجاع ومجاہد کی روح حسینؑ کی روح"۔ (ماہنامہ نور دانش انجمن تبلیغات اسلامی تہران شمارہ ۲ صفحہ ۹)

مشہور جرمنی مورخ "موسیو ماربین" "نہضت دوبارہ حسینی" کو "تاریخ شہادت وشہامت"

کے عنوان سے یاد کرتا ہے، اور اس حادثۂ تاریخی کی تعظیم و تکریم و تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے روحِ شجاعت و عشق انقلابی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، ایسی گفتگو کہ جس پر ایک فرد اسلامی کیلئے دقت و باریکی سے غور کرنا زیب دیگا، وہ اپنی گفتگو کے ضمن میں کہتا ہے:

حسینؑ ابن علیؑ، نواسۂ محمدؐ جو آپ کی دختر عزیز فاطمہؑ زہرا کے فرزند تھے تنہا وہ شخص ہیں جو چودہ سو سال قبل حکومت ظلم و جور کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے حسینؑ ابن علیؑ کا مستقل طور سے یہ نعرہ تھا، میں راہِ حق میں قتل کیا جاؤں گا لیکن اپنا ہاتھ باطل کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔"

امام حسینؑ جو یہ دیکھ رہے تھے کہ بنی امیہ نے سلطنت مطلق العنانی کی روش اختیار کرلی ہے اور اسلامی دستور و احکام کو پامال کر رہے ہیں اور قریب ہے کہ اسلام کے مستحکم ستونوں کو بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیں، اس امر کی طرف متوجہ ہوئے کہ اگر اس سے زیادہ نرمی و خاموشی برتی گئی تو اسلام اور اسلامیت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہ جائیگا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے مقابلہ و مبارزہ کا مصمم ارادہ اور قطعی فیصلہ کرلیا، اسلام کے اس دلیر مجاہد نے دنیا والوں کو یہ بتادیا کہ ظلم و بے انصافی و ستمگری پائدار چیزیں نہیں ہیں اور ظلم و ستم کی دنیا اگرچہ عظیم و استوار ہو لیکن حق و حقیقت کے مقابلہ میں بگولوں کی طرح ہوا میں اڑ جائے گی البتہ شرط یہ ہے کہ مردان حق و حقیقت حق و حقیقت کو زندہ کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں۔" پھر وہ مورخ اپنے خاتمۂ کلام میں کہتا ہے:

حسینؑ کا مقصد ظلم و ستم کو روکنا تھا اور یہی غرض و غایت تھی اور یہی مقصود اصلی تھا جس کے حصول کی خاطر اس تمام قوت قلب اور فداکاری و جانبازی کا اس حد تک مظاہرہ کیا کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے طفل شیرخوار کی بھی حق و حقانیت کی راہ میں قربانی دیدی اور اپنے اس شجاعانہ عمل سے فلاسفہ اور بزرگان عالم کی فکروں

کو متحیر کردیا۔

آپ نے اپنی شہادت سے اسلام کو روحانیت و نورانیت اور ایک تازہ رونق و درخشندگی عطا کی اور مسلمانوں کو معنویت اسلام کی طرف متوجہ کیا وہ معنویت جو مسلمانوں کی زندگی کے لائحہ عمل سے مٹا اور بھلادی گئی تھی، اور انقلاب حسینی عظیم اسلامی انقلابات کا سرچشمہ بن گیا اور اس کا سلسلہ آجتک جاری ہے۔"

(حسین دیدانش از نظر نویسندگان خارجی)

عاشورا ایک یورپی مورخ کی نگاہ میں

"موریس دوکبری" یورپی مورخین میں سے ایک کہتا ہے:۔

" اگر ہمارے مورخین اس دن کی حقیقت کو جان لیتے اور سمجھ لیتے کہ عاشورکونسا دن ہے تو وہ ان عزاداریوں کو غیر عادی نہ سمجھتے" پیروان حسینؑ عزاداری حسینؑ کی بدولت یہ جانتے ہیں کہ پستی و بدحالی، کمزوری و بے چارگی اور استعمار و استثمار کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کے امامؑ اور دوسرے ائمہ کا شعار و نعرہ" اپنے کو ظلم و ستم کے سپرد نہ کرنا" تھا حسینؑ شرف و ناموسِ انسانیت اور اسلام کے مقام و مرتبہ کی عظمت و بلندی کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال اور فرزندوں کو بھی قربان کردیا لیکن یزید کے استعمار اور ہنگامہ طلبیوں اور حادثہ جوئیوں کے زیر سایہ جانا گوارہ نہیں کیا، پس آؤ ہم بھی آپ کے شیوہ و طریقہ کو اپنے لئے نمونہ عمل بنائیں اور نوعی یزیدان عصر (بیگانوں اور اجنبیوں) کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کریں" اور عزت کے ساتھ موت کو ذلت کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دیں کیونکہ عزت و شرافت کے ساتھ مرجانا ذلت کے ساتھ زندہ رہنے

سے بہتر ہے، اور یہی ہے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ' بس وہ ملت جس کی گہوارہ سے لیکر گور تک ایسی تعلیمات ہوں. ظاہر ہے کہ وہ کس مرتبہ اور کس مقام کی مالک ہوگی' ایسی ہی ملت ہر قسم کے شرف و افتخار کی مالک و حقدار ہے کیونکہ اس ملت میں سب کے سب مجاہدانِ حقیقت و عزت و شرافت ہیں۔"

"کارلائل" مشہور انگریز مورخ کربلا کے جانباز مجاہدوں کے ایمان محکم و اعتقادِ راسخ کے بارے میں کہتا ہے:۔

" جو بہترین درس ہم کربلا کے المیہ سے حاصل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حسینؑ اور آپ کے سب ساتھی خدا پر ایمان محکم رکھتے تھے' انہوں نے اپنے عمل سے روشن کر دیا کہ جس مقام پر حق' باطل کے مقابلہ پر ہوتا ہے وہاں عددی قوت و برتری کوئی اہمیت نہیں رکھتی' امام حسینؑ کی فتح و کامیابی باوجود اس اقلیت کے جو وہ رکھتے تھے میری حیرت اور تعجب کا باعث ہے۔" (سالنامہ نور دانش شمارہ سوم)

ایک ایسے اجتماع میں جو اسی مناسبت سے تشکیل دیا گیا تھا ایک مغربی مفکر و مورخ کربلا کے عدالت گستر مجاہدین کے بارے میں اس طرح کہتا ہے:۔

" زمانوں اور صدیوں کے دوران افرادِ بشر نے جرأت' دلیری' عظمت روح و بزرگی قلب اور روحانی شجاعت کو ہمیشہ دوست رکھا ہے اور اسی فضیلت دوستی کا نتیجہ یہ ہے کہ عدالت و آزادی' ظلم و فساد و تباہی کے سامنے ہرگز سر تسلیم خم نہیں کرتی ہیں' حسینؑ اور آپ کے دلاور اصحاب کی عظمت کا راز اسی امر میں مضمر تھا' میں خوش ہوں کہ آج اس جلسہ میں ان لوگوں کے ساتھ شرکت کر رہا ہوں جو جان و دل سے اس عظیم قربانی کی تعریف و تحسین کرتے ہیں' اگرچہ اس واقعہ کو گذرے

ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے ہیں....." (نور دانش سال دوم شمارہ ۲ صفحہ ۹۹)

"جیستن آر اسل" ایک بزرگ انگریز شاعر امامؑ کے بارے میں کہتا ہے:۔

"ان لوگوں (دشمنوں) نے آپ کے سر مبارک کو نیزہ پر بلند کیا اور بہت سی اہانت آمیز حرکتیں اور بہت سی جسارتیں کیں اور آپ کے جسم (اطہر) کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ریزہ ریزہ کر ڈالا، جو دیکھنے والوں کو متاثر و مسحور کر رہا تھا۔"

یہ شاعر اپنے شاعرانہ جوش و عقیدت میں اضافہ کرتا ہے:۔

"اے کربلا کی خشک و چٹیل زمین! اگر تیری سطح پر نہ کوئی گھاس ہے، نہ سبزہ، نہ کوئی چمن ہے نہ گلشن، البتہ تیرے سینہ میں صدائے حزن و الم و آہ ہمیشہ کیلئے پوشیدہ ہے، کیونکہ تیرے اندر فرزند فاطمہؑ کا مقدس جسم پنہاں ہے، یہ وہ شخصیت ہے جس نے اپنی روح کو اپنے خالق و مالکِ پروردگار پر نثار و قربان کر دیا۔"

(نور دانش سال دوم شمارہ ۲ صفحہ ۹۷)

"جارج جرداق" مشہور عیسائی مورخ اپنی گرانقدر باوقار تصنیف الامام علی صوت العدالۃ الانسانیۃ "میں اصحاب حسینؑ کی فضیلت و روحانیت کے بارے میں رقمطراز ہے

"علیؑ اور معاویہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ یاران معاویہ جاہ و حشمت و طاقت اور عہدہ و منصب پر فریفتہ تھے لیکن اصحاب علیؑ آپ کی فضیلت و کرامت اور آپ کے اخلاق کے گرویدہ تھے اور اسی کا مکمل نمونہ آپ کے فرزندوں کے اصحاب و انصار میں بھی واضح طور پر موجود تھا۔ جب وقت یزید لوگوں کو قتل حسینؑ کی تشویق و ترغیب دے رہا تھا اور خونریزی پر آمادہ و مامور کر رہا تھا، تو وہ لوگ کہتے تھے "کم تھب لنا" (یعنی تو ہمیں کتنی رقم دے گا تاکہ ہم انھیں قتل کریں)۔ لیکن اصحاب و انصار حسینؑ خدمت

حسینؑ میں عرض کرتے تھے "نموت معاک" (ہم تو زندگی کی آخری سانس تک آپ کے ساتھ رہیں گے) "اگر ہم ستر بار قتل کیے جائیں تب بھی ہماری آرزو یہی ہوگی کہ آپ کے ہمرکاب رہکر دشمنان دین سے جنگ کریں اور قتل کیے جائیں"۔ یہ ہے روحانیت اور مادیت کے درمیان فرق ....."

"پولس سلامہ" عیسائی مورخ و قانون داں بیروتی کہتا ہے:۔

" جن راتوں میں میں بیدار رہا اور تمام راتیں میں نے درد و رنج میں گذاریں اسی زمانہ میں میرے تصورات و تخیلات مجھے گذرے ہوئے لوگوں کے دیار میں کھینچ لے گئے، اور ماضی کی تاریخ سے دو بزرگ شہیدوں امام علیؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کو مجھے یاد دلایا، ایک مرتبہ بہت دیر تک میں ان دو بزرگواروں کی محبت میں روتا رہا اور پھر میں نے علیؑ اور حسینؑ کی شان میں اشعار پڑھے۔"

"کلووین رولو" مفسر اخبار لوموند امام حسینؑ کے بارے میں کہتا ہے:۔

" شیعہ لوگ ہر سال ماہ محرم میں واقعہ کربلا اور مصیبت امام حسینؑ جو شقاوت و بدبختی کی طاقت اور خباثت کے مجسمہ کے مقابلہ میں عدالت کی مضبوط بنیاد ہے کی یاد مناتے ہیں اور ستمگاران عصر کو یزید اور دوسرے اشقیا و ظلمہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔"

تاریخ اسلام کے اس عظیم مجاہد کے بارے میں غیر مسلم دانشمندوں کے اقوال و نگارشات اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انہیں کسی ایک گذارش میں جمع کیا جا سکے مذکورہ بالا افراد کے نام فقط بطور نمونہ و مثال کے پیش کیے گئے ہیں اگر کوئی دلسوز جستجو و تفحص کرنے والا اگر چاہے تو ان نمونوں کے دسیوں گنا غیر مسلم اہل قلم حضرات کے آثار کا مطبوعات و اخبارات و جرائد میں مطالعہ کر سکتا ہے ان سب کی تحریروں کے نمونوں کی مکمل تحقیق و

چھان بین سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حسینی انقلاب اسلامی کے سمجھنے اور شناخت کرنے سے گہری دلچسپی بلکہ عشق وافر رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس انقلاب حسینی کے تمام گوشوں، زاویوں اور اس کی لہروں کو سمجھ لیں، اور یہ دلچسپی و دلبستگی مقام بلند امامت کے دوستداروں کی عزاداریوں کے قیام اور اس کی تعظیم و تکریم کی برکت اور نتیجہ ہے جو ہر سال اپنے پاک ترین جذبات اور خالص ترین احساسات کو اس انقلاب عظیم کے قدموں پر نثار کرتے ہیں اور بغیر کسی قسم کے محرک اور پشتیبان کے صرف انسانی و پاک دینی کے رجحانات کی بنیاد پر ہر سال اس اسلامی تاریخی اور دینی پُرشکوہ واقعہ کی بزرگداشت اور یادگار قائم کرتے ہیں، اور یہ عمل اور یہ کوششیں ماضی کے مقابل میں زیادہ انسان ساز، زیادہ حرکت آفریں، زیادہ بیدار کن اور زیادہ پُر ثمر ہو سکتی ہیں۔

شہید راہ حق حضرت ابو عبد اللہ الحسینؑ کا پُرشہرت وعظمت اور باشکوہ نام مسلمانوں کی زندگی کی تاریخ میں ایک نئے باب کھلنے اور ایک نئے عنوان کے ظہور کا باعث ہوا ہے، جس نے کروڑوں دوستوں اور محبت کرنے والوں کے دلوں کو کھینچنے اور جذب کرنے کے علاوہ تمام دنیا والوں کو الٰہی عظمت اور اپنی روحانیت کے سامنے مبہوت و حیران بنا دیا ہے۔

اس شہید جاوداں کے علوِ مرتبت و بلندی مقام کی تعظیم و تجلیل کو لوگوں کے درمیان اس طرح ایک خصوصی مقام و منزلت حاصل ہے کہ جب تک دنیا باقی رہیگی ہر روز اس کا جلوہ اور اس کی روشنی و چمک دمک زیادہ باعظمت، زیادہ واضح اور زیادہ درخشاں ہوتا جائے گا، وہ تمام جوش و ولولے اور شوق و ذوق جو عزاداری حسینی کے جلسوں میں نثار اور بطور ہدیہ پیش کئے جاتے ہیں، وہ دنیا بھر میں بے مثل و نظیر ہیں اور اولاد آدم میں

کے کسی کیلئے ایسا عمل نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا، اسی تحلیل و تجزیہ اور تحلیل و تنظیم کے ذریعہ اس انقلاب کو روئے زمین پر ظلم و ستم، جبر و تشدد اور ڈکٹیٹری و مطلق العنانی کے مقابل میں داخل کر دیا ہے اور مجاہد اعظم و نامدار کربلا کو مقام عصمت و امامت کے علاوہ مزید ایک خاص شکوہ و جلال اور جہانی و بین الاقوامی شخصیت حاصل ہے۔

ولادت

اسلامی علماء و افاضل و مورخین

بغیر کسی قسم کے مبالغہ و افراط کے اور بغیر کسی شائبہ غلو کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی صاحبان قلم، علماء و افاضل، مورخین و مفکرین نے اپنے جو نگارشات قلمی آثار اور رشحات فکری حضرت ابو عبداللہ الحسینؑ کی پیش گاہ قدس ہمایونی میں نثار کئے ہیں ان سے بلا مبالغہ مسلمانوں کے کتب خانوں کی الماریاں پر ہو گئی ہیں اور جہاد و شہادت کے بارے میں بہترین افکار و خیالات کے خزینے مجاہدین و مبارزین کی مشتاق نگاہوں کے سامنے اس حد تک مجسم کر دئے ہیں کہ ایک معاصر مجاہد نثار پرداز نے "گوشہ ای از سرگذشت و شہادت امام حسینؑ" نامی کتاب میں اس بارے میں عربی و فارسی زبان کی متنوع کتابوں کی تین سو چالیس جلدوں کے نام گنائے ہیں جو تاریخ دنیائے اسلام کے اس مرد عظیم کی شخصیت سے متعلق احاطۂ تحریر میں آچکی ہیں جن میں سے بعض خود کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہ معمولی سی تلاش بہت ہی ناچیز و مختصر گوشہ کی نشاندہی کرتی ہے کیونکہ ابھی ماضی قریب کے تھوڑے سے عرصہ میں صرف حوزۂ علمیہ قم کے اہل قلم مضمون نگاروں اور حوزہ سے فارغ التحصیل افاضل سے اس

موضوع پر سینکڑوں جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ایک خاص نکتہ جو بے حد قابل توجہ و لائق اعتنا ہے یہ ہے کہ اسلامی صاحبان قلم اس رہبر کامل اور امام برحق کے مبارزات کو حکومت اسلامی کی تاسیس و ایجاد اور قرآنی دولت برحق کی تشکیل میں آرزوں اور خواہشوں کا ملجا اور نقطہ میلان جانتے ہیں، اس لحاظ سے اپنی مشروع خواہشات کی تکمیل کیلئے شعار شہادت و مصیبت کی تعظیم و تکبیر کے ساتھ قیام اختیار کیا ہے اور اس یکتائے روزگار سالار قافلہ و سردار لشکر اور تاریخ کربلا کے مجاہد اعظم کے وجودی جو د کو اپنے افکار کا وسیلہ، نمونہ، رہبر و رہنما قرار دیا ہے، بہر صورت مفکرین اسلامی کی تحریریں اور ان کے آثار اس سے بہت زیادہ ہیں کہ ایک یا چند مقالوں میں ان کا احصار ہو سکے اور وہ سب جمع کئے جاسکیں، لہذا ہم یہاں بعنوان نمونہ چند مفکر صاحب قلم کے اقوال کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔

"ڈاکٹر طٰہٰ حسین" مصری عالم و فاضل کہتے ہیں:۔

"امام حسینؑ اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کی طرح راہ حق میں شدید اور سختگیر تھے اور ایسی جگہ آپ کو نرمی و چشم پوشی بالکل پسند نہیں تھی، راحت و آسودگی سے سرشار زندگی سے آپ دور رہتے تھے، آپ بے حد زیرک اور دور اندیش تھے اور ہمیشہ اپنے پیروں کو حکم دیتے رہتے کہ معاویہ اور اس کے ظالم عاملوں، گورنروں، کے کاموں پر سختی اور شدت سے تنقید کریں۔" (علیؑ و فرزندانش ترجمہ محمد علی شیرازی)

یہی ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"ابن زیاد یہ سمجھتا تھا کہ وہ حسینؑ کو قتل کر کے شورش کی جڑیں اکھیڑ پھینکیگا اور شیعہ قوم کو مایوس و نا امید کر دے گا اور اس ترتیب سے وہ انھیں اس بات پر

آمادہ کر سکیگا کہ وہ لوگ اپنی آرزؤں سے ہاتھ دھولیں، اوران باتوں سے جو ہم اس کتاب کے دوسرے حصہ میں پڑھیں گے ابن زیاد نے فتنہ کواور زیادہ سنگین کر دیا اور اس کی یہ بدعملی کئی دوسری بداعمالیوں کا سبب بن گئی، اور بے دریغ خون بہائے گئے، اور وہ شکنجے جس میں بچوں اور عورتوں کو فشار دیا گیا یہ سب ابن زیاد جو چاہتا تھا اس کے برخلاف نتیجہ کا باعث ہوئے ......" (علیؑ و دو فرزند بزرگوارش جلد ۲ ص ۲۰۳ ترجمہ احمد آرام)

"عباس محمود عقاد" مصری عالم و صاحب تصنیف و تالیف اپنی بیش قیمت کتاب "ابوالشہداء" (پدرِ شہیداں) میں لکھتے ہیں:۔

"حسینؑ کی تحریک انقلاب اور آپ کا مکہ سے ملک عراق کی طرف سفر کرنا ایسی حرکت نہیں ہے جسے آج کے حوادث اور روزانہ کے معمولی واقعات سے موازنہ کرکے آسانی سے اس کے متعلق کوئی رائے قائم کی جا سکے اور فیصلہ کیا جا سکے اسلئے کہ حسینؑ کی تحریک انقلاب ان تاریخی تحریکوں میں بےنظیر ترین تحریک ہے جو اب تک دینی دعوتوں کے نام سے یا سیاسی انقلابات کے عنوان سے ظاہر ہوئی ہیں.......

یہ حرکت انقلاب کسی مرد سیاسی کی نہضت یا جعل سازوں اور دھوکہ بازوں کی فریب کاریوں کا کرشمہ یا متاع فروش تاجر کی سوداگری یا دنیا کو اپنی طرف یا اپنے کو دنیا کی طرف کھینچنے اور مائل کرنے کا کوئی دستاویز نہیں تھی بلکہ یہ نہضت اس شخص کی طرف سے ایک دستاویز تھی جو خود اپنی روح کو اور سارے جہان اور تمام دنیا والوں کو اپنی مقروض و مدیون جانتا تھا کیونکہ وہ خود اس مقصد پر ایمان رکھتا تھا اور تمام لوگوں کے اس پر عقیدہ پیدا کرنے اور ایمان لانے کے لازم و ضروری ہونے کا معتقد

تھا اگر دنیا اس کے مقصد کو قبول کر لیتی تو وہ بھی دنیا کو قبول کر لیتا ورنہ اس کے سامنے ان دو باتوں میں کوئی تفاوت و فرق نہیں تھا کہ یا تو مر کر اپنے مقدس و عزیز مقصد سے دست بردار ہو جائے اور یا ایسی الٹی اور ناگوار دنیا میں زندہ رہنے پر راضی رہے، لیکن ان کے نزدیک، یہ منطق بہت خوش آئند اور بہت پسندیدہ تھی کہ ایسے ذلیل و رسوا ماحول میں زندہ رہنے کے مقابلہ میں موت کے ذریعہ اپنے مقصد کو ترک کر دیں۔"

(الامام حسینؑ ص۱۲۰)

"ابو النصر عمر" مشہور سوریائی مؤلف و مصنف اپنی گرانقدر "سید الشہداؑ" نامی تالیف میں حسینی انقلاب عظیم کے بارے میں کہتے ہیں:۔

"ان تمام اوضاع و احوال کے باوجود گروہ شیعہ پیروان خاندان رسالت ثابت قدم رہے اور ان کے یاور و انصار فعالیت سے دست بردار نہیں ہوئے، شعراء و خطباء شیعہ نے نہایت شجاعت و ایمان کے ساتھ قربانیاں دیں اور اعلا کلمۂ حق کی منزل میں انتہائی استقامت و پائداری کا ثبوت دیا تاکہ نام حسینؑ جاوداں رہے۔..."

(سید الشہداؑ ص۲۱ ترجمہ سید جعفر غضبان)

نسل انسانی کی عظیم شخصیت

"استاد علامہ شیخ عبد اللہ علائلی" عراقی بزرگ اہل قلم اپنے جاوید و پائدار اثر یعنی "الامام الحسینؑ" نامی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"..... ہر ملت کی تاریخ واقعتاً اس کے بزرگوں کی تاریخ ہے، پس جو ملت رجال بزرگ نہیں رکھتی وہ تاریخ نہیں رکھتی یا پھر اس ملت کی تاریخ لائق تحریر و نگارش نہیں ہے

اور ہم جب حسینؑ جیسی عظیم شخصیت کو رجال تاریخ کے درمیان لاتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ دوسرے رجال تاریخ کی طرح ایک بزرگوار کو پیش نظر رکھتے ہیں بلکہ وہ رجال تاریخ کی وہ بزرگترین ہستی ہے جس کے سامنے سب کے نام چھوٹے ہو گئے ہیں، اور انھوں نے اپنی شخصیت کو ان سب کے مقابلہ میں نمایاں حیثیت سے سربلند کر دیا ہے اور یہ بات عجیب ہے کیونکہ تمام مردان عالم نے جن کو تاریخ نے پہچانا اور پہچنوایا ہے اپنی زندگی کو روئے زمین پر اور طبیعی ماحول میں مجد و بزرگواری کی تحصیل میں صرف کیا ہے لیکن حسینؑ ابن علیؑ آسمان کی بلندی و بزرگی کے طالب تھے اور اسی کے لئے اپنی جان فدا کر دی......

ہاں وہ مرد عظیم جس کی پیدائش، نبوت محمدؐ، مردانگی علیؑ اور فضیلت فاطمہؑ کی عظمتوں سے ہے۔ وہ عظمت انسان کا نمائندہ اور آیت الآیات البینات ہے۔

اسلئے انھیں یاد کرنا اور لوگوں کو جمع کرنا اور اس کے اطراف میں آپ کے حالات و مصائب کا ذکر، دنیا کے مردوں میں سے ایک مرد کو فقط یاد کرنا نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کو یاد کرنا ہے جو ابدی ہے۔

آپ کی خبریں فقط ایک شخص بزرگ کی خبریں نہیں ہیں بلکہ ایک بے مثل و نظیر بزرگوار ہیں جن کے اندر بزرگی حقیقت مجسم ہے اور چاہئے کہ ہمیشہ آپ کو یاد کیا جائے اور آپ کے ذکر سے موعظہ و نصیحت حاصل کی جائے اسی وجہ سے ہمارے لئے سزاوار ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے ذکر میں مصروف رہیں......

جو شخص بھی حسینؑ کے عمل کے انجام کے بارے میں گردش کرتا ہے وہ یہ جان لے کہ دنیا میں بزرگترین انجام، بزرگترین قربانی اور ایسی بزرگترین مثل اور یادگار ہے کہ گویا یہ

قدرت نے قلم قدرت سے سرخ رنگ کی تحریر میں عمل حسینؑ کے انجام کے صفحہ پر یہ کلمات تحریر کر دئے ہیں......

ظلم وستم کے فشار و دباؤ نے آپ کو بیدار کیا اور غلط گوئی نے آپ کو جوش دلایا بیکسوں اور مجبوروں کے نالۂ جاں سوز، فرزند مردہ افراد کی دلگداز فریاد اور دل جلوں کے آنسوؤں نے آپ کو اُبھارا اور برانگیختہ کیا، اور مردان بزرگ حق کشی اور غلط گوئی سے برانگیختہ ہوتے اور شورش کرتے ہی ہیں۔

امام شہید نے اپنی شورش کا پروگرام بیان کر دیا اور گویا چاہتے تھے کہ باطل کے بطلان کو مسجل کر دیں اور اس پر مُہر لگا دیں، بنیاد باطل ہی کے درمیان سے ایک روشندان حق کے واسطے کھول دیں تاکہ اس سے شکایت کی آواز ہمیشہ سنائی دیتی رہی اور آپ نے اپنے اس مقصد کو حاصل کر لیا،

کیونکہ اس روشندان سے ایک سوزناک آواز بلند ہوئی جس نے بنی امیہ کی ستمگار حکومت کو مضطرب و متزلزل کر دیا اور پھر ان کی سرکش حکومت و سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور بد اندیش دشمن کے معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیا اور اُسے فنا کے گہرے کھڈ میں ڈال دیا۔،

حسینؑ نے ان لوگوں کی نصیحت کو جنھوں نے آپ کو شورش برپا کرنے سے منع کیا تھا نہیں سنا، کیونکہ اگر حسینؑ خروج نہ کرتے تو خود ضرور محفوظ رہ جاتے لیکن تمام مسلمان نیست و نابود ہو جاتے اسی لئے کھلم کھلا یزید کی بیعت سے انکار کیا اور اپنے انکار کو اس شہادتِ مظلومانہ تک قائم رکھا کیونکہ آپ کو اطمینان تھا کہ آپ کے پاک خون کے قطرات میں افزائش ہوگی یہاں تک کہ وہ ایک جوشندہ دریا ہو جائے گا اور

اُن لوگوں کو نگل جائیگا جنھوں نے آپ کا پاک خون بہانے کی جسارت کی تھی اور انھیں فنا رابدی کے سمندر میں غرق کرد یگا، حسینؑ کے اندر بلند آواز میں اور ایسی آواز میں جو فسق و فجور کے کانوں کو بہرا کر دے اور فضاء عالم میں تا ابد گونجتی رہے یہ کہنے کی طاقت تھی کہ "میرے جیسا شخص جو حق نژاد اور مظہر دین خدا ہے اس شخص کی بیعت ہرگز نہیں کرے گا جو نسل شیطان سے ہے اور مظہر باطل ہے، منطق حسینؑ میں بیعت کے یہ معنی ہیں۔" (الامام الحسینؑ علامہ علائلی ص۲؎)

شجاعت واستقامت کا درس

"علامہ امینی" مولف کتاب جہانی "الغدیر" جس کا نام "دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی" رکھا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

"جو شخص ظلم و جور و جبر و قہر کے جوے تلے زندگی گذارنے پر قانع ہو اور وہ اس زندگی کو ایک قسم کی راحت جانتا ہو وہ ایک ذلیل و پست نفس انسان ہے، ایسے آدمی کو ضعف فکر اور پست ہمتی نے اس امر پر آمادہ کیا ہے کہ وہ استعمار اور دوسروں کی غلامی کے سایہ میں زندہ رہنے کو آرام و آسائش خیال کرے، کیونکہ نہ تو وہ روح بزرگ رکھتا ہے جو اسے ذلت آمیز زندگی سے بلند سطح پر زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرے اور نہ اس کے اندر فکر سلیم ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ پستیوں کے مقام کو پیش نظر رکھے، اور نہ تعلیمات اسلامی سے پوری طرح آشنا ہے تاکہ شجاعت و دلیری و سرکشی کا درس حاصل کرے، اور نہ اس نے مردان تاریخ کے جوہر کو پہچانا ہے تاکہ ان لوگوں کی روحیت کی کمیت و کیفیت کا اندازہ کرسکیں، اس قسم کے کسی شخص نے نہ تو یزید طاغی کو پہچانا ہے تاکہ وہ جان سکے کہ

ایک حکومت اسلامی کے مقام بلند پر یزید جیسے شخص کی کوئی جگہ نہیں ہے، اور نہ ایسے شخص نے شرف و دلیری اور باطل کے مقابلہ میں سرکشی والے حسینؑ، مجد و امامت و پیشوائی والے حسینؑ، دین و عقیدت والے حسینؑ، فضیلت و عظمت والے حسینؑ اور حق و حقیقت والے حسینؑ کو پہچانا ہے تاکہ یہ اعتراف کر سکے جو شخصیت ایسے حسینؑ کی روحیت کی مالک ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہوا پرستی و مستی والے یزید فسق و فجور و گنہگاری والے یزید شہوت رانی و شکم پروری والے یزید، کفر و الحاد و بے دینی والے یزید کے سامنے اپنے مقدس سر کو جھکائے۔

پیغمبرؐ کے نور نظر نے قیام نہیں کیا تھا مگر ایک امر واجب دینی کی ادائگی کیلئے کیونکہ جو شخص بھی دین رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ہر مسلمان کا پہلا فریضہ دین کی طرف سے دفاع کرنا ہے اس شخص کے مقابلہ جنگ و پیکار و مبارزہ و جہاد کے ذریعہ سے جو دین اسلام کے ساتھ بازی کرنا چاہتا ہو، اور دین کی سرزمین میں فساد پیدا کرتا ہو، اسلام کی تعلیمات کو بدل دیا ہو اور اس کے احکام کو معطل کر دیا ہو، ان تمام امور کا روشن ترین مصداق یزید فاسق ستمگار و مے گسار تھا، امام حسین علیہ السلام کی نہضت مقدسہ نے بھی ایسا نادر و عجیب اثر چھوڑا اور اموییں کی حکومت کو مروان حمار کے زمانہ کے پہنچتے پہنچتے ہی جہنم میں ڈال دیا اور امت اسلام کو اپنے گرانبہا درس سکھائے۔

پس فرزند رسول خداؐ کی تاریخ سے ہم جو کچھ استفادہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر باطل کے مقابلہ میں اور ہر حق کی حمایت کے لئے نیز پیکر دین کی بقاء اور تعلیمات دین کی نشر و اشاعت اور دین کے اخلاقی اسباق و درس کو پھیلانے کیلئے نہضت واجب ہے۔

ہاں! تاریخ پُر مجد و عظمت عاشورہ ہمیں سکھاتی ہے کہ بندگی و غلامی و

استعمار کی قید و بند میں شکست خوردہ اور سسکتی ہوئی زندگیوں کے مقابلہ میں ہم موت کو اختیار کرلیں اور موت کے چشمہ کی طرف تیزی سے قدم بڑھائیں تاکہ عوام کو ستم اور ستمگروں کے چنگل اور ان تمام فسق و فجور و گناہ سے رہائی دلائیں، یہ تاریخ ہم کو اُبھارتی اور آمادہ کرتی ہے کہ ہم جانبازی و فداکاری کے آفتاب کی طرح روشن راہ کو اختیار کریں اور ان مقامات میں جہاں پستیوں کی ڈھلان ہو ہم روحانی انکار و سرکشی کے مبارک فرمان کے سامنے سر جھکا دیں.....۔" (الغدیر جلد سوم ص ۲۵۹)

آزاد مردوں کے پیشرو

آخر میں ہم ایک دانشمند متفحص و متتبع باقر شریف قرشی حوزۂ علمیہ نجف اشرف کے اسلامی محقق و صاحب تصنیف و تالیف کا قول پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی "حیاۃ حیات الحسینؑ" نامی کتاب کے ۱۵۰۰ صفحات میں اپنی جاودانہ نشانی جامعہ اسلامی کو تقدیم کی ہے، وہ اپنی وزنی و قیمتی کتاب کے پیش لفظ میں اس طرح کہتے ہیں:۔

"ہم روز عاشورہ دیکھتے ہیں کہ گویا، امام حسینؑ اپنے اہل بیت کے فداکاروں کو آمادۂ کارزار کر رہے ہیں اس امید و اطمینان و یقین کے ساتھ کہ اسلام کفر و الحاد کے خلاف اپنے مبارزات میں بغیر قربانی و شہادت و مبارزہ و جہاد کے فتح و فیروزی و کامیابی حاصل نہ کرسکیگا، (تو بے ساختہ زبان سے یہ کلمات ادا ہوتے ہیں) اے ملت اسلام کے عظیم نجات دہندہ آپ نے اپنے خون کے ذریعہ اپنے زمانہ کی بڑی مشکلات کا معالجہ کرلیا اور اموی خودسر متکبر حکمرانوں کو ہلاکت و تباہی کے گڈھے میں، (پہنچا دیا) وہ بے کفایت جو امت اسلامی کی قدر و قیمت، عزت و حرمت اور اعتبارات کی تجارت و سوداگری کر رہے تھے اور

لوگوں کو جہالت و نادانی کی سراب کی طرف اور پچھلے پاؤں ہنکا رہے تھے، یہ آپ کی ذات تھی جس نے اپنی ملکوتی و آسمانی لہجہ و آواز میں صدائے اسلام کو دعوت جدید اور نئے تفکر و تصور اور نئی منطق کے ساتھ دنیا والوں کو سنایا اور مسلمانوں کے چہروں سے ذلت و رسوائی کے دھبہ کو چاک و صاف کر دیا، آپ نے ان کو عظمت و بزرگی و کرامت، اور اپنی اصالت و نجابت و شرافت کی طرف بازگشت کی جانب آگے بڑھایا۔"

(ھیاۃ حیات الحسینؑ جلد ۱)

قیام و انقلاب حسینی کے موضوع پر علماء و افاضل اور دانشمندوں کے مضامین مقالات، اقوال و مطبوعات اسقدر وسیع اور اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ صرف ان آثار و نتائج اور ان تبدیلیوں کی طرف توجہ جو اس انقلاب عظیم نے مسلمانوں کے افکار و خیالات اور ان کی رفتار میں پیدا کی ہیں ہم کو بہت سے نمونوں کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے خود انقلاب عظیم ایران اپنی کتاب کھول کر اس حرکت اسلامی حسینؑ کی حکایت کر سکتا ہے جس کا آغاز چودہ صدی قبل کربلا میں ہوا تھا اور اس کے بیج حسینی بہادر مجاہدین کے ہاتھوں زمین اور لوگوں کے دلوں میں بکھیر دیے گئے تھے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سب کے سب کتاب طبیعت و اجتماع کے اندر اپنے مطالعہ اور اپنی تلاش و جستجو تحقیق کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھیں اور حسینؑ انقلابی قوۃ روحیہ کو اپنے انقلاب کے ثمر آور ہونے میں استعمال کریں کیونکہ مجاہدین اور کوشش کرنے والے ہمیشہ پیروز و فتحمند ہیں۔

عاشورۂ حسینیؑ

دسویں محرم ۶۱ھ ہجری کی صبح کو سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی افق پر خون کا ایک

چھوٹا سا دریا دکھائی دے رہا تھا، دو فوجوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں پوزیشنیں سنبھال لی ہیں۔ ایک سپاہ "حق" ہے اور دوسری سپاہ "باطل" دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی ہیں، اور ان دو طاقتوں کا آمنے سامنے قیام آج بھی جاری و قائم ہے پس اب بھی تاریخ کربلا سبق آموز اور عبرت انگیز ہے اور یہ انسانوں کی اصل زندگی میں ہے نہ کہ اس کے کنارے اور حاشیہ پر، فرش اجتماع پر ہے نہ کہ اس کے کنارے پر، امام حسینؑ کی تاریخ زندگی جو تاریخ بشری کی سب سے زیادہ ہنگامہ خیز و شورش انگیز شجاعت و برانگیختگی و انقلاب کی شکل میں داخل ہو چکی ہے اس کی اہمیت نہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ ہر سال کروڑوں دوست اور عقیدت رکھنے والے انسانوں کے احساسات کی طاقتور ترین موجوں کو اپنے اطراف میں برانگیختہ کر دیتی ہے اور دوسرے تمام مراسم کے مقابلہ میں پُرجوش و پُرشور مراسم کو وجود میں لاتی ہے بلکہ زیادہ تر اس کی اہمیت اس نظریہ سے ہے کہ اس کیلئے کسی قسم کا کوئی عامل و محرک سوائے لوگوں کے پاک دینی، انسانی اور روحانی جذبات و احساسات کے اور کچھ نہیں ہوتا، اور یہ عظیم الشان و پُرشکوہ مظاہرے جو اس تاریخی حادثہ کی یادگار منانے کے سلسلہ میں انجام پاتے ہیں کسی قسم کی تبلیغ، تمہید پہلے سے کوئی اسکیم بنانے اور دیگر تکلفات و تشریفات کے محتاج نہیں ہیں اور اس لحاظ سے واقعہ کربلا تاریخ میں اپنی نوعیت کا واحد و بے نظیر واقعہ ہے۔

فلسفہ عزاداری

ایک نکتہ جو عزاداری حسینؑ کے سلسلہ میں اکثر غیر مسلم مفکرین کے سامنے صحیح طور پر روشن نہیں ہوا ہے اور اسی طرح ایک معمہ کی شکل میں باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے:۔

اس حادثۂ تاریخی کو اس قدر اہمیت کیوں دیجاتی ہے اور کیوں اس کے یادگار کے مراسم ہر سال گذشتہ برسوں کے بہ نسبت زیادہ پُر ہیجان، زیادہ پُر شکوہ طور پر عمل میں آتے ہیں، کیا یہ خود ایک قسم کی رجعت قہقری نہیں ہے؟۔

اس سوال کا جواب اس انقلاب عظیم کے اصلی اسباب کی تہوں میں تلاش کرنا چاہئے اور اس کے فلسفہ کی گہرائی کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔

کربلا کا خونین حادثہ دو سیاسی رقیبوں کی مسند حکومت حاصل کرنے یا ایک دوسرے کی زمینوں، جائدادوں اور املاک پر قبضہ کرنے کی غرض سے جنگ کا گرافیک یا خاکہ نہیں ہے، اسی طرح قبائلی امتیاز کے لئے دو متخاصم قبیلوں کے کینوں کے انفجار کا نتیجہ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ حادثہ دو متضاد فکری و اعتقادی مکاتب و نظریات کا مبارزہ ہے جس کی آتش فروزاں ماضی بعید سے لیکر ابتک تاریخ میں بجھی نہیں ہے اور نہ بجھیگی، یہ مبارزہ در اصل تمام انبیأ، و مرسلینؑ اور دنیا کے تمام مردان اصلاح طلب اور بشریت کے خیر خواہ متفکرین کے مبارزات و مجاہدات کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔

اگر پیغمبر بزرگوار اسلام نے رہبر انقلاب فکری و اجتماعی کے عنوان سے جہالت و ظلم و بے انصافی، بت پرستی و خرافات اور دوسری تمام آلودگیوں اور خرابیوں کے چنگل سے بشریت کو نجات دلانے اور رہائی بخشنے کی غرض سے ایک زمانہ تک قیام فرمایا اور مظلوم پروانوں کو اپنے شمع وجود کے گرد جمع کرلیا تو آنحضرتؐ کی انسانی جدوجہد اور کوششوں کے مقابلہ میں اموی جرگہ نے سر اٹھایا تھا اور ان کا طاغوتی سرپرست "ابوسفیان" تھا،

یہ درست ہے کہ اسلام کی خیرہ کر دینے والی عظمت کے مقابل میں اموی جرگہ نے گھٹنے ٹیک دیے تھے اور ان کی فعالیتوں اور سازشوں کی عمارت بالکلیہ زمیں بوس ہوکر

بکھر گئی لیکن ان کی یہ شکست و ریخت ان کے نیست و نابود ہونے اور بیخ و بن سے اکھڑ جانے کا باعث نہ بن سکی بلکہ ان کی زندگی میں ایک رجحی نقطہ موجود تھا جو انھیں اس امر کا موقع دے رہا تھا کہ اپنی علانیہ و آشکار طور پر اسلام کے خلاف کوششوں اور فعالیتوں کو پس پردہ اور زیر زمینی خفیہ فعالیتوں اور سازشوں کی طرف منتقل کر دیں جیسا کہ ہر شکست خوردہ دشمن کا طریقہ ہوتا ہے اور ایک مناسب موقع کے منتظر رہیں۔

پیغمبر گرامی قدر اسلام کی رحلت کے بعد بنی امیہ نے ایک ارتجاعی جنبش ایجاد کرنے اور لوگوں کو دور قبل از اسلام کی طرف واپس لیجانے کا شوق دلانے کے واسطے پھر کوششیں شروع کر دیں تاکہ یہ جنبش رہبری اسلام کے معاملات میں نفوذ پیدا کرے، پیغمبر اسلام کے عہد معدلت کے بعد جتنا وقت گذرتا جاتا تھا اتنی ہی ان کی یہ کوشش و جد و جہد روز بروز زیادہ کامیابی اور زیادہ مقبولیت حاصل کرتی جارہی تھی، اموی ٹولے نے جسقدر ممکن ہوا زمانہ جاہلیت کی رسموں، سنتوں اور خرافات سے اپنے حصول مقصد کیلئے زمین ہموار کی، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ان لوگوں نے مسئلہ نسل پرستی کو جس کے اوپر اسلام نے سرخ لکیر کھینچ دی تھی، نئے سرے سے بعض حکمرانوں کے ذریعہ کسی حد تک زندہ کیا، اور عرب نژاد کو ان کے غیروں (موالی) پر برتری اور ترجیح دے سکے۔

دوسرے یہ کہ مختلف اقسام کی ترجیحات کو جو روح اسلام سے معمولی اور ذرہ بھر بھی مناسبت نہیں رکھتی تھیں مسلمانوں کے درمیان رائج و آشکار کیا، بیت المال کا مال جو زمانہ پیغمبرؐ میں مسلمانوں کے درمیان بطور مساوی تقسیم ہوا کرتا تھا اُسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنا شروع کیا، اور طبقاتی امتیازات اختراع کئے، ملازمتیں اور عہدے جو دور پیغمبر اکرمؐ میں لیاقت، صلاحیت کار، علمی قابلیت، اخلاقی و روحانی اقدار کی بنیاد پر افراد کے سپرد کئے

جاتے تھے اُسے خویشوں اور ہم قوموں قرابت داروں اور خاندان والوں کیلئے مخصوص و محدود کردیا اپنے ہم قوموں اور وابستہ افراد ہی میں سے بعضوں کو خلافت کے لئے مشخص کیا اور انہیں خلفا کی عترت میں داخل کیا، انہیں اوضاع و احوال کے دوران پسر ابوسفیان کو حکومت اسلامی کے معاملات میں دخل دینے کا موقع مل گیا اور بالآخر اسلام کے بے حد حساس و زرخیز علاقوں میں ایک علاقہ کی حکمرانی کے عہدہ تک پہنچ گیا اور اس علاقہ میں احزاب جاہلیت کے باقی ماندہ افراد کے تعاون سے حکومت اسلامی پر قبضہ کرنے اور دور جاہلیت کے باقی ماندہ افراد کے تعاون سے حکومت اسلامی پر قبضہ کرنے اور دور جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کو زندہ کرنے کیلئے زمین ہموار کی، یہ ضد اسلامی موج اتنی شدید تھی جس نے علیؑ جیسے پاک مرد کو آپ کے پورے دوران خلافت میں مشغول رکھا اور آخر میں اپنی مقدس زندگی کو اسی راہ میں نثار و قربان کر دیا۔

اس ضد اسلامی حرکت کی علامت اتنی واضح و روشن تھی کہ اس کی رہبری کرنے والے بھی اُسے مخفی و پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے، ابوسفیان خلافت کے بنی امیہ و بنی مروان کی طرف منتقل ہونے والے دن انتہائی بے شرمی و بے حیائی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ہاں! اے بنی امیہ! کوشش کرو اور حکومت کی گیند میدان سے اُچک لو اور ایک دوسرے کی طرف اُچھالتے رہو، میں اس کی قسم جس کی قسم میں کھایا کرتا ہوں کہ بہشت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

معاویہ عراق پر تسلط حاصل کرنے کے موقع پر اپنے خطبہ میں کہتا ہے:۔

"میں اسلئے نہیں آیا ہوں کہ تم نماز پڑھو، روزہ رکھو، دبلکہ میں اسلئے آیا ہوں کہ تم پر حکومت کروں جو شخص بھی میری مخالفت کرے گا میں اُسے نابود کر دوں گا۔"

یزید پسر معاویہ جس وقت کربلا میں جام شہادت نوش کرنے والے حریت پسند

مجاہدین کے سروں کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے :۔

" اے کاش میرے وہ اجداد جو میدان بدر میں مارے گئے اس جگہ موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے بنی ہاشم سے کتنا زبردست انتقام لیا۔"

یہ تمام زندہ شواہد اس جنبش ارتجاعی وضد اسلامی کی حقیقت وماہیت پر بولتی ہوئی دلیل ہیں کہ اگلا جو کچھ کر جاتا اس کے جانے کے بعد جو اس کی جگہ پر آتا وہ ان حرکات کو زیادہ بے پردہ، زیادہ تیز کاٹ والا اور زیادہ روشن کرتا جاتا تھا۔

امام حسینؑ اس عظیم خطرہ کو جو اسلام عزیز کو دھمکیاں دے رہا تھا شدت سے محسوس کر رہے تھے اور آپ کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اسلامی معیاروں کو ختم ہوتے اور اصولِ فضیلت وتقویٰ وشرف انسانی کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھیں اور اس کے شاہد بنیں۔

کیا علیؑ کی تربیت گاہ میں اور آغوش پاک فاطمۂ اطہرؑ میں پرورش پانے والی شخصیت خاموش رہ سکتی تھی؟ اور کیا وہ اس مرگبار خاموشی کو جو اجتماع اسلامی پر اس وقت سایہ فگن تھی گوارہ کر سکتی تھی؟ کیا اس شخصیت کیلئے یہ ممکن نہیں تھا اس سکوت مرگبار کو جو اسوقت کے انسانوں پر سایہ گستر تھا ایک فوق العادہ قربانی اور پُرخلوص جانبازی کے ذریعہ درہم وبرہم کر دے اور اس اسلام کے خلاف نہضت جاہلی کے خط وخال کو واضح وآشکار کر دے اور اپنے پاک طاہر خون سے تاریخ اسلام کی پیشانی پر چند درخشاں سطریں تحریر کر دے جو آئندہ کیلئے جوشِ شجاعت ودلیری کا پُرشور وجاودانہ کارنامہ اور ہمیشہ ہمیشہ قائم وباقی رہنے والا درس بن جائیں

ہاں! امام حسینؑ نے اس کام کو انجام دیا اور اپنی تاریخی والٰہی عظیم پیغامبری کو خدا وقرآن اور اسلام کیلئے انجام دیا، اور تاریخ اسلام کی شاہراہ کو بدل دیا اور اموی خاندان کی ضد اسلامی سازشوں کے تار وپود بکھیر دے اور ان کی اور ان کے ہم خیال افراد کی کوششوں کو معطل وناکارہ کر دیا۔

ابدی چہرہ اور جاودانی علامت

اسی آئیڈیا اسی مقصد کی بنیاد پر اور اسی طرز فکر کی اصل پر ہم کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو ہرگز ہرگز بھلایا نہیں جاسکتا، کیونکہ آپ کسی ایک زمانہ، کسی ایک صدی اور کسی ایک وقت سے مخصوص و متعلق نہیں تھے، بذات خود آپ، آپ کا مقصد، آپ کی بلند آرزوئیں مربوط و متصل و جاودانی ہیں، جب تک دنیا دنیا ہے یہ فکری تصادم اور اعتقادی تضاد موجود رہے گا، امام حسینؑ اور آپ کے یاور و انصار مجسم رہیں گے اور ان مبارزات کے بلند و روشن نمونے اور زبان تاریخ سے بیان کرنے والے رہیں گے، آپ نے حق و عدالت و آزادی کو زندہ کرنے کی راہ میں اور خدا و اسلام کی راہ میں اور انسانوں کی نجات اور اسلام کی بلند قدر و قیمت کو منوانے کی راہ میں شربت شہادت نوش فرمایا اور چونکہ یہ مطالب و مفاہیم فراموش ہونے، پرانے اور فرسودہ ہونے کے قابل نہیں ہیں اس بنا پر امام حسینؑ اور آپ کے یاور و انصار ہمیشہ زندہ، سرسبز و شاداب رہیں گے۔

آپ نے پاکی و پاکیزگی، پاک زندگی، درست اندیشی اور درست عمل کرنے کی راہ میں فیض شہادت حاصل کیا۔

پس ہم کو بھی جو آپ کی راہ کے خواہاں ہیں چاہئے کہ پاک رہیں، پاک و درست سوچیں اور صحیح عمل کریں، یہ ہے راہِ حسینؑ اور یہ ہے مقصد و ہدف و آرزوئے کاملِ حسینؑ اور یہ ہے فلسفۂ شہادت اور خونین انقلاب اور عاشورۂ حسینیؑ۔

زینبِ کبریٰ

کربلا کی شیر دل خاتون اور نینوا کی شجاع و دلیر بانوئے محترم

دہن زینب میں زبان

عظیم الشان و شکوہ مند اربعین حسینیؑ، شہیدان راہ فضیلت و انسانیت و شرف و تقوائے کی تجلیل و تعظیم کا دن ہے، اُن آزاد مردوں کی تجلیل جو اپنی انقلابی تحریک کی وجہ سے فکری مرکز اور شرف و ایمان و آزادی و فضیلت کی حفاظت کیلئے دفاع کا محاذ بن گئے ہیں اور اہل بیتؑ عصمت و طہارت اور خانوادۂ فضیلت و تقوائے کے ان مجاہدین کی خط مستقیم کی پیروی کا اعلان دنیا والوں کے سامنے کرتے رہے ہیں۔

تاریخ اربعین کی تحقیق و جستجو اور حقانیت حسینیؑ کی اس زندہ سند موشگافی میں ہمیں چاہئے کہ کافی جستجو، کاوش و کوشش و جدو جہد کریں اور زحمتیں برداشت کریں اور اہلبیتؑ کے گرانقدر مبارزات اور خواتین اہل حرم کی استقامت و پائداری کی طرف واضح و روشن اشارے کرتے رہیں، اور اِن آگاہ اور داد و فریاد کرنے والے یادگار اربعین منانے والوں کے جذبات و احساسات کی تصویر کشی ناتوان قلم کے ذریعہ کریں۔ عورت نے ایک نہ تھکنے والی اور جھکاؤ قبول نہ کرنے والی مجاہدہ کی حیثیت سے اپنی وجودی درخشندگی اور اصلاح کن مثبت نقش کربلا کے خونین انقلاب میں دنیا والوں کے سامنے بطریق احسن نشاندہی کی ہے

اور اس مسئلہ کو روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے مخلص و باوفا رفقاء و انصار حادثۂ کربلا کے موجد و خالق ہیں تو خواتین کربلا نے قید و بند کی زحمتیں برداشت کر کے اس حادثہ کو بانتیجہ و باثمر کیا اور انھوں نے واقعہ کربلا کے فصول اور اوراق کی اپنی تشہیر اور گردش کے دوران لوگوں کے سامنے تفسیر و تشریح کی۔

خاندان اہلبیت کے افراد جہاں جہاں بھی گئے کمال سنجیدگی و بزرگی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب اور دشمن کی فضیحت و رسوائی کے متعلق سخنرانی کرتے رہے۔

داستان کربلا میں مبارز و جانباز مردوں اور عورتوں کا باہمی ارتباط اور ان کی ہم فکری بہت ہی روشن و واضح اور بولتی ہوئی شکل میں نمودار و جلوہ گر ہے، عترت طاہرۂ رسالت اور شیر دل مردوں اور عورتوں نے اس معرکۂ کارزار میں مردوں کو عدل و انصاف و شرف و تقویٰ کا پیغام دیا ہے اور اپنے دلیرانہ عملیات کے ذریعہ ظلم و ستمگری، ذاتی جلب منفعت اور طاغوتی ستمگروں کی فرماں روائی کے خلاف جہاد و شہادت کا ایسا پیغام دیا ہے کہ دنیا میں جس کا مثل و نظیر نہیں ملتا۔ ان سب کے درمیان خاتون شجاع و رزمندہ، دختر جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب، خواہر با فضیلت حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کا نقشِ عمل دوسرے تمام لوگوں کے نقش عمل سے بہت زیادہ واضح و روشن اور بہت زیادہ درخشاں ہے، وہ درخشاں ترین چہرہ مکتب علوم الٰہی کی اس تربیت یافتہ خاتون کا ہے جس نے اموی سازشوں کے خلاف عملیات کی ذمہ داری اپنے اوپر لی اور اپنی منطق اور اپنے اسلامی نظریات کے اظہار و اشاعت سے ظلم و ستمگری کو محکوم و مغلوب اور رسوائے تاریخ کر دیا۔ اور یہ اسی شخصیت کے اظہارات و روشنگری کا عمل تھا جس کے ذریعہ اس نے رائے عامہ کو انقلاب حسینی کے موافق بنا لیا۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی، مصر کی ایک نامور اہل قلم عورت نے اس بارے میں

ایک کتاب بنام (زینب بطلۃ کربلا ۔ زینب کربلا کی بہادر ترین خاتون) لکھی ہے جس میں جناب زینب کبریٰ کے قابل تاسی مبارزات کی بہت زیادہ تجلیل و تقدیس کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

"لکھنے والے کے خیال میں واقعہ شہادت حسینؑ کے بعد سب سے بڑی اور سب سے مشکل تکلیف و ذمہ داری جناب زینب کے اوپر عائد ہوئی اور وہ بڑی خوبی کے ساتھ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئیں جس کا انجام حکومت آل ابوسفیان و بنی امیہ کا خاتمہ تھا، ان کے اندر اتنی قوت وطاقت تھی کہ ذریت پیغمبرؐ کے پاک و طاہر خون کو بے فائدہ و بے مقصد ہونے سے محفوظ رکھیں ....." (بطلۃ کربلا ص۷)۔

مورخ نامور مرحوم استاد ڈاکٹر آیتی اپنی کتاب "بررسی تاریخ عاشورہ" میں اسیران کربلا کے اثرات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

اموی فاشسٹ حکومت کے ذمہ داروں کی سب سے بڑی خطا اور سیاسی غلطی یہ تھی کہ اہلبیت رسالت کی اسیری کا پروگرام تشکیل دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اپنی اس طویل مظلومانہ مسافرت کے دوران اموی فاسد حکومت کے پیکر پر کاری ضربیں لگائیں اور اس حکومت کی تباہی اور اس کا تختہ الٹنے کے اسباب فراہم کر دیئے، اگر ابن سعد و ابن زیاد حادثہ فاجعہ کربلا کے بعد خاندان رسالت کے بارے میں اظہار ادب و احترام کرتے جو خود ان کی صلاح و بہتری بھی تھی اور انھیں بجائے اسیر کرنے کے ان مصیبتوں پر جو خود انھیں کی لائی ہوئی تھیں تسکین و تسلی دیتے اور دفن شہداء میں مانع نہ ہوتے، تو حادثہ فاجعہ کربلا اس صورت سے دنیا میں منعکس نہ ہوتا اور دشمنانِ امامؑ اسقدر رسوا و بے آبرو نہ ہوتے، اسیران کربلا نے جو رسالت کے تربیتی مرکز کے تربیت یافتہ تھے ان تمام سختیوں، زحمتوں اور مصیبتوں کے باوجود

اپنی انقلاب روحیہ کو محفوظ رکھا اور ہر اس موقع سے جو انھیں حاصل ہوا استفادہ کیا اور جب مجمع میں پہنچے سخنرانی کی اور ایمان واخلاص سے سرشار دل کے ساتھ اسلامی مقاصد کو آگے بڑھانے میں کوشاں رہے یہاں تک کہ انقلاب حسینی کی فتح وظفر کی منزلوں کو پالیا۔"

(بررسی تاریخ عاشورہ ص ۱۵۴)

ہاں! دشمن تو چاہتا تھا کہ فضیلت وتقویٰ و رسالت وصداقت کی آواز کو اس کے آغاز نشو ونما ہی میں ایکدم سے دبا دے اور فضیلت کی نشر و اشاعت سے ممانعت عمل میں لائے لیکن ان تمام تدبیروں، فکروں، اندیشوں اور رعایت احتیاط کے باوجود خود ہی اپنی ذلت ورسوائی کے مقدمات واسباب فراہم کردے، خاندان رسالت نے کوچوں میں، بازاروں میں میدانوں میں شہروں میں، شہروں کے دروازوں پر قصبات ودیہات میں غرض جہاں بھی قدم رکھا وہاں حادثہ کربلا کے بارے میں تقریریں کیں، المناک واقعات شہادت بیان کئے اور ستمگروں کے مظالم وشدائد کے تذکرے کئے اور بنی امیہ کو ذلیل ورسوا کیا اور اپنے اس عمل سے کربلا اور عاشورہ کی صحیح تاریخ کو لوگوں کے سینوں میں مو بمو ودیعت اور ثبت کردیا اور ظالم وجابر حکمرانوں کی جرموں اور جنایتکاریوں کی ایسی زندہ ومتحرک سند لوگوں کے اختیار میں دیدی کہ پھر خلافت کا جبار عملہ اپنی بداعمالیوں کو فراموش نہ کرسکا یا اپنے کو تغافل یا خواب خرگوشی میں نہ ڈال سکا، پھر وہ ظالم وخونخوار خیموں کے جلانے اور شیر خوار اطفال کے قتل کرنے کو جوان کے بدترین وبزرگترین وحشیانہ جرائم تھے صفحہ تاریخ سے مٹا نہ سکے۔

سب سے پہلے وہ تبلیغ جو مقصد انقلاب حسینی سے لوگوں کو آگاہ وآشنا کرنے کے سلسلہ میں جناب زینب کبرےٰ کی جانب سے صورت پذیر ہوئی، وہ دختر امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب وخواہر فداکار حضرت سید الشہداؑ کی وہ پرشور اور دلوں پر اثر کرنے والی تقریر تھی جو انقلاب

حسینؑ کے مقاصد اور پروگراموں کی تشریح کے سلسلہ میں تھی، آپ نے اپنے پرشور، پرخروش اور غم انگیز بیانات کے ذریعہ اوضاع وحوادث کربلا کی تصویر کشی کی اور ڈکٹیٹر حاکم کے جرائم اور خیانتوں اور مکاریوں اور دسیسہ کاریوں کو طشت از بام کیا، اور اپنے برادر بزرگوار حسینؑ کے مقاصد اور آپ کے قاتل دشمنوں کے مظالم کو مجسم کیا، ایک شخص بشیر پسر خذیم نامی نے اس بانوئے بزرگ اور محترم بی بی کے بیانات کو سننے کے بعد اس طرح اظہار خیال کیا:

"میں نے کسی عورت کو زینب سے زیادہ سخنور نہیں دیکھا، وہ اس طرح تقریر کر رہی تھیں کہ گویا علیؑ بن ابیطالب کے دہن سے کلمات آتشبار نکل رہے ہیں، لوگوں کی سانسیں سینوں میں رکی ہوئی تھیں، اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز تک خاموش تھی" یہ راوی جناب زینب کبراؑ کے بیانات سننے کے بعد بے اختیار ہو کر رویا اور آواز دی، "میرے ماں باپ تم خاندان رسالت پر قربان ہو جائیں تمہارے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں اور تمہارے جوان بہترین جوان ہیں تمہاری عورتیں بہترین زنانِ عالم ہیں اور تمہاری نسل بہترین نسل ہے جو ہرگز ہرگز خوار و ذلیل نہیں ہو سکتی۔

توابین یا توبہ کرنے والے گروہ کا قیام

جناب زینبؑ اور گروہ اسیران کربلا کی اپنی مسافرت کی لمبی مسافت میں تمام راستے بنی امیہ کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں، سختیوں اور وحشیانہ مظالم کا اظہار و بیان و افشا گری نے بڑی تیزی سے اور بہت جلد اپنا گہرا اثر لوگوں کے دلوں پر ڈالا اور ایک نئی قائم ہونے والی نہضت کی تخم ریزی دلوں میں کر دی اور لوگوں کو مقصد مقدس حسینیؑ سے قریب تر لائی یہاں تک کہ شہر کوفہ میں نہضت توابین کی بنیاد پڑ گئی۔

کوفہ کے نادم و غفلت زدہ فکر میں ڈوب گئے اور قضیہ کی گہرائی تک پہنچ گئے

اور آہستہ آہستہ آپس میں ایک دوسرے کو نشانۂ تنقید و توبیخ و ہدف ملامت و شماتت بنانا شروع کیا، اس حادثہ فاجعہ میں شرکت کرنے والوں میں سے ایک شخص نے ایک روز ندامت و خجالت کے ساتھ اپنے خاندان والوں کے مجمع میں اپنی بیٹی سے کہا: "تیرا باپ اپنے گناہِ عظیم سے اپنے پروردگار کی طرف پناہ چاہتا ہے ....." توابین کی فوج ــــ "یا لثارات الحسین" ۔ "اے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے والی جماعت" کے نعرہ کے ساتھ عالم وجود میں آگئی، انھوں نے اسلحے اٹھا لئے اور اٹھ کھڑے ہوئے، ان لوگوں کا مقصد اور نظریہ یہ تھا کہ ہم دنیا کے طلبگار نہیں ہیں بلکہ ہمارا مقصد صرف اور صرف خونِ حسینؑ کا انتقام لینا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اس عمل کے ذریعہ اپنی گذشتہ کوتاہیوں سے توبہ کریں، شاید خداوند متعال ہم سے راضی ہو جائے۔

ان لوگوں کی نہضت ۶۵ھ میں اپنے اوج پر تھی، اور چار ہزار افراد کے نعروں سے اموی تخت و تاج کے خلاف فضائے کوفہ لرز اٹھی یہ لوگ سلیمان بن صرد خزاعی جو شیعیان کوفہ کے رئیس اور جناب رسول خداؐ کے بزرگ صحابی تھے، کے گھر میں جمع ہوئے اور مصمم پروگرام بنائے اور عہد و پیمان لئے اس کے بعد ان میں ایک جماعت دستہ کی شکل میں پہلے امام حسینؑ کی آرامگاہ اطہر کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں اس آیت کی تلاوت کرتے جارہے تھے:

"فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم" (یعنی تم سب اپنے خالق پروردگار کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو کیونکہ یہ عمل اللہ کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہوگا)، اور جب آرامگاہِ امامؑ کے نزدیک پہنچے تو دل سے فریاد کی اور "یا حسینؑ یا حسینؑ" کہہ کہہ کے نالہ و زاری کرنے لگے، اور ایک شب و روز وہاں قیام کیا اور متصلاً نالہ و فریاد اور گریہ و زاری میں مشغول رہے، اور خدا سے عہد و پیماں کیا کہ جب تک خونِ حسینؑ کا انتقام نہیں لے لیں گے

چین سے نہیں بیٹھیں گے، اور برابر یہی کہتے تھے: "خدایا ہم نے تیرے پیغمبرؐ کے نواسے کی نصرت سے گریز کیا اور انھیں تنہا چھوڑ دیا خدایا! تو ہمیں معاف فرما، اور اگر تو ہماری توبہ قبول نہیں کرے گا تو ہم بدبخت و خاسر ہوں گے۔"

توابین کے لشکر نے سلیمان، مختار اور دوسرے دوستداران اہل بیت رسالت کی قیادت و سربراہی میں شہیدان کربلا کا انتقام قاتلین سے لے لیا، اور گروہ توابین کی پشت پناہی و نصرت تھی کہ امیر مختار نے خونِ حسینؑ کے انتقام لینے کا حکم صادر کیا اور نامور مورخ طبری کے کہنے کے مطابق ۲۴ گھنٹے کے اندر، ۲۸۰ نفر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جن کے درمیان ابن زیاد، ابن سعد مع اپنے بیٹے کے، قیس ابن اشعث، حصین بن نمیر، شبث بن ربعی اور شمر وغیرہم تھے اور ان میں سے آخری شخص یعنی شمر کے جسد کو کتوں کے آگے ڈالدیا، یہاں تک کہ وہ ملعون اپنے عمل زشت کی سزا کو پہنچا۔ یہ اندرونی تاثر و انقلاب حقیقتاً معلول و نتیجہ تھا کاروانِ اربعین حسینیؑ اور حالت اسیری میں کوفہ و شام کا سفر کرنے والوں بالخصوص بانوے نامدار کربلا جناب زینبؑ اور دوسرے فداکار پسماندگان کے اقدامات کا، جنھوں نے شہادت حسینؑ کو عزائے ملی و اسلامی کی شکل دی، اور دنیائے حق طلبانہ مبارزات کی تاریخ میں عاشورہ کو بے مثال و بے نظیر جلوہ گر کیا، ہماری طرف سے درود و سلام ہو حسینؑ پر اور حضرت کے انصار و فرزندوں اور فداکار و عظیم المرتبت بہنوں پر۔

ایران کے انقلاب عظیم اسلامی میں عورتوں نے بھی مردوں کے دوش بدوش و ہم محاذ ہو کر جنگ کی ہے اور اپنا خون مرد مجاہدوں کے ساتھ طلکر اسلامی آرزوؤں پر نثار کیا ہے اور تمام مظاہروں اور کانفرنسوں میں برابر کی شریک رہی ہیں اور اجتماعی و اقعی ضروریات کے پورا کرنے اور انسانی بلند مقاصد کو حاصل کرنے میں اپنی لیاقت و شائستگی و استعداد و قابلیت کی بااحسنِ وجوہ نشاندہی کی، چنانچہ آج اگر رضائیوں (چند بھائی جو سب کے سب پہلوی

بربریت کا نشانہ بنے) کی ماں ایک مسلمان مجاہد خاتون کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے ادارہ کو پیغام بھیجتی ہے اور چاہتی ہے کہ پہلوی جرائم و مظالم کے گواہ کی حیثیت سے بین الاقوامی عدالت حاضر ہو تو وہ واقعتاً اس کا حق رکھتی ہے اور عدالت میں حاضر ہونے کے لائق ہے کیونکہ اس کی ذات رنجوں، غموں اور دردوں کے مجسم ہونے کی حقیقت و واقعیت سے بخوبی واقف اور پہلوی ساواک پر بھروسہ کرنے والے عمال حکومت کے تمام شکنجوں، ایذا رسانیوں، مظالم و شدائد کی شاہد ہے، اگر وہ شہادت و گواہی دیتی ہے تو وہ ان تمام رنجوں غموں اور مصیبتوں کو اپنی آنکھوں اپنے کانوں بلکہ اپنے تمام وجود سے سنا ہے، دیکھا ہے اور لمس کیا ہے چونکہ خود اس نے بھی اپنے کئی بیٹوں کو اس راہ میں گنوایا ہے۔

جس وقت لکھنے والا، مجاہد عظیم و شخصیت محبوب و محترم اور کبھی نہ تھکنے والے اسلامی مجاہد و پیکار گر علامہ طالقانی کی گرانبہا یادگار اور طالقانی کی خواہر اعظم کی آواز کو جو ریڈیو سے نشر ہوتی ہے، بغور سنتا ہے کہ جناب زینب کی تاسی کرتے ہوئے کس جوش کے ساتھ انسانی آرزوؤں اور انقلابی پیغام کو لوگوں کے کانوں تک پہنچا رہی ہیں تو وہ (لکھنے والا) انھیں اس امر کا حق دیتا ہے کہ وہ عورتوں کے اجتماعی و قانونی تکلیفوں، محرومیوں اور حق تلفیوں کے متعلق بحث کریں کیونکہ وہ اپنے بوڑھے رضا کار مبارز و مجاہد باپ کے جو ملّت اسلامیہ کے کھوئے ہوئے حقوق کو حاصل کرنے کیلئے مسلسل زندان ظلم و استبداد میں رہکر بھی کوشش اور نبرد کرتے رہے، تمام آلام و مصائب، رنجوں اور غموں، خطوں اور دردہائے دل اور تمام مشکلات کی ہمیشہ ساتھ رہنے والی اور ہر بات کی خبر رکھنے والی شاہد حاضر و ناظر تھیں!

وقت کے اس حصہ میں (مجلس خبرگان کے قانون سازی کے جلسوں کے زمانہ میں) موقع کا تقاضا ہے کہ تمام قانون نویس و قانون ساز اور ملّت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کے پروگرام

مرتب کرنے والے حضرات وحشت وتعصب سے نیز شخصی خواہشات ونظریات وافکار سے دور رہ کر اور آراء کے (ہیکل جسیم) سے مرعوب ہوئے بغیر عورت کے حقوق واقعی کی طرف توجہ کریں اور زمان ومکان کے مناسبات ومقتضیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور زن مسلمہ کی صلاحیت ولیاقت واستعداد کی طرف پوری توجہ واعتنا کے ساتھ اس کے تلف شدہ یا کھوئے ہوئے حقوق کے حاصل کرنے میں اس کی مدد کریں اور اس کا ساتھ دیں تاکہ سیادت مند وخوش بخت معاشرہ حقیقی اسلامی عدل کی بنیاد پر قائم ہو کر اس جامعہ اسلامی میں زن و مرد قدم سے قدم ملا کر اپنی ترقی وخوش بختی کی منزلوں کو پالیں اور اپنے بلند و واقعی حقوق کو حاصل کرلیں۔

عورت کی کوشش وجستجو اور اس کا مبارزہ وجہاد مرد کی ہم محاذ اور دوش بدوش ہونے کے لحاظ سے کربلا کے اسلامی انقلاب میں اپنے واقعی چہرہ کی جلوہ نمائی کرتا ہے اور عورت اپنے نقش عمل کو پورے طور پر اجاگر کرتی ہے، حسینؑ کے صحیح اور سچے انقلاب کی بقاء دوام بخشی، اور مظلوموں اور جبر وتشدد کے ماروں کی دادخواہی وعدالت جوئی کی راہ میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور عدالت اجتماعی اور انسانی دادخواہی کی صدا بلند کرتی ہے اور اس صورت سے مرد کی اس اہم رزم شخصیت کے وجودی وذاتی جوہر اور نقش حساس کو تاریخ انقلاب میں تحقق و تعین بخشتی ہے۔

امیرالمومنین علیؑ بن ابیطالب کی بیٹی اور جناب فاطمہؑ طاہرہ کے مکتب کی تربیت یافتہ جناب زینب کربلا کی وہ واحد بہادر ودلیر عظیم القدر والمنزلۃ مجاہد خاتون ہیں جن کو مورخین اور دانشمندوں نے "شیر زن کربلا" اور دشت نینوا کی دلیر خاتون کے لقب سے یاد کیا ہے' ان حساس وپریشان کن اور حواس پراگندہ کردینے والے حالات اور زمانہ کے اُن تقدیر ساز و

اصلاح کن لمحات میں ان روحانی خصوصیات کے ساتھ اپنے سات بہادر و جانباز بھائیوں اور کئی نور چشموں اور فرزندوں کی شہادت کے بعد اور امام حسینؑ کے اطفال و پسماندگاں کی سرپرستی کی تمام عظیم ذمہ داریوں کی متحمل ہونے اور ان تمام تکلیفوں، آلام و مصائب اور ناگوار حوادث جو ایک پر احساس عورت اور ایک داغدیدہ بہن کے پر از محبت دل اور حساس روح سے ادنیٰ سی مناسبت نہیں رکھنے کے باوجود خاموش نہیں بیٹھیں اور غم کے زانو پر سر نہیں رکھا، اور کمال آگاہی و ہوشیاری اور انقلابی جذبہ کے ساتھ اسلام کی مقصد برآری کے پر افتخار و عظمت پرچم کو اپنے کاندھے پر اٹھایا اور خون میں جوش پیدا کرنے والے اشعار پڑھے، اور گلیوں، کوچوں میں، محلوں میں شہروں میں اور بیابانوں میں مقصد و آرزوئے مقدس حسینؑ کو دہراتی رہیں اور زینب کا جوش و خروش ان تمام زہراگیں تبلیغات کے درمیان سے نہضت حسینیؑ کے حقیقی علامات کی نشاندہی کر سکا، اسیران کربلا کے وارد کوفہ ہونے کے وقت دختر امیر المومنینؑ کے خطبہ نے حکومت جور و استبداد کے ارکان کو لرزہ براندام کر دیا اور وہ خفقان و اضطراب میں مبتلا ہو گئے، اور پُر تلاطم موجوں اور دن کے مضطرب افکار و خیالات کو مقصد حسینؑ کی موافقت میں گردش میں لائیں اور دشمن کو اپنے بلیغ اور دہلا دینے والے بیان سے ہراساں و لرزاں کر دیا، یہاں ہم جناب زینب کبریٰ کے دو خطبوں اور دو فصیح و بلیغ بیانات کو دہراتے ہیں جن میں سے ایک خطبہ کوفہ میں جو یزیدی حکومت میں ایک صوبہ کا صدر مقام تھا، اور دوسرا شام میں یزید کے طویل و عریض دربار میں فرمایا تھا، اس خطبہ کے اشاروں، کنایوں اور جملوں کی تہوں میں جو محاسن لفظی و معنوی موجود ہیں انسے بانوئے اسلام کا کمال علم و ادب و جودت فکر روشن و واضح ہو جاتا ہے ہم آپ کی اس ذاتی لیاقت و اصالت و کرامت پر درود بھیجتے اور مدح و ثنا کرتے ہیں۔

دربار شام میں کربلا کی دلیر خاتون کا خطبہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہم پروردگار عالم کی حمد وثنا کرتے ہیں اور پیغمبر گرامی قدر اور آپ کی آل اطہر پر درود بھیجتے ہیں، فاسقوں، بدکاروں اور ظالموں وستمگروں کے بارے میں خدائے متعال کا یہ قول متحقق ہو گیا کہ ان لوگوں کا انجام کار جو فسق وفجور و گناہ میں آلودہ مبتلا ہوئے اس حد کو پہنچ گیا کہ صرف اپنے نفس کی خوشنودی کیلئے آیات الٰہی کی تکذیب کرتے اور ان کو باطل وغلط سمجھتے ہوئے ان سے بے توجہی برت رہے ہیں۔

اے یزید! تو اس بات سے کہ ظلم وتعدی کر کے ہمیں مصائب وآلام میں گرفتار کر دیا ہے اور ہمیں اسیروں کی شکل شہر بشہر دیار بدیار پھرایا ہے اگمان کرتا ہے کہ تیری اس قسم کی حرکتیں ہماری بے عزتی کا باعث اور تیری عزت وقدر و منزلت کی دلیل بنیں گی؟ تو تیوریاں چڑھائے ہوئے کبر ونخوت سے اپنے چاروں طرف دیکھ رہا ہے اور دنیا کو اپنے موافق سمجھ رہا ہے؛ حالانکہ لائق وفائق حقداروں کا حق تو نے ناحق غصب کر لیا ہے اور ان سطحی امور پر فریفتہ ہو گیا ہے اور مٹھی بھر نالائقوں کے افکار واقوال پر جو تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں اور تمام کاموں کو تیری خواہش کے مطابق انجام دیتے ہیں خوش ہو رہا ہے؛؛

کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ تیری یہ ساری بداعمالیاں تیرے لئے نفع بخش ثابت ہونگی؟ اور تیری یہ ظالمانہ حکومت ہمیشہ باقی رہے گی؛ تو نے جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس پر مغرور نہ ہو، ذرا آہستگی سے قدم اٹھا اور سنبھل کر چل، اور یہ جان لے کہ ان اوضاع واحوال (ظاہری حکومت وغلبہ وجاہ وحشمت) کے ذریعہ تجھے اور تیرے ہوا خواہوں کو اس امر کی مہلت دی گئی ہے کہ تو اور تیرے چاپلوس ہوا خواہ اپنی حقیقت وماہیت کو بالکل بے نقاب اور آشکار کر دو اور اپنی ذلیل و

رکیک حرکتوں سے اپنی ذلت و رسوائی کو اور زیادہ عیاں کر دو تو یہ گمان نہ کر کہ تیرا یہ تسلط اور اپنی طاقت سے تیرا یہ ناجائز و غلط فائدہ اٹھانا تیرے حق میں نفع بخش ہوگا، بلکہ تجھے چاہیے کہ ذلیل کرنے والے عذاب الٰہی کا منتظر رہے جو خود بھی تیرے انتظار میں ہے، اور تو قطعاً و حتماً ابدی ذلت و رسوائی میں پڑیگا، جلد یا بدیر یہ وضع بدلیگی اور یہ احوال متغیر و دگرگوں ہوں گے۔

اے طلقاء کے بیٹے! ان باپوں کے نتیجہ عمل بد پر غور کرے جنھوں نے جہاں تک ان سے ہو سکا حق اور اسلام کی ترقی و پیش رفت میں مخالفت کی اور رکاوٹیں کھڑی کیں، اور آخر کار جب مجبور و ناچار ہو گئے تو منافقت کی نقاب چہروں پر ڈال کر (بادل ناخواستہ) اسلام قبول کیا اور باوجود اس کے کہ پیغمبر خداؐ کو پورا تسلط و غلبہ حاصل ہو چکا تھا پھر بھی اپنی عظمت و بزرگواری کے پیش نظر آنحضرتؐ نے عفو و درگذر فرما کر ان سبھوں کو آزاد کر دیا۔

کیا حضور اکرمؐ کی ان کرم فرمائیوں کے باوجود تیرا یہ کام مبنی بر انصاف ہوگا کہ تو اپنی بیویوں اور کنیزوں کو تو احترام کے ساتھ پس پردہ بٹھایا ہے اور ہم دختران رسول خداؐ کو اس مجمع عام میں اسیروں کی صورت میں لا کھڑا کر دیا اور ہر شریف و وضیع کیلئے تماشا کا موقع فراہم کیا ہے؟ کیا یہ امر تیرے لئے کسی طرح بھی سزاوار تھا کہ تو پیغمبر خداؐ کی یادگاروں اور منزل وحی میں تربیت پانے والوں کو دشمنوں کے ہمراہ شہر بہ شہر و دیار بدیار تشہیر کرے تاکہ شہریوں، صحرانشینوں، دور و نزدیک شریف و رذیل غرض ہر طبقے کے افراد کو بھی دیکھنے اور تماشا کرنے کا موقع ملے؟۔

کیا تو اس سے خوش ہو رہا ہے کہ ہم کو اس حالت میں میرے برادر عزیز اور ہمارے شجاع و دلیر مرد ہمارے ساتھ نہیں ہیں تاکہ ہماری حمایت و حفاظت کریں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟۔

ہاں! تجھ سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی تھی؟۔

کیا تو اس عورت کا بیٹا نہیں ہے جو کمال شقاوت و کینہ دوزی کے ساتھ جنگ احد

کے شہداء کے درمیان گئی اور عم پیغمبرؐ (جناب حمزہ) کے جسم کو برہنہ کیا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اُسے اپنے (منحوس) دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا؟

تو ایسے شخص سے جس کے بدن کا گوشت شہداء راہ خدا کے خون سے روئیدہ ہوا ہو، اور (اے بنی امیہ) تم سے جو ہمیشہ آل علیؑ سے بغض و عداوت و کینہ رکھتے رہے ہو اور اُن سے زمانہ جاہلیت کا انتقام لینے کی فکر میں مشغول رہے ہو اس قسم کی بداعمالیوں کے سوا اور کیا توقع و امید کی جا سکتی تھی۔

اے یزید! تو اتنی بڑی خیانتوں کا مرتکب ہوا ہے اور اس پر خوش ہو رہا ہے اور کمال غرور و سرمستی کی حالت میں اپنے اسلاف کو جو اسلام کی مخالفت میں اپنے حد امکان تک ہمیشہ کوشاں رہے مخاطب قرار دیکر انتہائے مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ:۔

"اے کاش میرے باپ دادا وغیرہ موجود ہوتے اور اس انتقام کو دیکھتے جو میں نے فرزند علیؑ سے لے لیا ہے تو وہ بھی بے حد خوش و شادماں ہوتے اور مجھے مبارک باد و شاباشی دیتے۔"

اور یہ کلمات اس حالت میں اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ انتہائی شقاوت و بے رحمی کے ساتھ پاک ترین شہداء میرے برادر عزیز حسینؑ کے دندان ہائے مبارک کی طرف دختران و عزیزان حسینؑ کے روبرو اپنی نجس چھڑی سے اشارہ کر رہا ہے!

ہاں ہاں! تو ایسا کیوں نہیں کرے گا اور کیوں نہ اس قسم کے کبر و نخوت میں مبتلا رہے گا؟ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ ہمارے دلوں پر تو نے کیسے کیسے زخم لگائے ہیں؟ اور نسل حضرت محمد مصطفیٰؐ کے کتنے پاک و طاہر خون ہیں جن میں تو نے اپنے ہاتھ نہیں رنگے ہیں؟ اور خاندان عبدالمطلب کے کتنے ہی درخشاں ستارے تھے جنھیں تو نے نہیں بجھایا؟

تو جس نے اپنے بت پرست باپ، دادا کو اپنی گفتگو کا مخاطب قرار دیا ہے اور ان پر بیجا فخر کا اظہار کر رہا ہے ایک دن انھیں سے جا ملیگا، اور پھر اپنی ان بدکاریوں پر جن کا تو

مرتکب ہوا ہے ان خرافات پر جو تو نے زبان سے کہی ہیں اور ان دلوں پر جنھیں تو نے اپنے ظلم وستم سے خون کر ڈالا ہے بے حد پشیمان و نادم ہو گا، اور اُس دن تو یہ آرزو کرے گا کہ اے کاش تیری زبان اور تیرے ہاتھ بے کار ہو گئے ہوتے کہ اس قسم کی جسارتوں کا مرتکب نہ ہوتا اور ان رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا، اور ایک بہت جلد ختم ہو جانے والی ہوس رانی کیلئے ان ناقابل جبران و تلافی جنایات و جرائم میں آلودہ نہ ہوتا۔"

اس مقام پر جناب زینب علیہا مقام ایک ٹوٹے ہوئے پر از اخلاص و توجہ دل سے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں راز و نیاز کے انداز میں عرض کرتی ہیں:

"پروردگار! تو ہی ان ظالم و ستمگر دشمنوں سے ہمارے حق کا انتقام لے"۔

اور اس گروہ سے بھی ہمارا انتقام لے جنھوں نے ہم پر مظالم ڈھائے اور ہمارے خون بہائے۔

پھر دوبارہ یزید کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:۔

"اے یزید! تو اس عظیم جنایت و جرم کے ساتھ جس کا تو مرتکب ہوا ہے گویا تو نے اپنی کھال کو خود ہی ادھیڑ کر چاک چاک کر دیا ہے اور خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں، تو بہت جلد پیغمبر خدا سے ملاقات کرے گا اس حالت میں کہ آنحضرتؐ کی پاک ترین یادگاروں کی ہتک حرمت کے جرم میں تو آلودہ ہو گا، ایک دن آئیگا کہ یہ تمام تشتت و پراگندگی مبدل بہ جمع ہو جائے گی اور حق صاحبان حق کو واپس ملیگا،

اے یزید! تو ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کر کہ تیرے اور پیغمبرؐ کے درمیان صلح کی کوئی گنجائش ہوگی، خدا ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ فرمائے گا، اور یہ جو تیرے گرد جمع رہتے ہیں اور اپنے شخصی جلب منفعت اور جامعہ اسلامی کو ضرر رسانی کی غرض سے تیری حمایت و طرفداری کا نعرہ بلند کرتے ہیں، انھیں بھی بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تیرے جیسے شخص کو امور مسلمین پر

مسلط کر کے یہ کتنی بڑی خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، اور بہت جلد عیاں ہو جائے گا کہ یہ سب کسقدر ذلیل و رسوا ہوں گے۔"

اگرچہ یہ زمانہ کی مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ میں تیرے روبرو ہوں اور تجھ سے گفتگو کرنے پر مجبور ہوں لیکن میں (تیرے ان بے اصل چاپلوسی ہوا خواہوں جو تجھ سے تملق آمیز باتیں کرتے ہیں اور تیرے کان ان یاوہ گوئیوں اور بے بنیاد باتوں کے سننے کے عادی ہو چکے ہیں کے برخلاف) تجھکو بہت پست، بے قدر و قیمت سمجھتی ہوں اور ان خالی خولی، بے مغز احمقانہ و تملق آمیز باتوں کے بجائے تجھکو بے انتہا توبیخ و ملامت کے قابل جانتی ہوں، لیکن کیا کیا جائے؛ فی الحال تو ہماری آنکھیں اپنے عزیزوں کے فراق میں اشکبار ہیں اور ہمارے دل ان کی مصیبتوں اور صدمے سے سوزان و داغدار ہیں...

کتنی عجیب بات ہے کہ شیطان پست و ذلیل اور انسانیت سے دور لوگوں نے مردان خدا کے پاک ترین گروہ کو اپنی نادانی خواہشات نفس کی پیروی اور جاہ طلبی کی بنا پر ہر طرف سے اپنے محاصرہ میں لیکر کمال ظلم و ستم کے ساتھ بزدلانہ طریقہ سے قتل کر ڈالا، یہ تمہارے ہی دانت ہیں جنھوں نے جوان عزیزوں کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نگل گئے ہیں کہ ان پاک اجسام اور ان خون میں ڈوبے ہوئے اجساد طاہرہ کو جلتی زمین پر بے گور و کفن چھوڑ کر چلے آئے، اور اس کے بعد اپنی انتہائی رذالت و پستی کا ثبوت یہ دیا کہ ہم کو جبراً و قہراً اسیر بنا کر لے چلے، اے یزید! اگر ہمارے عزیزوں کے قتل اور ہمیں اسیر کر لینے کو تو اپنے مفاد میں سمجھتا ہے تو یہ بھی جان لے کہ تو بہت جلد اپنے کو خسارے میں پائے گا، اور اس حالت میں کہ اس وقت کوئی تیرا یار و مددگار نہ ہوگا اپنے ان بڑے بڑے جرائم و جنایات کی جوابدہی کیلئے تیار رہ، ہم تیرے ان مظالم و ناانصافیوں کی شکایت خدائے متعال سے کریں گے، اور وہ اکیلی وہ ذات ہے جو

ہماری پناہ گاہ ہے اور وہ ہرگز بندوں پر ظلم پسند نہیں کرتا۔

(اے یزید!) اسوقت طاقت وقوت تیرے ہاتھ میں ہے جو کچھ تو کر سکتا ہو کرلے اور تو ہماری دشمنی میں جو اقدام بھی کر سکتا ہے اسے انجام دے لے اور (عوام کو غافل رکھنے کیلئے) کسی قسم کے مکر وفریب سے کوتاہی نہ کر، اور ہم پر ظلم وستم ڈھانے کے سلسلہ میں کسی قسم کی سعی وکوشش بروئے کار لانے میں کوئی خوف وہراس ووحشت ودہشت عمل میں نہ لا.....

لیکن خدا کی قسم تو اس پر قطعاً قادر نہیں ہے کہ ہمارے پر فضیلت نام کو مٹا دے اور ہماری یاد کو لوگوں کے دلوں سے بھلادے، تو ہمارے اور ہمارے شہیدوں کے جنھوں نے صادقانہ جذبات کے ساتھ راہِ خدا میں اور نوع بشر کو نادانی جہالت وگمراہی سے نجات دلانے کی راہ میں سعی وجد وجہد کی، فضائل کو نہیں مٹا سکتا، اور کبھی بھی اس ننگ وعار کے بدنما دھبے کو اپنے دامن سے دور نہیں کر سکتا اور نہ اپنے کو ان ناشائستہ حرکات سے قطعاً وابدًا بری کر سکتا۔ اے یزید! کیا اس کے سوا کچھ اور ہے کہ تیرا لغشۂ وجود بے حد کمزور وبے جان تھا اور چند لمحات سے زیادہ تجھے مہلت نہیں دی جائے گی؟۔

کیا بہت جلد تیرا دور ختم ہونے والا نہیں ہے اور تمہارے حالات واوضاع پراگندگی کی شکل اختیار نہیں کرلیں گے؟۔

ہاں! بہت جلد تو الٰہی آواز کو سُنے گا کہ "ظالموں پر ہمیشہ باقی رہنے والی لعنت ہو" اور ہم حمد وشکر خدا ادا کرتے ہیں کہ ہمارے کام کا آغاز سعادت وخوش بختی سے ہوا اور شہادت وقربانی پہ ہمارا کام انجام پذیر ہوا، ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اپنی رحمت کو ہمارے شہیدوں پر مکمل فرمادے اور ان کی جزا کو اور زیادہ فرمائے اور ہماری نصرت فرمائے تاکہ ہم ان کے بہترین جانشین ثابت ہوں اور ہم ان کی گرانقدر قربانیوں کو بہترین صورت سے پُربار وثمرآور کرسکیں،

وہ بڑا مہربان اور بہت بخشنے والا خدا ہے کہ وہی پناہ دینے والا اور ہر حال و ہر ماحول میں وہ بہترین یاور و مددگار ہے"۔

کوفہ میں جناب ثانی زہرا زینب کبرا کا خطبہ

"خدائے متعال کی حمد و ثنا بجا لاتی ہوں اور اپنے جد بزرگوار محمد مصطفےٰ ﷺ پر درود بھیجتی ہوں۔ اما بعد میں تم ظالم و ستمگر انسانوں سے جو مردانگی و شرافت سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے کچھ کہنا چاہتی ہوں تم بزدلوں سے جو مکر و حیلہ کے سوا کچھ نہیں جانتے اور جو سحر و افسوں کے سوا کچھ ظاہر نہیں کرتے، تم سے جن کے ہاتھ عہد و پیمان شکن اور جن کے دل قاطع رحم ہیں، ہاں! میں تم سے کہتی ہوں، تم آنسو بہا رہے ہو حسرت کے آنسو، افسوس کے آنسو، ہاں ہاں خوب اشک ریزی کرو، خدا کرے یہ آنکھیں سیلاب اشک سے ایک لحہ کیلئے بھی خالی نہ ہوں، فریاد بلند کرو خدا کرے تمہارا مشغلہ سوائے شیون و فریاد کے اور کچھ نہ ہو،

واہ! تمہاری حالت اس بڑھیا سے کس قدر مشابہ ہے جو تاگہ کو بٹتی تھی پھر کھول دیتی تھی ایک ہاتھ سے جو باندھتی تھی اُسے دوسرے ہاتھ سے کھول دیتی تھی۔۔۔ (اسی طرح) تم بھی عہد و پیمان باندھتے ہو اور پھر اپنے ہی ہاتھوں اسے کھول ڈالتے ہو، جو عہد و پیمان بھی ہوتا ہے تم اسے کھیل سمجھ لیتے ہو اور کبھی اس کے پابند نہیں رہتے، مجھے بتاؤ کہ تم کمینگی اور کوتاہ نظری کے سوا اور کیا رکھتے ہو، جھوٹ و فریب کے سوا اور کیا جانتے ہو۔

شیریں زبان کنیزوں کی طرح تم بھی میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہو تاکہ اس زہر تلخ کو جو تمہارے تالوؤں میں بھرا ہوا ہے آہستہ آہستہ کام میں لاؤ، دوست کو اپنی آغوش میں لو اور دشمن کو اپنی آنکھوں کے اشارے سے بلاؤ، تمہاری مثال اس خضراء دمن (مزبلہ کے سبزے) کی ہے

جو کیچڑ گندگی کے اوپر سبز دامن پھیلائے ہوئے ہو لیکن اس کی جڑیں نجاستوں اور گندگیوں میں جگہ بنائے ہوئے ہوں اور نشاک نجس غلاظتوں کے پانی سے سیراب ہوتی ہوں، خلاصہ یہ کہ وہ جتنی بھی سرسبزی و شادابی ظاہر کرے بہرصورت چرنے کے لائق نہ ہو، کیا تم اپنے حسن و جمال صحت و رعنائی، زرق برق لباسوں پر گھمنڈ کرتے ہو؟ کیا وہ چاندی کے لائق ٹکڑے جو کسی تابوت پر جڑے ہوئے چمک رہے ہوں دلکش ہو سکتے ہیں؟

کیا اس حسن و دلکشی کی جو تم ظاہر میں رکھتے ہو اس دل آزاری کے جذبات کے مقابلہ میں جو تم اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو کوئی قدر و قیمت ہو سکتی ہے، پس نالہ و فریاد کرو اور آنسو بہاؤ، یہ رونا اور آہ و نالہ کرنا ہی تمہارے لئے مناسب سزاوار ہے، خداوندا! یہ کیوں نہ آہ و نالہ کریں؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی جڑوں پر کلہاڑی ماری ہے اور اپنے شرف و افتخار کے درخت کو کاٹ کر جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے، ننگ میں مبتلا اور عار میں آلودہ ہو گئے ہیں، وہ یکتا نازنین جو تمہارے ہاتھوں سے سرزمین کربلا پر گرا اور اپنے خون میں ڈوب گیا تمہارا پشت پناہ، تمہارا حامی و مددگار اور تمہارا امام اور تمہاری سعادت و سیادت کا محور تھا، دور ہو جاؤ! تم ہی تو ہو کہ کل ایسی ایسی حرکتیں کیں اور آج اس طرح کرتے ہو اب تم ہمیشہ کیلئے شرم و ندامت کے محکوم رہو اور ہمیشہ بے چارگی میں زندگی گذارو اور ہرگز کسی چارہ و تدبیر کی جستجو نہ کرنا تم جنھوں نے وحشیانہ طور پر قلب محمدؐ میں خنجر اتار دیا ہے اور ظالمانہ آپ کا خون بہایا کیا جانو کہ تم نے کیا کر ڈالا اب کوئی حرکت قائم نہیں رہ سکتی اور تم نے اس کے پہلو میں کسی قابل احترام مقام کو قابل احترام نہیں چھوڑا، اب اس سے بدتر کوئی چیز بیاں نہیں کی جا سکتی اور اس سے بدتر کوئی کام کیا ہی نہیں جا سکتا

پس مقام تعجب نہیں ہے اگر آسمان سر جھکائے ہوئے قربان گاہ کربلا کے نشیب پر خون کی بارش کرے، اور اس پاداش و سزا کا بیان کیسے ہو جو بروز قیامت ظالموں کے حصہ میں آئیگی

آگاہ ہو جاؤ اس دو روزہ فرصت و مہلت پر (یعنی یہ ناپائدار زندگی) جو تم نے حاصل کرلی ہے مغرور نہ ہو اور اپنے عمل کی مکافات و مجازات سے غافل نہ ہو جسے تم خدا مانتے ہو اسکی خدائی آسمان پر بھی ہے، ہم اسی کے سامنے سجدہ میں خاک پر پیشانی رکھتے ہیں، اس کو تم فریب نہیں دے سکتے اور اس کی بارگاہ میں رنگ کے بجائے نیرنگ کام میں نہیں لایا جاسکتا۔''

اربعین حسینیؑ خواتین اسلام کیلئے رزم و جہاد کا سبق

اربعین حسینیؑ صحرائے کربلا میں راہ فضیلت و انسانیت میں شہید ہونے والوں کی شجاعتوں اور نبرد آزمائیوں کی یاد دلاتی ہے اور انھیں شکوہ مند یادوں نے ایران کی ملّتِ مسلمہ کے مجاہد شیفتگان و دوستداران اہلبیتؑ کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور اپنے اسلامی سلب شدہ حقوق کے حاصل کرنے میں ان کے مبارزات، تلاش و جستجو، سعی و کوشش اور جانبازیوں کیلئے الہام بخش ثابت ہوئی ہیں۔

اربعین حسینیؑ تقویٰ و شرف کی راہ میں شہید ہونے والوں کی تعظیم و تکریم اور بشر کے حقوق واقعی کے حصول کیلئے حقیقی اور سچے دفاع کرنے والوں کی نبرد آزمائیوں کی قدر دانی کا دن ہے جنھوں نے اپنے پاک و معصوم خون کی قربانی دیکر اور بانوانِ عصمت و طہارت کی اسیری اور بحالت اسیری تشہیر کو گوارہ کرکے حریت و آزادی ضمیر کے بزرگترین محاذ اور مستحکم ترین بنیاد قائم کی، اور جب تک دنیا باقی رہے گی یہ محاذ بھی اسی آن بان سے قائم رہے گا۔

اربعین حسینیؑ صدرِ اسلام کی مسلم خواتین کے مجاہدات و جانبازیوں کی گرانقدر اور یاد رکھے جانے والے بہت سے درس اپنے دامن میں رکھتی ہے، جو آج لیعنی پتدر ہویں

صدی ہجری کی پیشانی پر ایران کی مسلم رزمندہ خواتین کیلئے سرمشق و نمونہ عمل بن سکتے ہیں اربعین حسینی متصل کوششوں، جانبازیوں کی اور اسلامی احساسات و رجحانات سے سرشار وہ مجسم تاریخ ہے جو اہل بیت عصمت وطہارت کی باقی رہ گئی ہے۔

امام سید سجادؑ کے بعد اربعین کی حادثہ آفریں مجاہدہ وہ بانوے بزرگوار ہیں جو زینبؑ کے نام سے مشہور و معروف ہیں جنھوں نے علویؑ تربیتی مکتب اور فاطمیؑ تقویٰ و فضیلت کی آغوش پرورش میں نشو و نما پائی تھی، اور اس فضیلت و کمال و شرف و عفت و تقویٰ کے خرمن سے حصۂ وافر حاصل کیا تھا یہ فضائل و محامد و سیرت زینب کبریٰ اس قابل ہیں کہ اس روزگار بے تمیزی و زمانۂ تہمت و افترا میں ہماری خواتین، لڑکیوں اور ہمارے نوجوانوں کو فضائل و کمالات کی آرائشوں سے سرشار و آراستہ کردیں، آپ کی راہ و روش انسانیت کی سعادت و خوش بختی اور خط مستقیم کی راہ ہے اور مسلم خواتین کیلئے عفت و شرافت و تقویٰ کی بہترین نمونہ ہے۔

جناب زینب کبریٰ کے انقلابی چہرہ کی تصویر کشی کے سلسلہ میں دو مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے ایک انشا پرداز اور دوسرے ایک ہمعصر شاعر کے دو بیان اور دو تعارف یہاں پیش کئے جاتے ہیں، ان میں سے ایک (انشا پرداز) عورت ہے اور دوسرا شاعر) مرد ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کے قلم سے تعارف و شناسائی کرانے کا انداز راقم الحروف کے قلم کے مقابلہ میں بہتر طور پر چہرۂ جناب زینب اور اربعین کے حادثہ آفریں بہادروں اور جانبازوں کے چہروں کو زیادہ واضح کر سکے۔

ادیبۂ دانشمند مصری خاتون ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی جو دانشکدۂ ادبیات (قاہرہ) سے فارغ التحصیل ہیں، ان کی ایک کتاب بنام "زینب بطلۃ کربلا" (زینب کربلا کی شیر دل خاتون) جس کا ترجمہ ایران میں بزبان فارسی "زینب قہرمان کربلا" و "زینب شیرزن کربلا"

کے ناموں سے مختلف صورتوں میں ہو چکا ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ "زینب کربلا کی شیر دل خاتون" کے نام سے دفتر اصلاح کھجوا ضلع سارن بہار ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے) اس کتاب میں مصنف جناب زینب کے بارے میں رقمطراز ہیں :۔

"زینب بنت علی بن ابیطالب واقعہ فاجعہ کربلا کے مجاہدوں میں سے ایک ہیں اور وہ واحد خاتون ہیں جنہوں نے تمام مصائب و آلام، زحمت و تکالیف کو اپنے لئے خریدا اور برداشت کیا مگر ابروؤں پر ذرا بھی خم نہیں آنے دیا، آپ نے واقعہ کربلا کے بعد بزرگترین ذمہ داری اپنے سر لی اور بڑی خوبی کے ساتھ اس سے عہدہ برا بھی ہوئیں وہ ذمہ داری اور وہ نقشۂ عمل جس پر مکمل طور سے عمل درآمد کا نتیجہ اُمویوں اور آل ابوسفیان کا بالکلیہ خاتمہ تھا۔"

پھر وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ عنوان "انعکاس دائمی صدائے زینب" کے تحت لکھتے ہیں :۔

"شہادت حسینؑ کے بعد جناب زینب نے اپنے ہیجان آفریں و موثر خطبہ میں مردانِ کوفہ کے افعال و کردار کو روشن کر دیا اور انھیں سمجھا دیا کہ وہ لوگ کتنے بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، آپ نے اپنے خطبہ کے ذریعہ ان کے دل و دماغ میں ندامت و شرمساری کے جذبہ و احساس کو اس حد تک بیدار و زندہ کر دیا کہ وہ لوگ واقعاً اپنے افعال پر پشیمان ہوئے اور نتیجۃً (قاتلان حسینؑ سے) انتقام لینے کا موقف اختیار کر لیا، کیونکہ زینب کے خطبہ اور بیانات کی صدائے بازگشت اور صدائے زینب کی گونج ان کے کانوں سے ہمیشہ ٹکراتی رہتی تھی اور ان کے ضمیر و وجدان کو سکون نہیں لینے دیتی تھی، بانوئے اسلام کی آواز اسی طرح فضائے کوفہ میں متصل گونجتی رہی یہاں تک کہ اس کے

نتیجہ میں بہت سے حادثے رونما ہوئے۔

زینب عقیلہ بنی ہاشم نے اپنی رسالت و ذمہ داری کو اس طرح صحیح طور پر پورا کیا کہ قیامت تک حادثۂ کربلا کو جاوداں کر دیا، زینب نے اپنے خطبہ میں کوفہ والوں کو آگاہ کیا کہ "تم گریہ کرو، تمہارے آنسو کبھی خشک نہ ہوں اور کم ہنسو کیونکہ اس کام کے ننگ و عار کو تم نے ہمیشہ کے لئے خرید لیا ہے اور اب تم اسے اپنے دامن سے کبھی نہیں دھو سکتے"۔ زینب نے اپنا خطبہ جاری رکھا اور یہ آوازیں لوگوں کے کانوں میں گونجتی رہیں اور ہمیشہ لوگوں کے دلوں کو بے قرار کرتی رہیں، وہ لوگ اپنے کو خود ہی سرزنش کرتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو ظالم یزیدی حکومت کے عمال کی اطاعت نہ کرنے کی تبلیغ کرتے تھے، یہاں تک کہ توابین کا گروہ وجود میں آیا جن کا شعار و نعرہ "یا لثارات الحسین" (اے خون حسینؑ کا انتقام لینے والو) تھا پھر توان کی معرکہ آرائی و نبرد آزمائی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ حکومت بنی امیہ جڑ سے اکھڑ کر ختم نہیں ہو گئی۔

پھر یہ دانشمند مصری خاتون کتاب کے آخر میں صفحہ ۱۴۲ پر اپنے صفحہ میں عنوان "الفکا دائمی صدائے زینب" کے تحت لکھتی ہیں:۔

"اگر شہادت حسینؑ عمومی اجتماعی اور ملی غم والم کا سبب بن گیا تو اس کا واحد سبب اور تنہا باعث یہی زینب کبریٰؑ ہیں جنھوں نے تاریخ انسانیت و اسلام میں اس قدر کوششیں کیں اور اتنا مجاہدہ و مبارزہ کیا کہ حقیقتاً آپ کو مجاہدۂ عظیم کربلا جاننا چاہئے، کیونکہ آپ ہی کی ذات تھی کہ اس تاریخی حادثہ کے ذریعہ تاریخ کے رخ کو موڑ دیا اور حکومت بنی امیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔" (صفحہ ۱۴۲)

علوم اسلامی کے ایک طالبعلم کے اشعار

حوزۂ علمیہ قم میں بہت سے ذمہ دار انشاء پرداز، مصنف و مؤلف، شاعر موجود ہیں، اور یہ انھیں ذمہ داریوں دلچسپیوں اور احساسات کی برکت تھی کہ انقلاب اسلامی ایران کا آفتاب اسی مرکز علمی و رزمی سے طلوع ہوا اور انقلاب کے سلسلہ میں اولین قربانیوں نے اسی شہر مقدس سے نہال اسلام کی پیش کش کی۔

علوم اسلامی کے عزیز متعلین و طلبہ کو معنوی مدارج کی عظمت و بلندی اور فضیلت خواہی کی آرزو و مقصد کا تقدس اپنے ہالۂ دائرہ میں لئے ہوئے ہے کہ یہ ناچیز راقم الحروف باوجود اس کے کہ میرزائے شیرازیؒ سے لیکر امام خمینی دام ظلہ تک روحانیت کے سو سالہ مبارزات و معرکہ آرائیوں کے موضوع پر مفصل کئی جلدیں لکھ چکا ہے جو کافی حد تک جامعہ اسلامی سے پسندیدگی کی سند حاصل کر چکی ہیں، لیکن یہ راقم الحروف اس امر پر قادر نہیں ہو سکا ہے اور نہ اپنے کو اس امر کے قابل سمجھتا ہے کہ علوم اسلام کے کسی ایک طالبعلم و محصل کی شخصیت و ہویت کے تعارف کے سلسلہ میں اس کے اسلامی اغراض و مقاصد کی گہرائیوں پر توجہ کرتے ہوئے اور اس کی بے غرض و پر خلوص جد و جہد و جانبازی پر توجہ کرتے ہوئے اور ان کے زحمات و تکالیف، ان کے اخلاص و فداکاریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قلم اٹھا سکے اور اس موجود پاک طینت و پاکباز شخصیت کا مسلمانوں سے تعارف کرا سکے۔ مندرجہ ذیل اشعار علوم اسلامی کے ایک متعلم و دانشجو "آقائے جواد محدثی" نامی کے ان کے زمانۂ طالبعلمی میں کہے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے زمانۂ طالبعلمی میں دنیائے اسلام کی عظیم خاتون کے خاکِ پاک کی پیش کش کی ہے، ہو سکتا ہے ان اشعار کا مفہوم و ماحصل شاعر کے پر خلوص جذبات اور جناب زینب کبریٰؑ کی عظمت و معنوی مقصد کے کسی

کسی گوشہ کو قارئین کے سامنے مجسم کر دے اور اُس دن کی امید دل میں لئے ہوئے جس دن علوم اسلامی کے طلبہ کے واقعی حقوق اور مسلم خواتین کے واقعی حقوق ایران کے اسلامی معاشرہ میں واقعی و حقیقی شکل میں معین و مشخص و متعارف ہو جائیں، وہ طالبعلم علوم اسلامی جو اس وقت انقلاب اسلامی کے فاضل مجاہدین میں سے ہیں "اسیر آزادی بخش" کے عنوان کے تحت یوں کہتے ہیں :-

اے دخترِ علیؑ

اے خواہر حسینؑ !

اے زینب بزرگ !

اے شہدا ر کربلا کے انقلاب کی قاصد !

اپنے زمانہ میں۔

طولانی صدیوں کے دوران۔

آپ پر ہمارا بے شمار و بے حساب درود و سلام ہو۔

جس غروب کی سرخی میں آپ اسیر ظلم ہوئیں۔

بشر کی آزادی ظلم و جور کی وجہ سے پوشیدہ ہو گئی تھی۔

آپ کی فریاد کربلا کا ہمیشہ قائم رہنے والا شجاعانہ نعرہ ہے۔

نہضت و اقدام حسینؑ کے سلسلہ میں آپ کا جوش و خروش

اس "دائمی بقا" کا ایک رمز ہے۔

وہ بقا جو "فنا" میں مخفی ہے۔

وہ رنج و غم جو آپ نے اپنی مقدس ذات پر برداشت کیے۔

وہ ایک شعلہ بن گیا جس نے طویل زمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
وہ مقدس غصہ جو آپ کے مقدس دل میں پیدا ہوا۔
اس نے قصرِ ظلم وستم میں آگ بھڑکا دی۔

٭٭٭

صحرائے کربلا

آفتابِ سوزاں کی سوزش و تپش ہے۔
اور اس تپش سے جوان معظمہ کے جسم میں پیدا ہو گئی تپ رہی تھیں۔
اس جلتے ہوئے میدان کے نشیب و فراز میں۔
اس آگ کے نیچے جو آفتاب سے برس رہی تھی۔
چھوٹے چھوٹے بچوں اور بے پدر یتیموں کے ساتھ۔
حق پرست اسیروں کے قافلہ کی ہمدرد و مونس۔
(ایک زینب تھیں) جن کا قافلہ کوفہ پہنچ رہا تھا۔
لیکن کونسا کوفہ؟
جو خوشی و مستی، ہلہلہ و رقص اور مضحکوں میں غرق لوگوں کے موجیں مارتے ہوئے
سمندر میں جو گویا بزمِ عروسی میں جمع ہیں۔
زینب نے کجاوہ سے سربلند کیا اور کہا
اے کوفیو!
اے کوفیو! تم کیوں شاداں و فرحاں ہو؟
ہم تمہارے پیغمبر کے خانوادہ سے ہیں ہم خارجی نہیں ہیں اے کوفیو!

تم حسینؑ کی شہادت پر عید مناتے ہو؟

اے کوفیو! مکر و فریب ہی تمہارا شیوہ ہے۔

نفاق و بے وفائی ہمیشہ تمہارا شعار رہا ہے۔

تم پرائے ہو۔

تم نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے شرف کے درخت کو کاٹ ڈالا ہے۔

تم نے حسینؑ کو خطوط بھیجے تھے، (اور جب وہ تمہاری دعوت پر آگئے تو)

اس وقت تم نے ان پر ظلم و جور کی تلواریں علم کر دیں۔

اتنی باتیں کہیں کہ سب کے سب رونے لگے۔

اور حسرت و ندامت سے نالہ و فریاد شروع کر دی۔

زینب نے سلسلہ بیان جاری رکھا۔

تمہاری آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ اشکبار رہیں۔

حسرت و افسوس و خجالت اور جانگداز غم کے آنسو (ہمیشہ بہتے رہیں)

خدا تمہیں موت دے۔

٭٭ ٭٭ ٭٭

کوفہ میں ایک انقلاب رونما ہو گیا اور ایک شورش پیدا ہو گئی۔

اس وقت یہ قافلہ "شام" کی طرف روانہ کیا گیا۔

تاکہ قصر ظلم کو ظالم کے سر پر ڈھادے۔

آپ کے دلوں کو جلا دینے والے روشن بیان کی تیز بارش نے۔

غفلت میں پڑے ہوئے عوام کو بیدار کر دیا۔

آپ کے پُرشور خطبہ نے

مکروفریب کی کمین گاہ کو منہدم کر دیا۔

⁂ ⁂ ⁂

دربار شام میں

جس وقت یزید بادۂ کبر و نخوت کے نشہ میں چور تھا۔

اور گھمنڈ و تکبر کی شراب گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا تھا۔

وہ اس بزم کا مطلق العنان حکمراں تھا۔

سکوت کا سُرخ اُلو اس قصر میں محوِ پرواز تھا۔

اور یزید کے سامنے کسی کو زبان کھولنے کی طاقت نہیں تھی

ناگاہ واچانک۔

ان کی غرور آفریں بزم کا سکوت۔

دختر علیؑ کے کلام سے درہم برہم ہو گئی۔

وہ بت شکن کی بیٹی

اپنی جگہ سے اٹھیں تاکہ اس بت پلید کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

پہاڑ کو ہلادینے والی آواز میں گویا ہوئیں۔

یزید! ذرا ٹھہر جا، آہستہ روی اختیار کر۔

تھوڑی دیر ٹھہر جا،

خانوادۂ جلیلۂ پیغمبر ہمیشہ سربلند رہا۔

ذلیل و رسوا تو ہے، ہم نہیں۔

یہ ظاہری قدرت و تمکنت جو تو نے اپنے باپ سے ورثہ میں حاصل کی ہے۔

یہ ہماری قوم و ملت (مسلمہ) کیلئے عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔

بے چارہ ہے وہ قوم و ملت جس کا پیشوا تو ہو۔

تو سر سے پاؤں تک ذلتوں، رسوائیوں میں غرق ہے۔

لیکن غرور نے تیری آنکھوں کو بصارت سے محروم کر دیا ہے۔

میں تیرے کس ننگ و عیب کو بیان کروں ؟۔

تیرے مشرک آباء واجداد کے ننگ و عار کا ذکر کروں ؟

جو خود بھی اپنے ننگ و عار کے بڑے بڑے دھبے صفحہ تاریخ پر چھوڑ گئے ہیں۔

تیری دادی "ہند جگر خوارہ" کا نام بدلوں ؟۔

تیرے مکر و فریب کے قصر اور تیرے عیاشخانہ کا ذکر کروں ؟

یہ قتل عام ؟ اور تو نے اپنی جہالت سے اس کو "عید فتح" قرار دیا ہے ؟۔

ہم نے حقیقت کی راہ مستقیم اختیار کی ہے۔

تو پھر موجوں کا کیا خوف ؟۔

حق کی کشتی ہمیشہ ہمارے زیر پا رہی ہے اور رہے گی۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم نے "شہد شہادت" کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔

یہ ہمارے لئے آب حیات ہے۔

ہم نے حیات بخش موت ورثہ میں پائی ہے۔

عزت تو بس خدا، پیغمبر خدا اور ہمارے لئے ہے۔

ہمیشہ ہمیشہ کا ننگ و عار تیرے لئے اور تیرے خاندان کیلئے ہے۔

اربعین......

۱۵ رجب خاتون مبارزہ و مجاہدۂ اسلامی جناب زینب کبریٰ بنت امیر المومنین حضرت علیؑ و خواہر و شریک رزم سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کی رحلت کی برسی کا دن ہے، وہ خاتون مجللہ جو حق یہ ہے کہ اسلام و قرآن کے انسان ساز مکتب میں تربیت پانے والوں میں سے ایک اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کی زندگی تمام مسلم خواتین کیلئے عموماً اور خاندان علیؑ و خانوادہ مطہرہ نبوت و رسالتِ محمدیؐ سے مودت و عقیدت رکھنے والی خواتین کیلئے خصوصاً شجاعت و دلیری، تقویٰ و فضیلت کا مکمل درس ہے۔

زینب اسلام کی دوسری خاتون، عقیلہ بنی ہاشم نے علوی تربیتی مکتب اور فاطمیؑ آغوش پرورش تقوائے و فضیلت میں نشو و نما پائی اور اس فضیلت و شرف و کمال و عفت کے خرمن سے حصۂ وافر جمع کیا، اور اس جمع شدہ گرانقدر سرمایہ کو کربلا کے تقدیر ساز معرکہ میں راہِ اسلام و راہِ فضیلت و شرف میں دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش اور ہم رزم رہکر اسلام کے تناور درخت کی شادابی و بقا کیلئے پیش کر دیا اور حسینؑ کے ساتھ زینب نے بھی قیام کیا، اور سربلند و سرفراز زندگی کے میدان میں اپنا جاودانہ و ابدی نام بطور ابدی یادگار کے چھوڑ گئیں۔

آپ دشت نینوا کے شہیدوں کے ناحق بہائے گئے خون کی حقیقی پاسدار و نگہبان تھیں کہ آپ نے اپنی پوری ہستی اور پورے وجود اور تمام قویٰ کے ساتھ ان شہداء کے مقصد کی موافقت میں دفاع کا حق ادا کر دیا اور شہداء کے پُر عظمت و شہرت ناموں کو دنیا کی تاریخ میں جاودانہ طور پر متجلی کر دیا۔

عورت کی سعی و کوشش و مبارزہ مرد کے ہم محاذ و ہم رزم ہونے کے عنوان سے پوری بشری عدہ طولانی تاریخ میں ثبت ہے اور بہت سی عورتوں نے شرف و عزت و عفت کی رزمگاہ میں مردوں کے شانہ بشانہ رہکر اپنا خون بھی مردوں کے خون کی ندی میں شامل کیا ہے اسی طرح مختلف اجتماعی و معاشرتی میدانوں میں بھی اپنی لیاقت و صلاحیت و استعداد و قابلیت کا لوہا منوالیا ہے لیکن ان تمام جنگوں اور میدانوں میں جناب زینبؑ کی شان و عظمت اور آپ کے پیکار و مبارزہ کی خاص درخشانی اپنی خاص خصوصیات کے ساتھ کہیں بھی مشاہدہ میں نہیں آتی کیونکہ آپ شرف و فضیلت کے معرکہ میں باوجود شدید حساس جذبات کے ہرگز ہرگز کسی موقع پر بھی غم سے نڈھال ہو کر عاجزانہ سر جھکا کر نہیں بیٹھیں بلکہ اپنی پوری طاقت و سکت اور کامل آگاہی و ہوشیاری اور بلند انقلابی جذبہ کے ساتھ اسلامی مقصد کے حصول اور اسلامی عدالت گستری کے پر افتخار پرچم کو اپنے دوش پر لیا اور خون میں جوش و گرمی پیدا کرنے والے اور بیانات سے لوگوں کو بیدار کیا اور گلیوں، کوچوں، شہروں اور صحراؤں، سڑکوں اور دروازوں پر مکتب کے مقدس پیغام کو دہرایا۔ زینبؑ نے دربار شہر میں طاغوت عصر کے روبرو فصاحت و بلاغت کے ساتھ سخنرانی کی اور فرمایا:۔

"یزید! اس وجہ سے کہ تو نے ہمیں سختی و مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے اور اسیروں کی شکل میں شہر بشہر، دیار بدیار پھرایا گمان کرتا ہے کہ تیری اس قسم کی حرکتیں ہماری بے قدری و بے وقعتی کا سبب یا تیری عزت و قدرت کی دلیل بنیں گی، تاریخ اس کا فیصلہ کرے گی، اور یہ بے حیثیت اور کمینے لوگ ہیں جو تیرے گرد جمع ہوئے ہیں، تو ہرگز یہ گمان نہ کر کہ سارے کام تیری مرضی و مراد کے مطابق ہی ہوں گے۔"

زینبؑ کے کلمات حقیقت سے جا ملے تاریخ نے فیصلہ کردیا اور اب زینبؑ تاریخ کی ایک نمونہ خاتون، رزم وفضیلت کی خاتون جانی جاتی ہیں لیکن آل ابوسفیان اور طاغوتیان زمانہ کیلئے تاریخ میں سوائے ننگ وعار، ذلت ورسوائی کے کچھ بھی نہیں ملتا۔

ملک کے اس وقت کے حساس وحالات وماحول میں، آبادکاری وترقی کے مسائل میں ملت ایران کی تقدیر ساز جنگ کے دوران جو اس پر خواہ مخواہ لادی گئی ہے، مشرق ومغرب طاقتور جہانخواروں کے خلاف مبارزہ میں جناب زینب کی شیفتہ ودلدادہ اور خاندان رسالت سے محبت رکھنے والی خواتین بڑی بھاری ذمہ داری اور جناب زینب کی طرح حسینی پیغام پہنچانے کا بوجھ اپنے سروں پر لئے ہوئے ہیں، یہ خواتین ملت ایران کی رہائی بخش نبرد آزمائی کے آغاز ہی سے مبارزہ کے تمام میدانوں میں برابر شریک اور عیناً حاضر ہیں، اب بھی باوجود اقتصادی ناکہ بندی کے خواتین نے جناب زینب کی تاسی کرتے ہوئے مبارزہ کا سلسلہ جاری رکھا ہے، اور تحمل وبردباری، قناعت وکفایت شعاری واستقامت ومضبوطی کے ساتھ جہانخواروں کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا گلا پیدا ہونے سے پہلے ہی گھونٹ دیتی ہیں، اور ہمیشہ بانوئے رزم وعزم وجہاد جناب زینب کے پیغام پر ہمہ تن گوش رہتی ہیں انشاء اللہ ستمگروں اور طاغوتیوں کا دور بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور ملک ایران کی شاندار تاریخ ان مبارزوں، ایثاروں، قربانیوں اور کوششوں کو اپنے اندر نقش برنگ کردے گی۔

اسلام کی مجاہدہ ومبارزہ خاتون کی رحلت کے سالگرہ کے موقع پر ہم تمام مسلمانوں اور خصوصاً دوستداران وعاشقان راہ زینبؑ کو تعزیت وتسلی دیتے ہیں اور یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہماری خواتین جناب زینب کی طرح زندگی بسر کریں گی۔

امام سجاد علیہ السلام

آزاد و معصوم انسان

۵ شعبان شیعوں کے چوتھے امام اور سالکان راہ حقیقت کی زیب و زینت حضرت امام علیؑ بن الحسینؑ زین العابدین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی سالگرہ ہے جو ۳۸ سنہ ھجری میں شہر مدینہ شہر نور و اسلام کے اندر ظہور پذیر ہوئی۔

آپ نے خاندان پاک و طاہر رسالت میں دائرہ حیات کے اندر قدم مبارک رکھا اور خلوص و روحانیت، علم و دانش، بصیرت و فضیلت اور معرفت کی ایک دنیا عالم بشریت کیلئے بطور تحفہ و سوغات لائے، اور عبادت و ریاضت کا شوق ذوق رکھنے والوں اور رہروان راہ معرفت و خداشناسی کو توحید و یکتا پرستی اور منطق و عرفان کے آب زلال سے سیراب فرمایا

امام کا عہد زندگی

امام سجادؑ کی زندگی کا زمانہ بھی (دوسرے طیب و طاہر معصوم اماموں کی طرح) ایک پر اضطراب و خفقان دور میں گذرا، آپ کی زندگی ایک ایسے دور میں گذر رہی تھی جبکہ زر و سیم، مکر و فریب اور تلوار کی حکومت تھی، جو اضطراب و خفقان و بے قراری، خود خواہی و نفسیات اور بارزو با صلاحیت شخصیتوں کے صلب و قتل کے عروج کا دور تھا، اس حد تک کہ آپ نے اپنے ۵۷ سالہ دور حیات میں یزید بن معاویہ، عبداللہ بن زبیر، مروان بن حکم، عبدالملک

بن مروان اور ولید بن عبدالملک جیسے اُموی خلفا جور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ خلفا جنھوں نے ظلم و ستمگری میں چنگیز و ہلاکو، انیلا، نرون اور اخیراً کارٹر کو بھی مات دیدی تھی؛

آپ کے سر پر ناہموار و غیر معتدل سیاستوں کی کشاکش اور استبداد و مطلق العنانی کے دور میں اُمت اسلامیہ کی رہبری کا بے حد حساس و دشوار فریضہ اور بہت ہی سنگین اور طاقت کو گھٹا دینے والی ذمہ داری کا بار گراں تھا، اور اسی بنا پر آپ ہمیشہ بنی امیہ کے جاسوسوں اور خفیہ اور ظاہری نوکروں کے محاصرہ میں محصور رہے اور خوف و ہراس، رنج و مشکلات اور وحشت و اضطراب کی سایہ گستری سے ایک لحظہ بھی آسودہ نہیں رہے اور جب ہم اس امر کی طرف توجہ کریں کہ آپ شہیدان راہ فضیلت و آزادی کے جانکاہ رنج و غم، مصائب و آلام کے وارث تھے اس لحاظ سے یہ بھی ضروری تھا کہ آپ واقعہ کربلا کے پسماندگان اور اسیروں کی گرانقدر میراث کی پاسداری و حفاظت کریں اور شہدا نینوا کے گرانبہا خون کو ضائع ہونے سے روکیں، امامؑ کی اس کمر شکن ذمہ داری کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ جناب سید سجادؑ کی ذمہ داریاں اور مسئولیت دوسرے تمام ائمہ معصومینؑ سے زیادہ اور ہر زمانہ سے زیادہ نازک تر، بیشتر حساس تر اور سنگین تر تھیں۔

اس عظیم مسئولیت و ذمہ داری کے متعلق امامؑ کی شخصیت کی تحقیق و مطالعہ کے سلسلہ میں اس وقت کے ماحول علامات و نشانات اور دوسرے گوناگوں مظاہر پر غائر نگاہ ڈالنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہر فرد متلاشی کی نظر کو ہر چیز سے زیادہ دو بنیادی نکتے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں جو واقعاً لائق التفات و اعتنا ہیں۔

۱۔ مشکلات و صدمات کے تحمل کی راہ میں آپ کی استقامت و پائداری۔

۲۔ انقلابی تعلیم و تربیت کے نقش عمل کی ایجاد اور اس کیلئے لوگوں کو آمادہ کرنا۔

پہلے نکتے کے بارے میں امام سجادؑ کی زندگی کی طرف بطور خلاصہ ومختصر لباس اسیری میں حضرت کے جہاد ومبارزہ اور سفر کوفہ وشام وعراق ومدینہ کے ذریعہ اس حالت میں علیل وبیمار، ضعیف وناتوان تھے توجہ کرنی چاہیئے کہ آپ نے گلی کوچوں میں، دروازوں پر، قصر شاہی و پائے تخت شاہی میں مسجد جامع اموی میں اور خود یزید کے دربار میں غرض ہر مقام پر نہایت متانت اور ایک خاص وزن کے ساتھ صبر وتحمل وحلم وبردباری کا مکمل ثبوت دیا بغیر اس کے کہیں اور کسی مقام پر معمولی سی جزع وفزع، اور بے تابی وبے قراری کا اظہار ہوا ہو مقامی ومکانی موقعیت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے تقریر فرمائی اور اپنے لرزہ براندام کر دینے والے خطبوں اور دلوں کو ہلا دینے والی آگاہی بخش تقریروں کے ذریعہ استوار روح اور مصمم ارادہ کے ساتھ اثبات حقانیت فرمایا اور اس بات کو واضح کر دیا کہ یہ لوگ جو کلام الٰہی قرآن مجید کی پیروی کا دم بھرتے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ لوگ رہزن اور اسلام سے منحرف لوگ ہیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، اور اپنے بداعمالیوں اور شرمناک حرکتوں سے اسلام کی جڑ پر کلہاڑی چلا رہے ہیں، اگرچہ الٰہی وعدہ حق ہے کہ وہ ذکر خدا اور اپنے آئین وقوانین کا خود محافظ ونگہبان ہے۔" ہاں! امامؑ استقامت وپائیداری کے ساتھ اور اپنی متانت وخودداری کی حفاظت کے ساتھ لباس اسیری میں اپنے پدر بزرگوار کے اسی مقدس جہاد اور خونین جنگ کی تعقیب وپیروی وتاسی کر رہے تھے اور اسی پروگرام کا اجرا کر رہے تھے جس کا آغاز آپ کے پدر بزرگوار اور بھائیوں نے خون وشمشیر کے لباس میں اس مقدس جہاد وپیکار کے مقصد کی حفاظت وتکمیل کیلئے کیا تھا اور شہادت کی سعادت حاصل کی تھی۔

۲۔ انقلاب کے نقشہ عمل کے لئے آمادہ سازی۔

کوئی بھی انقلاب بغیر کسی ترتیبی لائحہ عمل اور بغیر کسی بنیاد اور استقرار وپائداری کی

قرارگاہ کے متزلزل ونا پائدار رہتا ہے، وہ انقلاب جو اسلام کے نام سے اور اسلامی مسائل و ضروریات اور تقاضوں کی سطح پر صورت پذیر ہوتا ہے اس کی شکل گیری کے مبادیات کو اتکال علی اللہ، روحانیت، خدا شناسی اور مبادی و معارف و اصول دین کی شناخت کی فضیلت کی بنیادوں کی توسیع و نشر و اشاعت کی ضرورت تشکیل دیتی ہے، امام سید سجادؑ کی زندگی کے ایک حصہ میں توجیہات و توضیحات، ارشادات و ہدایات کا یہ حصہ وافر مقدار میں نظر آتا ہے۔

امامؑ نے اپنی دعاؤں اور مناجاتوں کے ضمن میں بلند ترین معارف بشری پُرثمر ترین انسانی فضائل عالیہ کو جو کہ اسلامی اصیل انقلابات کا واحد نکتۂ اعتماد ہے اسلامی و اجتماعی عمیق ترین تعلیمات کے ایک حصہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے اور ان معارف کے مشتاق و خواہشمند افراد کے حوالہ فرمادیا ہے، "صحیفہ کاملہ" حضرت امام زین العابدینؑ اہم ۵ پر تاثیر عظیم و جاودان آثار کے ساتھ کہ جن دعاؤں کا جتری و گھنیرا سایہ بچپن سے ادھیڑ عمر تک اور بیماری سے ستمگران جبار کے شر کے دفع ہونے تک بشری زندگی کے تمام پہلوؤں پر فردی و اجتماعی تمام مراحل میں حاوی و سایہ فگن ہے، امام کی دعا "مکارم الاخلاق" ایک بے حد نفیس و بیش بہا خزانہ ہے جو اسلام کی اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی معارف و تعلیمات کی تشکیل دیتا ہے کہ روحانیت شناس اور روح بشری کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے اب بھی آسانی سے ان دعاؤں کی باریکیوں تک نہیں پہنچ سکتے، جناب سید سجادؑ اس امر کی طرف پوری طرح متوجہ تھے کہ انقلاب بغیر روحانی پشت پناہی اور بغیر تعلیمی و اخلاقی زمینہ سازی کے ناپائدار ہوگا، اور بے علم و روحانیت لوگ تیز ہوا اور موجوں کا جزو ہوتے ہیں (وہ جن کا جوش و خروش صرف وقتی ہوتا ہے) اور اسلامی فضیلت و علم و دانش و بصیرت سے عاری افراد اپنے آپ کو اس بات کی اجازت دیدیتے ہیں کہ سچے امام و پیشوا کو جام شہادت نوش کرنے

پر مجبور کر دیں اور اس خاندان کو اسیر و قیدی بنالیں، چاہے وہ امام و پیشوا رسولؐ اسلام کے نواسے امام حسینؑ اور مقام رسالت سے نزدیک ترین فرد اور اسلام کے اساسی و بانی کردار ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی ضرورت و احتیاج کی طرف متوجہ ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ امام علیہ السلام کے گرانبہا اوقات و ساعات تعلیم میں مصروف اور آموزش و پرورش اور علمی و فکری سطح استوار کرنے میں صرف ہوتے تھے، اگرچہ دعاؤں کے متن و الفاظ و عبارت سے مناجات و راز و نیاز کی شکل نمایاں ہوتی ہے لیکن ہم دعاؤں کی معنویت پر غور و تحقیق کے ضمن میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ دعائیں عام دعاؤں کے معیاروں کے مطابق فقط اور خالص دعائیں نہیں کہی جا سکتیں بلکہ ان دعاؤں کے ضمن میں علمی مسائل تربیتی اور قانونی حساس ترین مسائل کے ایک سلسلہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔

حیرت انگیز انکشافات:
نیوٹن سے پہلے

امام علیہ السلام نیوٹن کے قوت جاذبہ کے کشف سے دسیوں صدی قبل روشنی اور ہوا کے وزن کے متعلق بیان فرماتے ہیں اور حضرت اس طرف متوجہ ہیں اس مقام پر جہاں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:-

"سبحانک تعلم وزن السمٰوات سبحانک تعلم وزن الارضین، سبحانک تعلم وزن الشمس والقمر، سبحانک تعلم وزن الظلمة والنور، سبحانک تعلم وزن الفیئ والھواء"

(میرے پروردگار پاک و بے نیاز! تو آسمان و زمین کے وزن کو، آفتاب و ماہتاب

کے وزن کو، ظلمت و نور کے وزن کو، سایہ اور ہوا کے وزن کو جانتا ہے تو ہر شرک سے پاک و منزہ ہے۔

پاسٹور (پیسٹر) سے پہلے

امام سید سجادؑ نے "وبریں" "جراثیم کے کاشف پیسٹر سے قبل پانی کے ذریعہ بیماری کے منتقل ہونے کے اسباب کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ صحیفہ کاملہ کی ۲۷ ویں دعا کے ضمن میں ملک کے سرحدی حکام اور وطن کے دشمنوں کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں.....

"اللھم وامزج میاھھم بالوباء واطعمتھم بالادواء"

(خدایا! تو اپنی قدرت سے دشمنان اسلام کے پینے کے پانی کو مرض وبا سے ممزوج و مخلوط کر دے اور ان کی خوراک کو مختلف بیماریوں، آفتوں سے ممزوج کر دے۔"

حقوق بشر

جس کام کو ادارہ اقوام متحدہ نے دوسری جنگ عظیم کے دوران پچاس ملیون نفوس کے تلف ہونے کے بعد دنیا کے ۵۶ مختلف ملکوں کی شارکت سے ۸۶ جلسوں میں پورے سات سو دنوں میں دسیوں ہزار گھنٹے مسلسل کام میں مشغول رہکر ۳۰ دفعات کے تحت "حقوق بشر" کے نام سے دستور و قانون منضبط کیا ، پھر بھی اس قانون کے نافذ و اجراء کرنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے ، جناب امام سید سجادؑ نے انھیں حقوق کے دقیق و باریک ترین گوشوں کو محض ایک نشست میں حقوق انسان کے متعلق ۵۰ دفعات کے ضمن میں بیان فرمادئے ہیں جس کے نفوذ و اجراء اور عملی پشتیبانی کا واحد ضامن ایمان و تقوٰے اور

مبادی روحانیت کی شناخت کو قرار دیا ہے اور اس کی ایجاد کی راہ میں برابر سعی و کوشش فرماتے رہے۔

بے نظیر جرأت

امامؑ کی قوائے روحیہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امامؑ کی بے نظیر جرأت اور فوق العادۃ دلیری و بے خوفی قابل ذکر صفت ہے، بہت سے بہادر جنگجو اشخاص یا بہت سے شجاع اور انقلابی لوگوں کو دیکھا یا سنا گیا ہے کہ کسی خالی خولی وعدہ یا وعید اور تہدید و دھمکی یا کسی چیز کی لالچ یا ایک دماغی دھلائی یا تشویش و اضطراب انگیز حالات پیش آجانے اور خیالات و نظریات بدلوانے کیلئے شکنجہ دیے جانے کی وجہ سے انکی صاف گوئی بلکہ بولنے کی طاقت بھی سلب ہو جاتی ہے لیکن مکتب وحی کے تربیت یافتہ اور اُمّت اسلامیہ کے امامِ برحق سخت ترین حالات میں اور اس حالت میں کہ خونخوار جلاد و بد سرشتوں کا سامنا ہے اور ہر طرح کی آزار و تکلیف پہنچائی اور تہمت لگائی جارہی ہے پھر بھی حقائق کے اظہار اور واقعیات کے دُہرانے سے باز نہیں رہے اور ہر جگہ اور تمام دشوار و خوفناک حالات و ماحول میں دلیرانہ شان سے قیام کیا اور بہادرانہ انداز میں حق و فضیلت کی طرف سے دفاع کرتے رہے، اور اس معاملہ میں سرحد موت تک پیشقدمی جاری رہی، اور موت و وحشت کے معرکوں سے امام سربلند و سرفراز ہو کر واپس آئے ہیں، دشمن کو ذلیل و خوار اور اہل بیتؑ کو شاد و مسرور فرمایا ہے۔ یہاں امام علیہ السلام کی ایک مختصر و پرشور خطابت کو سننا اور سنانا چاہتے ہیں جو حضرتؑ نے ابن زیاد کی حکومت کی راجدھانی بازار کوفہ میں فرمائی تھی،

"لوگو! جو شخص مجھے نہیں پہچانتا اس کے سامنے میں اپنے کو پہچنواتا ہوں میں حسینؑ

بن علیؑ بن ابیطالب کا فرزند ہوں، میں اس شہید کا فرزند ہوں جن کی حرمت کو برباد کیا گیا، اور ان کے اہلبیتؑ کو اسیر کیا گیا، اور ان کے مال واسباب واثاث البیت کو لوٹا گیا، میں (ان وجوہ کی بنا پر) اپنے کو ضعیف و ناتوان و مجبور نہیں سمجھتا، بلکہ میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ ظالموں نے میرے پدر بزرگوار کو بے خطا و گناہ اور ناحق قتل کیا۔

لوگو! تمہیں خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے پدر بزرگوار کے پاس کیا کیا لکھا تھا؟ کیا یہ بھی جانتے ہو کہ پہلے تم نے حضرتؑ کے ساتھ بیعت کا پیمان باندھا اور اس کے بعد حضرت کو دھوکہ و فریب سے شہید کر دیا؟ تمہیں موت آجائے، تم نیست و نابود ہو جاؤ کہ اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کیلئے تم کیسی ذلیل حرکتوں اور کتنے قبیح افعال کے مرتکب ہوئے، محشر کے دن بارگاہ عدل الٰہی میں کیا کہو گے؟ اس دن جب پیغمبرؐ تم سے فرمائیں گے کہ "تم نے میرے فرزندوں کو قتل کیا اور میری حرمت برباد کی، تم میری اُمت سے نہیں ہو"۔ بتاؤ کس عقل اور کس منہ سے تم آنحضرتؐ کا سامنا کرو گے؟۔

یہ مختصر جگر خراش کلمات اس اضطراب و رعب و طاقت کے ماحول میں ادا کرنا صرف امام سید سجادؑ ہی کا کام تھا اور یہ جرأت و ہمت صرف آپ کو زیب دیتی ہے، اور صرف آپ کی ذات تھی جو اپنی اس روحانی قوت اور شخصیتی عظمت و بلندی کے ساتھ ایسی چنگاریاں سننے والوں کی جان و روح میں ڈال سکتے تھے جس کے اثر سے سب کے سب رونا اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کر دیں، اور پھر اسی نقطہ سے امامؑ کے مقدس مقصد کے مفاد میں ضد حکومتی مہم کی تخم ریزی ہو، لوگ دل میں آمادگی کا عزم محکم کریں اور یزید اور اس کے ہوا خواہوں اور مددگاروں پر لعنت کرنے لگیں؛

شام میں حضرتؑ کا پرشور خطبہ

شام حکومت اموی کے پایہ تخت میں، اس جگہ جہاں کی فضا دشمن کی زہرآگیں تبلیغات سے بھری ہوئی تھی۔ امامؑ نے مذکورہ بالا دلوں کو ہلا دینے والے خطبہ کے مثل ایک تقدیر ساز خطبہ ارشاد فرمایا اور پروردگار عالم کی حمد و ثنا نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ کی، اہل بیتؑ کے فضائل اور خانوادہ مطہرہ رسالت کے خصوصیات بیان فرمائے پیغمبر اسلامؐ، علی ابن ابیطالب، جعفر طیار اور مجاہد شجاع سید الشہدا جناب حمزہ کی جانبازیوں کا ذکر فرمایا، جناب حسنینؑ کے علم و فضل کی منزلت بیان فرمائی اور پھر حضرت امام مہدیؑ کے ظہور کا مژدہ سنایا، تمام ائمہ طاہرین معصومینؑ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے۔

اس کے بعد حضرت سید الشہداؑ و شہدا کربلا کی مظلومیت کو بیان کرنا شروع کیا اور فریاد بلند کی، ابھی آپ کا یہ لرزہ براندام کر دینے والا خطبہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ گریہ و نالہ و فریاد کا ایک شور برپا ہوا اور لوگوں کا ہیجان شدید ہو گیا یزید نے لوگوں کے احساسات کو ناکارہ کرنے کیلئے حکم دیا کہ اذان کہیں تاکہ لوگوں کی توجہ حقیقت و واقعیت کی طرف سے موڑ سکے، اور ستمگروں اور ظالموں کا تو ہمیشہ سے یہی معمول و دستور رہا ہے۔

جہان اسلام کی محبوب شخصیت جناب امام زین العابدینؑ جنہیں حقیقتاً دنیا نے پہچانا ہی نہیں کی توصیف ایک مختصر سے مقالہ میں ممکن ہی نہیں ہے اسلئے ہم اسے دوسرے موقع کیلئے اٹھا رکھتے ہیں۔

اس معصوم و بزرگوار شخصیت کی ولادت باسعادت کی سالگرہ کی مناسبت سے ہم تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے انقلابی ہم وطنوں کو خصوصاً تبریک پیش کرتے ہیں اور تمام ملت کیلئے اس عظیم الشان پیشوا کے اصلاح کن ارشادات کی پیروی کے آرزومند ہیں۔

امام محمّد باقر علیہ السلام

مشکلات علوم کے شگافتہ کرنے والے

ولادت

بنا بر روایتے ۳ صفر شیعیان جہان اسلام کے پانچویں امام حضرت امام محمد باقر ؑ کی ولادت باسعادت کی مبارک سالگرہ کا دن ہے۔ اگرچہ آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ پہلی رجب ۵۷ھ زیادہ شہرت رکھتی ہے۔

اسی مناسبت سے امام بزرگوار کے ۵۷ سالہ دور حیات پر ایک مقالہ مرتب ہوا ہے جسے ہم نذر ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت ابو جعفر محمد بن علیؑ نے عرصۂ حیات میں مبارک قدم رکھے اور اپنی علمی و روحانی زندگی کا آغاز فرمایا، اس وقت دنیائے اسلام ایک علمی ماحول، فکری جدوجہد و ترقی کا اور ایک مکتبی و نظریاتی نہضت و برانگیختگی کا بہت زیادہ نیازمند تھا جو اسلام کی اساس کو دھمکیوں، آفتوں اور باطل و ناروا تبلیغات سے محفوظ رکھے۔

اس وقت اسلام اپنی روزافزوں اشاعت و پھیلاؤ کی وجہ سے اس وقت کے متمدن ملکوں کی فکری و سیاسی ملجا، و پناہ گاہ ہو گیا تھا اور ممالک جہاں کے عوام ناجائز ترجیحاتی سلوک اور طبقاتی اختلافات، مظالم و حق تلفیوں، قید و بند، غلامی کی زنجیروں کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر رہے تھے اور قابل اطمینان پناہ گاہ اور صحیح و سالم و مُصلح و روحی و فکری

مرکزی جستجو میں تھے جبکہ اسلام سے زیادہ صالح تر و مصلح تر زیادہ رواں اور زیادہ پرعطوفت کسی مکتب کا وجود نہیں تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف موضوعات پر طرح طرح کے سوالات، احتیاجات اور دریافت طلب امور و مسائل لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے تھے ظاہر ہے کہ اس قسم کے سوالات کی جواب گوئی، اشتباہات کے رفع کرنے مشکل مسائل اور فکری و ذہنی امور و سوالات کو حل کرنے کیلئے پیغمبر گرامی قدر اسلام کے علوم کے وارث حقیقی قرآن اور منطق اہل بیت علیہم السلام کے فکری مکتب کے تربیت یافتہ علوم و معارف کے شگافتہ کرنے والے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے زیادہ لائق و فائق کون ہوگا؟۔

امام محمد باقرؑ کی پُر ہیجان و انقلاب زندگی بنی امیہ کی حکومت و طاقت کے زوال سے مقارن اور اِس گروہِ ظالم و سرکش کے ضعف و ناتوانی کے دور سے متصل تھی، وہ ایسا دور تھا کہ جب بنی اُمیہ کے حکام و قصر نشین اس بوسیدہ حکومت کے بچانے کی کوشش میں مصروف تھے اور ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور رہی سہی طاقت کے ذریعہ عوام پر طرح طرح کا دباؤ اور طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رہے تھے اور اپنی حرکتِ مذبوحانہ سے یہ چاہتے تھے کہ اسلامی فکری انقلاب کی ترقی و تکامل کو روک دیں اور با استعداد و صلاحیت افق میں اس کے انوار کی تابش سے مانع ہوں۔

ان تمام فشاروں اور پابندیوں کے باوجود وہ اس امر پر قادر نہیں ہوسکے کہ علوم دوستوں اور علوم خواہوں کے خلاف جو وسیع و عریض اسلامی ممالک کے ہر چہار جانب سے اس علم و دانش کے مشعل دار کی آستان بوسی کا عزم کرتے تھے رکاوٹ کھڑی کریں اور نورِ الٰہی کی عظیم الشان درخشانی کے سامنے کوئی پردہ قائم کرسکیں۔

کیونکہ ارادۂ الٰہی اسی اصل سے متعلق تھا کہ نورِ الٰہی اور اس کے توحیدی جلوے

زیادہ روشن اور زیادہ درخشاں ہوں اگرچہ ملحدین وکفار یہی چاہتے ہوں کہ اس نورِ تابندہ کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، لیکن یہ کام ان کی قدرت سے خارج اور قوت سے باہر ہے۔

مناظر کربلا کا ناظر و مشاہد

آپ کا عہدِ طفلی یعنی چار سال کا سن مبارک تھا کہ کربلا کا خونین المیہ ۶۱ھ میں دریائے فرات کے کنارے وقوع پذیر ہوا، آپ نے اس کے حوادث کو متفحص، بابصیرت اور تیز بین نگاہوں سے دیکھا، اور پھر حالت اسیری میں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ کے سفر کے دوران اپنی شیر دل پھوپھی اور کربلا کی بہادر خاتون کی شجاعت و دلیری اور اپنے پدر عالیقدر حضرت سید الساجدینؑ کے خطبے اور ارشادات و ہدایات کا مشاہدہ فرمایا تھا اور اسی وقت سے آپ نے شہادت و شجاعت وحُریّت کا درس اہل بیت عصمت و طہارت کے مصلح مکتب میں حاصل کیا اور اس پُر افتخار پرچم کو بھی علم و دانش کے پرچم کے ساتھ اپنے دوش مبارک پر بلند کیا، اور آپ کو اس کا موقع ملا کہ خاص روحانی شہامت و شجاعت کے ساتھ مکتبی، عقیدتی اور علمی انقلاب کے پرچم کو بھی عالم اسلام میں سربلند کریں اور برحق و بجا طور پر "باقر یعنی علوم اسلامی کے شگافتہ کرنے والے" کو حاصل کریں۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے دورِ امامت میں جو تقریباً ۱۸ سال قائم رہی امیہ کے حسب ذیل پانچ بادشاہ ہوئے، ولید بن عبد الملک، سلیمان عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک، جن میں سے عمر بن عبد العزیز نسبتاً عدالت خواہ شخص تھا باقی سب کے سب ظلم و ستمگری و استبداد و من مانی میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے والے تھے اور سب کے سب پانچویں امامؑ کے بارے میں برابر سخت گیر رویہ رکھتے اور مشکلات کا

باعث بنے رہے۔

پانچویں امام علیہ السلام نے کافی مشکلات اور حد سے زیادہ سخت گیریوں میں محصور ہونے کے باوجود علوم و معارف کی نشرواشاعت اور حقائق اسلامی کی تشریح و توضیح میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں فرمائی، آپ کی جدوجہد و مساعی جمیلہ نے اسلامی عظیم دانشگاہ کی تاسیس کیلئے سطح ہموار کی اور اسباب فراہم کئے، اور بہت سے دانشمند شاگرد مثلِ محمد بن مسلم، جابر بن زید جعفی، زرارہ بن اعین اور ان کے بھائی حمران اور دوسرے بیسیوں دانشمندوں نے آپ کے تربیتی مکتب میں دورہ دیکھا اور فارغ التحصیل ہوئے اور پھر اُمت اسلامیہ کی علمی رہنمائی اور فکری توجیہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ابن حجر عسقلانی" جو اسلامی تاریخ کے دانشمندوں میں ایک ہیں اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"محمد باقرؑ نے علوم و معارف کے اتنے رموز و اسرار کو آشکار کیا اور احکام و لطائف علوم کے اتنے حقائق بیان فرمائے ہیں کہ سوائے کور دلوں اور بصیرت کے اندھوں کے کوئی شخص ان کا انکار نہیں کرسکتا اسی وجہ سے آپ نے مشکلات علوم کے شگافتہ کرنے والے (باقر العلوم) اور علم و دانش کے پرچم کو سربلند کرنے والے" کا لقب حاصل کیا۔" (الصواعق المحرقہ ص۱۲۰)

ایک دوسرے عالم اہل سنت "عبداللہ بن عطا" تابعی جوامامؑ کے ہمعصر تھے اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے علماء و دانشمندانِ اسلام کو کبھی کسی محفل میں کوچک تر و حقیر تر نہیں دیکھا سوائے محمد بن علیؑ کی محفل کے اور اس محفل میں سب کی حیثیت طفل مکتب

کی ہوجاتی تھی (میں نے حکم بن عینیہ کو جو اس زمانہ کے مشہور و معروف فقہاء میں سے ایک تھا امام محمد باقرؑ کی بزم میں ایسا پایا جیسے ایک طفل خردسال استاد عالی مقام کے سامنے ہو جو امام کے علم و دانش کے بحر بیکراں سے کسب و تحصیل علوم و معارف کیلئے حضرت کے سامنے زمین پر زانوئے ادب تہ کئے ہوئے ہے اور آپ کے بے نظیر کلام اور بے مثال شخصیت پر شیفتہ و دیوانہ ہو گیا ہے۔"

(تذکرہ خواص الامہ ص ۲۳۹)

امام محمد باقرؑ علوم و معارف اور اپنی اسلامی دریافتوں کو قرآن مجید سے بطور الہام حاصل فرماتے تھے اور اپنے ارشادات اور تقریروں میں قرآن مجید کی نورانی آیات سے مدد دیتے اور انھیں بطور استدلال پیش فرماتے تھے اور اس آسمانی کتاب سے استشہاد فرماتے تھے، اور اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں جو مطلب بھی بیان کروں اس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ لیا کرو کہ یہ بات قرآن مجید میں کہاں ہے تاکہ میں اس مطلب سے مربوط آیت کی تمہارے سامنے معرفی کر دوں۔

آپ سے خلفاء وقت کی عداوت کا سبب

اسلام کے برحق پیشواؤں اور خاندان رسالت کے رجال علم و دانش سے خلفاء وقت کی عداوت کی برانگیختگی اور سختگیری کے مہم ترین اسباب میں سے ایک اہم سبب جامعہ بشریت کے مختلف طبقات کے دلوں کی گہرائیوں میں ان حضرات کی فوق العادت محبوبیت اور عمیق ہر دل عزیزی تھی اور یہ بات خلفاء وقت کے رنج و غم، تکلیف و ناراحتی و بے چینی کا باعث ہوتی تھی۔ یہ لوگ ائمہ معصومینؑ کی طرف لوگوں کے روحانی رغبت و

میلان کی وجہ سے یہ احساس کرتے تھے کہ ان کی حکومت ظاہری طاقت وقوت کے سہارے قائم ہے، اسی بنا پر ان کی سعی و کوشش آخر کار اسی اصل پر پہنچکر استوار ہوتی تھی کہ اس خاندان عظمت و شرف کے زعیم و سربرآوردہ افراد کو راستہ سے ہٹا دیں، یا انھیں اپنے زیر نگرانی رکھیں، امام علیہ السلام کے ہمعصر خلفاء و سلاطین بھی ہمیشہ امام عم کی محبوبیت و ہر دلعزیزی کی وجہ سے خائف و ہراساں رہتے تھے اور حضرت کے وجود ذیجود کو اپنی حکومت کیلئے زبردست خطرہ سمجھتے تھے۔

امامؑ کے اخلاقی ارشادات کا ایک نمونہ

امام عالی مقام علیہ السلام کے تربیتی و ارشادی ہدایات و فرمودات اجتماعی و سیاسی موضوعات پر بہت زیادہ ہیں، ہم ان نورانی کلمات و بیانات میں سے چند بطور نمونہ خوانندگانِ گرامی کے سامنے پیش کرتے ہیں:۔

امامؑ فرماتے ہیں:

انسان کی زندگی میں بہترین و مہم ترین عمل تین باتیں ہیں:

۱. اسلامی بھائیوں کے ساتھ مالی امور میں تعاون و ہمدردی کا لحاظ رکھنا۔

۲. کردار و گفتار اور قضاوت (فیصلہ کرنے) میں انصاف و عدالت کے پہلو کا لحاظ رکھنا۔

۳. ہر حال میں اور ہر ماحول و ہر موقع پر خدا کو یاد کرتے رہنا۔

امام علیہ السلام کی نظر میں یہ تین اصلیں ایک مسلمان انسان کی زندگی میں بزرگترین و مہم ترین فریضہ ہیں۔

شہادت

اگرچہ ہشام بن عبدالملک کو پانچویں امامؑ کی شان میں بہت زیادہ جسارت و گستاخی کا کوئی بہانہ نہیں ملتا تھا پھر بھی وہ اپنے خبیث و نجس اور گندے خیالات و افکار سے اپنے ذہن کو صاف نہیں رکھتا تھا، چنانچہ اس پرانی گندی سیاست کی پیروی کرتے ہوئے کہ سربر آوردہ افراد کو نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے راستہ سے ہٹا دیتے تھے، اس نے بھی اپنے مددگاروں کے ذریعہ امام پنجم کو زہر دے دیا۔

امامؑ ۱۱۴ھ میں شدید مسمومیت کے اثر سے درجۂ شہادت کو پہنچے اور قبرستان جنت البقیع میں اپنے پدر بزرگوار کے پہلوئے اقدس میں ہمیشہ کیلئے آرام فرمایا،

امام پنجمؑ جنہوں نے جامعہ اسلامی میں ایک زبردست علمی نہضت و بیداری کی بنیاد رکھی تھی اور توقع تھی کہ یہ عمارت اپنی ترقی و تکامل کے انتہائی عروج کی منزل تک پہنچ جاتی، کی رحلت ایک زبردست ضیاع اور ناقابل تلافی نقصان تھی، اس حادثہ فاجعہ نے دلوں کے اندر گہرے رنج و غم و اندوہ کے تاثر کی ایک موج پیدا کر دی، لیکن یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ امامؑ کے فرزند و جانشین گرامی قدر حضرت امام جعفر صادقؑ نے جو اپنے پدر بزرگوار کی طرح علوم رسالت کے وارث اور امامت کے عہدۂ جلیلہ کے بدرجہ اتم لائق تھے بلا فاصلہ پدر بزرگوار کی جگہ لی اور جامعہ اسلامی کی رہبری کا کام اپنے ذمہ لیا، اور پیہم کوششوں اور ناقابل خستگی جد و جہد کے ذریعہ امام پنجمؑ کے علمی و تعلیمی مشن کو ثمر آور کیا۔

امام محمد باقرؑ نے جب یہ محسوس کیا کہ آپ کا دم واپسیں قریب ہے تو اپنے فرزند دلبند

کو قریب بلایا اور لازمی وضروری وصیتیں فرمائیں اور مواریث امامت آپ کے حوالے کرنے کے بعد شیعیان آلِ محمدؐ کی حمایت وسرپرستی کے بارے میں بے حد تاکید فرمائی۔

امام جعفر صادقؑ نے عرض کیا کہ میں ہرگز اس کا موقع نہ آنے دوں گا کہ ہمارے ساتھی کسی دوسرے کے محتاج و دست نگر ہوں۔

امام محمد باقرعو کے ارشادات

امامؑ نے علم حدیث کو زندہ کیا اور عظیم و وسیع علمی و فکری نہضت و بیداری پیدا کی جس کے آثار کتنی صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی موجود ہیں اور آج عظیم اسلامی علمی مراکز اور تعلیم گاہیں اور علمی حوزے آنجنابؑ کے علوم و معارف سے بہرہ مند ہو رہے ہیں، اور فقہ و حدیث و تفسیر و اخلاق و دیگر معارف کی کتابیں حضرتؑ کے کلمات و ارشادات گہربار سے درخشاں ہیں، جو حقائق و معارف حضرت نے بیان فرمائے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ حتی کہ فہرست وار بھی اس مختصر سے مقالہ میں سما سکیں لیکن ہم اس مقام پر آپ کے سبق آموز فرمودات میں سے چند کو بطور نمونہ بیان کرتے ہیں تاکہ ہماری زندگی کے میدان میں مفید و کار آمد ہوں۔

۱. ایک عالم کی موت شیطان کی نظر میں ستر عابدوں کی موت سے بہتر ہے۔

۲. میرا ایک بھائی تھا جو میری نگاہ میں بزرگ و با عظمت تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ دنیا اس کی نظر میں بے حد حقیر تھی۔

۳. مصیبتوں میں صابر رہو، دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ کرو، دوسروں کے ساتھ بھلائی اور کارسازی اسی حد تک کرو کہ اس کا نقصان تمہارے لئے

اس کے نفع سے زیادہ نہ ہو۔

۴۔ خداوند عالم نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

۱۔ اپنی رضا و خوشنودی کو اپنی عبادت و پرستش میں پوشیدہ رکھا ہے اور کسی عبادت کو حقیر نہ جانو شاید رضائے الٰہی اسی عبادت میں ہو۔

۲۔ اپنے غصہ کو (بندوں کی طرف سے) گناہوں میں مخفی رکھا ہے، لہٰذا کسی گناہ کو معمولی مت سمجھو، ممکن ہے کہ تو اسی گناہ کے سبب سے غضبِ خدا میں پڑ جاؤ۔

۳۔ اپنے محبوب و پسندیدہ بندوں کو عام لوگوں میں چھپا رکھا ہے، لہٰذا کسی فردِ بشر کو حقیر نہ سمجھو، شاید وہی شخص خدا کا محبوب بندہ ہو۔

۵۔ جو شخص اس غرض سے مال دنیا حاصل کرے کہ لوگوں سے بے نیاز رہے اور اپنے خاندان کے آرام و آسائش کا وسیلہ فراہم کرے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرے تو قیامت کے روز اس کا چہرہ مثلِ ماہِ شبِ چہاردہم درخشاں ہوگا۔

نوٹ:۔ یہ مختصر سا حصہ برادرم کاروم مشغلہ آقائے میثوائی کے مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام
مذہب جعفری کے رئیس و بانی

ولادت

۱۷/ماہ ربیع الاول ۸۳ھ کو عرصۂ حیات میں قدم مبارک رکھا۔ آپ کی حیات مقدس کا آغاز نافرمانی و سرکشی سے معمور عصر اور زور و خفقان والی حکومت کے زمانہ اموی ظالموں کے سلسلہ کی پُر مکر و فریب حکومت کے خاتمہ اور عباسی فاشیسٹ حکومت کی تشکیل کے ابتدائی ایام میں ہوا، اُس حکومت کے خاتمہ اور اس نئی حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں دو متخاصم دوروں کے دوران فاصلہ کے وجود نے ایسے مناسب مواقع و موافق اسباب پیدا کر دیے کہ یہ گرامی قدر نبویؐ یادگار اور تعلیم و تربیت محمدیؐ کے یہ بزرگترین مروّج اپنے ہدایت و تربیت کے فریضہ کی ادائگی میں مناسب و شائستہ انداز سے مشغول ہو جائیں اور اپنی پیغام رسانی اور دینی و الٰہی ذمہ داری کے انجام دینے میں اسلام اور اُمت مسلمہ کی حمایت میں سخت کوشش کریں اور بارگاہ خداوندی اور خلق خدا کے مفاد میں اپنے وجدانی و انسانی وظیفہ کو انجام دیں، وہ وظیفہ و فریضہ جس کی ادائگی کے سلسلہ میں کبھی کبھی ظالم حکمرانوں کے ظلم و تعدی کے ساتھ زجر، شہر بدری اور طرح طرح کی زحمتوں اور مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا، لیکن آپ نے تبلیغ و ہدایت کے محاذ کو کبھی بھی خالی نہیں چھوڑا، اور اپنے پیغمبرانہ فریضہ کی انجام دہی میں، زجر، تبعید اور شکنجوں سے ہرگز ہراساں نہیں ہوئے

اور اپنے آپ کو تمام ظلم و ستم کی موجوں کے مقابل ثابت قدم رکھا تا کہ اسلام فتحمند ہو اور گرانبہا تعلیمات قائم ہو جائیں اور اس میں نشو و نما کا آغاز ہو......،

جعفری دانشگاہ (یونیورسٹی) کے موسس و بنیان گذار

امام صادقؑ مدینہ میں ایک عظیم حوزۂ علمیہ کے موسس و بنیان گذار تھے جس کے مختلف مدرسوں میں ہزاروں افراد علوم و فنون اسلامی کے گوناگوں شعبوں میں مشغول تعلم و تحصیل علوم تھے، صرف فقہ و معارف علوم اسلامی سے متعلق کوفہ کی مسجدوں میں چار ہزار سے زیادہ افراد اپنے استاد (امام) کے بیانات کی تکرار کرتے اور پھر ان کے بارے میں تحقیق و تدقیق و بحث و تمحیص کرتے تھے۔ اور ان سب کی گفتگوؤں اور بحثوں کا واحد سرچشمہ و مدرک و مستند انھیں امام بزرگوار اور آپ کے پدر رعالیقدر حضرت امام محمد باقرؑ کے بیانات و ارشادات اور علمی توجیہات ہوتے تھے۔

آپ ہی علم حدیث و روایت کے مختلف شعبوں کی بنیاد رکھنے والے اور منظم کرنے والے ہیں جس کی وجہ سے احادیث اور ان کے پر عظمت و منزلت مراتب کے ساتھ ہی شیعیان آل محمدؐ کی قدر و منزلت اور ان کے اعتبار و وثوق کو بھی بلندی ملی اور چار ہزار نفوس سے زیادہ نے ایک وقت اور ایک زمانہ میں حضرتؑ کی بارگاہ سے اس شعبہ میں کسب علم و دانش اور نقل روایت کیا ہے، حدیث و معارف اسلامی کے چار سو اصول جو ہماری چاروں معتبر کتابوں، کافی شیخ ابو جعفر کلینیؒ، من لا یحضرہ الفقیہ ابن بابویہؒ، جناب شیخ طوسیؒ کی تہذیب الاحکام و استبصارؒ کا واحد سرچشمہ ہیں، اور یہ چار سو اصول امام صادق علیہ السلام باصلاحیت و استعداد شاگردوں کا امامؑ سے براہ راست حاصل کیا ہوا خزانہ ہیں، امامؑ کے تربیتی مکتب و

مرکز میں ابان بن تغلب، محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین (ابوبصیر) حمران بن اعین، محمد بن علی مومن طاق، ہشام بن سالم، ہشام بن حکم، کمیت بن یزید اسدی اور مفضل بن عمرو (وغیرہم جیسے شاگردوں نے پرورش پائی، ان میں سے ابان بن تغلب نے تیس ہزار سے زائد حدیثیں اور محمد بن مسلم نے سولہ ہزار حدیثیں امام صادقؑ سے اور تیس ہزار سے زائد آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کی ہیں، اور دوسرے شعبوں جیسے فیزکس (علم الاجسام)، کیمیا، (علم خواص اجسام طبیعی) اور علم کلام میں جابر بن حیان ثقفی اور ہشام بن حکم جیسے شاگردوں نے تربیت پائی اور یہ دونوں دنیائے علوم میں علم کیمیا و علم کلام کے بانیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

مادہ پرستوں کے شبہات کا ازالہ و جواب

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں مادیت پرستانہ افکار اور کافرانہ و ملحدانہ خیالات و نظریات کافی رواج پا چکے تھے چنانچہ مادی افکار کا اظہار کرنے والوں اور کفر و زندقہ، دہریت و بے دینی کی سلسلہ جنبانی کرنے والوں میں سے چار اشخاص نے اپنے ملحدانہ خیالات کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا، اور ان سرپھروں کے مقابلہ میں تنہا اسلام کے سچے پیشوا و رہنما امام صادقؑ تھے جو ناقابل شکست قلعہ کی طرح استقلال و استقامت کے ساتھ اسلام کی طرف سے دفاع فرما رہے تھے اور ان دہریوں کے باطل و گمراہ کن خیالات و افکار کے عوام پر اثر انداز ہونے کے درمیان سد سکندری بنے ہوئے تھے اور ان کے گمراہ کن شبہات اور سفسطوں کے منطقی اور دندان شکن جوابات دیتے تھے اور ہر قسم کے شبہہ کا ازالہ طاقتور منطقی اصول اور اپنے واضح بیان کے ذریعہ فرماتے

تھے۔ امامؑ ہر شخص کی بات کو نہایت سنجیدگی و متانت کے ساتھ غور سے سماعت فرماتے اور اس کے بعد اپنی واضح و مدلل تقریر اور خاموش و قانع کر دینے والی منطق کے ذریعہ جواب عنایت فرماتے تھے۔

دہریوں کے نظریات کے ہوا خواہوں اور ہم خیالوں میں سے جو شخص بھی امامؑ کی خدمت میں اگر بحث و مباحثہ کرتا وہ انجام کار بالآخر دید اپنی شکست اور حق و حقیقت کی فتحمندی و کامیابی کا کھلے دل سے اعتراف کرتا اور پھر امامؑ کی دلکش و دل نشین منطق و تقریر کا مفتون و شیفتہ ہو جاتا تھا۔

فقہ جعفری کے بانی

ہمارے چھٹے امامؑ نے اموی دور سلطنت کے ہرج و مرج کے دوران موقع و فرصت کو غنیمت سمجھا اور معارف اسلام کی تبلیغ و ترویج اور نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور پیغمبر اسلام کے آئین کی اشاعت کی اور معارف اسلام کے بہت سے اصول و فروع کو دوبارہ ظاہر کیا، آپ کے گرانقدر بیانات، ارشادات اور رہنمائیوں نے جہالت و نادانی کے موٹے اور بھاری بھرکم پردوں کو چاک کر دیا، اور پیغمبر اسلامؐ کے پیش کردہ واقعی آئین و دستور کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش فرمایا کہ لوگ نئے سرے سے اسلامی تعلیمات سے آشنا ہوئے، اور اسی لحاظ سے آپ کو لوگ آئین محمدیؐ کا موسس و بانی گذارتے ہیں اور آپ کے فقہ کو مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی فقیہوں کی روش اور نظریاتی طرز کے مطابق فقہ جعفری کے نام سے یاد کرتے ہیں، امام صادقؑ دوسرے فقہی مکاتب کے برخلاف اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کرتے اور آئندہ پیش

آنے والے خصوصی مسائل کے حل کیلئے مستحکم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

آج فقہ جعفری دوسرے فقہی مکاتب سے کہیں زیادہ مجالس قانون ساز میں مرکز توجہ ہے ابھی چند سال قبل رئیس جامعۃ الازہر مصر نے فقہ جعفری کو بھی قانونی حیثیت سے تسلیم کیا اور برادران اہل سنت کو دوسرے فقہی مکاتب کی طرح اس فقہ کے مسائل پر بھی عمل کرنے کی وصیت کی بعد میں اخبار و جرائد نے لکھا کہ پاکستان میں دس لاکھ سے زیادہ افراد نے وسیع پیمانہ پر مظاہرہ کیا، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اس ملک میں بھی فقہ جعفری کو قانونی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، اور اس قسم کی بیداریاں اور آگاہیاں اس فقہ کے بارے میں دوسرے ممالک میں بھی ظہور پذیر ہوئی ہیں۔

اور ایران کا عظیم اسلامی انقلاب تو اس باعظمت فقہ جعفری کی درخشندگی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جو آزاد و دانشمند و اسلام شناس و فرض شناس و ذمہ دار فقیہ کو تمکن اور موقع فراہم کرتا ہے اور یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کی حاکمیت و سرپرستی اور جملہ امور کی زمام اپنے ہاتھوں میں لے اور جملہ امور دنیوی و اخروی، امور مادی و معنوی میں لوگوں کی رہبری و رہنمائی و ارشاد و ہدایت کرے ...،

امام علیہ السلام کے چند ارشادات و ہدایات:

امام صادقؑ اپنے لامتناہی علوم کو لوگوں کے اختیار میں دیدیتے تھے، اپنے سخنان جاودان و پائندہ میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

میں نے علوم کو چار اصولوں میں منحصر و محدود پایا۔

۱. اپنے خدا کو پہچان لے۔

۲. اسے سمجھ لے کہ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے، اور وجود و ہستی کی کون کون سی

نعمتیں اور کیسی کیسی بخششیں تجھے عطا کی ہیں۔

۳۔ اور نعمتوں اور بخششوں کے مقابلہ میں تجھ سے کیا چاہا ہے۔

۴۔ کون سی خطا اور کون سا گناہ تمہاری روح کی روشنی کو بجھا دے گا؟

ہم ان چار اصولوں کے ساتھ لوازمات کو پہچان لیں گے کیونکہ خدا کی شناخت کے ساتھ اس کی نعمتیں بھی پہچان لی جائیں گی اور نعمتوں کی شناخت شکرگذاری کی موجب ہوگی اور شکرگذاری فریضہ کی انجام دہی کا موجب ہوگی اور ادائے فرائض اللہ کی عبادت و پرستش ہے، پس جو شخص خدا کو پہچانے اور خطاسے جو دین کیلئے آفت ہے، پرہیز کرے اس نے علوم کی حقیقت کو پالیا ہے اور اس نے اپنے اپنے علم سے بصیرت و معرفت کو ڈھونڈ نکالا ہے۔

مکتبِ مبارزہ کے بنیان گذار امام صادقؑ کی شہادت

امام صادقؑ کو اپنی زندگی کے آغاز ہی میں عظیم تحولات و تغیرات کا سامنا تھا، ایسے تغیرات جنہوں نے حضرت کو آمادہ کیا کہ طاغوتی قصروں اور پناہ گاہوں کے منہدم کرنے کے واسطے پیہم و مسلسل مبارزہ کا آغاز کریں... اور امانت دین کی پہنچانے کی ذمہ داری کے واقعی و حقیقی ماہیت کو انحرافی رجحانات کے برخلاف حضرت کے میدان مبارزہ میں شناخت کیا جاسکتا ہے، ایسے رجحانات جو بعض افراد کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے تھے جیسے جعفر بن امام علی نقیؑ جو جعفر کذاب کے نام سے مشہور ہوئے اور جو امامت کا دعوائے کرتے تھے، ان رجحانات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایسے رجحانات جن کے ذریعہ دشمن یہ چاہتے تھے کہ فلسفۂ امامت کو مخدوش و عیب دار کردیں اور ان جماعتوں کو جو ہمیشہ انقلابی و اسلامی خط کے پیرو رہے انھیں اس راہ مستقیم سے ہٹا دیں لیکن امام علیہ السلام جوان جماعتوں کے ارادہ کے مظہر تھے اپنے اس مسلسل مکتبی مبارزہ کے ذریعہ جو حضرت کے آباء و اجداد کی تعلیمات سے پیدا ہوا تھا لوگوں کو امامت کا خط مستقیم پہچنوا سکے اور منحرف رجحانات کے افتراقی چہرہ کو جو امامت کی نقاب کے اندر رہکر اپنا کام کر رہے تھے آشکار کر سکے۔

یہی اسباب تھے کہ امامؑ نے "صادق" کا لقب حاصل کیا تاکہ جھوٹے چہروں کی نقاب پارہ پارہ ہو جائے، اور باطل کے مقابلہ میں حق پہچانا جا سکے، سیاسی لحاظ سے بھی امام صادقؑ کا زمانہ مسلمان رضاکاروں اور علوی سادات کیلئے استبداد، گھٹن، بندشوں، پابندیوں اور قتل و غارت، مشقتوں اور شکنجوں کا زمانہ تھا، ظالم و جلاد خلفاء امام حسینؑ کی تاریخی نہضت کو یاد کر کے ایک عجیب وحشت میں مبتلا رہتے تھے، لہٰذا وہ اپنی تمام تر کوششیں اس امر میں صرف کرتے تھے کہ نہ صرف یہ کہ ائمہ میں سے کوئی بھی دوبارہ ایسے عاشورہ کی تجدید نہ کر سکے بلکہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اس واقعہ ہائلہ کی یاد لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے، ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کس طرح اپنی خاص درایت و تدبر سے اسلامی قوتوں کے جامعہ کی تعمیر کے ساتھ ہی ساتھ جو داخلی رجعت پسندی کے خلاف نبرد آزما تھیں اس تاریخی حساس مرحلہ سے بھی گذر جاتے ہیں اور فلسفۂ امامت کی الگ گوناگوں خصوصیات کے ساتھ لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں اور مسلم انقلابیوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ استبداد و رجعت پسندی کے خلاف حضرتؑ کے خط مشی سے استفادہ کرتے ہوئے کس طرح حیات اجتماعی و استبدادی کی تجدید و اشاعت کو آگے بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے، امام صادقؑ

اپنے دوستوں کو انحرافات سے مقابلہ اور امامت وولایت کے مکتبی بنیادوں کی تقویت کی راہ میں برابر وصیت فرماتے رہتے تھے کہ ہرگز ستمگروں کی مدد اور ان سے تعاون نہ کریں اور برابر یہ بھی سفارش فرماتے رہتے تھے کہ اپنے معاملات کو فیصلہ کیلئے ظالموں اور ستمگروں کی نام نہاد عدالت میں نہ لیجائیں اس کے بارے میں صاف صاف فرماتے ہیں کہ

"میں ہرگز اس امر کو دوست نہیں رکھتا اور پسند نہیں کرتا ہوں کہ ستمگروں کی منفعت کیلئے ایک گرہ بھی کھولوں یا کوئی گرہ باندھوں یا قلم کو تر کروں تمام ستمگر اور ان کے اعوان و مددگار قیامت کے دن عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے یہاں تک کہ خداوند عالم تمام بندوں کے درمیان فیصلے سے فارغ ہو۔"

فقیہ نماؤں اور طاغوتیوں کی معاونت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ :

"جس وقت فقہاء کو سلاطین کے ہمرکاب دیکھو تو انھیں ان کے دین و تقوے کے بارے میں متہم کرو۔"

اب جبکہ امام صادق علیہ السلام کے مبارزہ اور تربیتی مکتب کے متعلق مختصر حالات سے ہم واقف ہو گئے ہیں تو مناسب نہیں ہے کہ حضرتؑ کے بارے میں بعض دانشمندوں اور مورخوں کے اعترافات کو دہرا دیں تاکہ آنحضرتؑ کی شخصیت کے تمام گوشوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کر سکیں۔ مسلمان و عیسائی دانشمندوں میں سے دس اشخاص امام صادقؑ کے متعلق اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں :

"۱۔ "ڈاکٹر حامد حفنی" قاہرہ کے خارجی زبانوں کے کالج میں عربی ادب کے استاد اپنے اس مقدمہ میں جو کتاب "الامام الصادق" مولفہ اسد حیدر دانشمند عراقی پر لکھا ہے لکھتے ہیں :-

"۲۰ سال سے زیادہ زمانہ گذر گیا کہ میں تاریخ فقہ و علوم اسلامی کی تحقیق کر رہا ہوں، خانوادۂ باکرامت نبوی کے پاک و طاہر فرزند حضرت امام صادقؑ کی نمایاں شخصیت نے مجھے اپنی طرف خاص طور پر متوجہ کیا، میں اس نظریہ پر پہنچا ہوں کہ آپ علوم اسلامی کے موجد و متبکر رہبروں میں سے ایک ہیں اور آپ اُن اولین متعہد و مسئول و ذمہ دار متفکرین میں سے ہیں جو ہمیشہ تمام دانشمندان شیعہ و اہل سنت کیلئے مورد توجہ رہے ہیں اور رہیں گے۔"

۲۔ "مالک بن انس" اہل سُنت کے امام الحدیث امام صادقؑ کی شخصیت کے بارے میں کہتے ہیں:۔

"جس زمانہ میں میں امام صادقؑ کے ساتھ آمد و رفت رکھتا تھا اس وقت حضرت کو تین حالتوں میں سے کسی ایک میں پاتا تھا یا تو نماز پڑھتے ہوئے، یا روزہ کی حالت میں، یا اس حالت میں کہ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے میں نے علم و دانش و عبادت کے لحاظ سے جعفر بن محمد صادقؑ سے زیادہ بہتر و باصلاحیت و استعداد کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب جلد ۲ ص ۱۰۴)

۳۔ "امام ابو حنیفہ" اہل سنت کے امام و فقیہ کہتے ہیں:۔

"میں نے امام جعفر بن محمدؑ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، ایک روز منصور عباسی کے کہنے پر میں نے چالیس اہم فقہی مسائل مرتب کئے تاکہ سب کو ایک ہی جلسہ میں منصور کے دربار میں امامؑ کے سامنے پیش کئے جائیں اور جواب طلب کیا جائے جس وقت میں خلیفہ کے دربار میں امام جعفر بن محمدؑ کے روبرو ہوا اور سوالات پیش کئے گئے تو امامؑ نے ان سوالات کے جوابات مع موارد اختلاف

اقوال کے اس طرح بیان فرمائے اور ان چالیسوں سوالات کے اسطرح مکمل جوابات فرمائے کہ دربار کے، تمام لوگوں نے اعتراف کیا کہ آپ عالم ترین مردم اور ان میں سب سے زیادہ لوگوں کے اختلاف آراء کے موارد سے واقف ہیں"۔

(مناقب ابوحنیفہ جلد ۱ ص ۱۸۳)

۴۔ ابن ابی العوجاء مشہور و معروف سفسطہ گو و جدلی امامؑ کے بارے میں اعتراف کرتا ہے:۔

"اگر روئے زمین پر کوئی روحانی فرد وجود رکھتی ہو جو کبھی بشر کی شکل میں بھی جلوہ گر ہو جاتی ہو تو وہ جعفر بن محمدؑ ہی ہیں"۔ (ملل و نحل للشہرستانی جلد ۱ ص ۲۷۲ طبع ۲)

۵۔ حسن بن وشاء مشہور اسلامی متکلمین میں سے ایک کہتا ہے کہ:۔

"میں نے اس مسجد کوفہ میں نوسو سے زیادہ استادوں کو دیکھا جو سب کے سب یہی کہتے تھے کہ جعفر بن محمدؑ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی.....

(مجالس سید امین ج ۵ ص ۲۰۵)

۶۔ مؤلف کتاب قاموس الاعلام شمس الدین سامی اپنی کتاب دائرۃ المعارف جلد ۳ ص ۱۸۲۱ میں حضرت صادقؑ کے بارے میں کہتے ہیں:

"جعفر بن محمد شیعوں کے بارہ اماموں میں سے ایک ہیں آپ کی مادر گرامی قدر جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں ۸۲ھ میں مدینہ منورہ میں متولد ہوئے، آپ جو امام محمد باقرؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے اور آپ کے جلسہ درس میں امام ابوحنیفہ نے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے بہت کچھ بہرہ ور ہوئے ہیں، امام جعفر صادقؑ

جبرو مقابلہ، علم شیمیا (علم الاجسام) اور دوسرے علوم میں تبحر کامل رکھتے تھے اور جن لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض و تحصیل علم کیا ہے ان میں سے جبرو مقابلہ میں متخصص (اسپیشلسٹ) جابر بن حیان تھے، آپ زہد و تقوٰے اور قناعت و حسن معاشرت میں اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتے تھے اپنی عقل و خرد، لیاقت و شائستگی کی وجہ سے "صادق" یعنی راستگو (سچ بولنے والے) کے نام سے مشہور ہوئے، ابو جعفر منصور دوسرا عباسی خلیفہ امام کی اجتماعی قدر و منزلت و شان و عظمت کی بنا پر تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو بلاتا تھا اور آپ کے ارشادات اور رہنمائیوں سے بہرہ مند ہوتا تھا.....

ابو مسلم خراسانی نے پہلے پہل حکومت آپ ہی کے سپرد کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا.....

آپ کے سات فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں ۱۴۸ھ میں مدینہ کے اندر تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی، اور اپنے جد و پدر کے جوار میں مدفون ہوئے آپ مذہب شیعہ کے امام و پیشوا ہیں اور آپ کے پیرو جعفری نام سے پکارے جاتے ہیں"۔

(۷) "ڈاکٹر احمد امین" مشہور مصری اہل قلم اور "فجر الاسلام" و "ضحی الاسلام" نامی کتابوں کے مولف کہتے ہیں:-

"شیعہ فرقہ کی فقہی و قانونی بزرگترین شخصیت بلکہ مختلف اسلامی زمانوں میں بزرگترین علمی شخصیت امام جعفر صادق ؑ کی ہے، آپ اپنے زمانہ میں اور بعد کے ادوار میں بھی اسلامی دنیا کی بزرگترین شخصیتوں میں سے ایک تھے، منصور کی حکومت کے دسویں سال رحلت فرمائی"۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۱۰۹)

۸۔ "فرید" مولف دائرۃ المعارف کہتا ہے۔

"جعفر بن محمد صادقؑ کے علم و دانش کا گھر (دانشگاہ) روزانہ بڑے بڑے علماء اور دانشمندوں سے پر ہو جاتا تھا، وہ علماء جو علم حدیث، تفسیر، فلسفہ اور کلام کے کسب تحصیل کے خواہشمند تھے، آپ کے حلقۂ درس میں مشہور علماء میں سے اکثر و اغلب اوقات ۲ ہزار نفوس اور کبھی کبھی چار ہزار افراد تک شریک ہوتے تھے۔"

(دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

۹۔ "پطرس بُستانی" کہتا ہے:۔

"جعفر بن محمد صادقؑ فرزند زین العابدین سادات و بزرگانِ اہلبیت میں سے تھے اس کا سبب کہ آپ کا لقب 'صادق' ہے یہ کہ آپ صدق گفتار تھے، آپ کی فضیلت عظیم ہے آپ علم جبر و شیمیا میں نظریات رکھتے ہیں اور آپ کے شاگرد رشید و نامور جابر نے ایک کتاب مرتب کی تھی جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔"

(دائرۃ المعارف ۔۔۔۔۔۔)

۱۰۔ آخری قول ایک مسیحی عالم عارف "تامر" استادِ دانشکدہ مباحثِ شرق، قاہرہ کا ہے۔ وہ امامؑ کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

"جو شخص بے غرض و غیر متعصب ہو کر امام جعفر بن محمد صادقؑ کی شخصیت کے بارے میں جدید علمی اصول کی پیروی کرتے ہوئے ہر قسم کے میلان و تعصب احساس نسل و نژاد سے عاری و بے نیاز ہو کر علمی و واقعی تحلیل و تجزیہ میں مشغول ہوگا تو اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس بات کا اعتراف کرے کہ امامؑ کی شخصیت ایک مجموعہ ہے فلسفی جسے اپنی ذات پر اعتماد ہے جو بہت سے ابتکارات و اختراعات

کا سرچشمہ اور جس نے نئے نئے افکار اور جدید احکام کی بنیاد رکھی ہے اور نئی نئی راہیں دکھائی ہیں.....“ (مقدمہ کتاب المفضل والاخلاص ص ۱۹۱۱ء)

شہادت

امام صادقؑ کی شہادت ۲۵ ماہِ شوال ۱۴۸ھ کو منصور خلیفہ عباسی کی حکومت کے دور میں واقع ہوئی۔ ایسے زمانہ میں کہ جب ملک کے امور و حالات مضطرب تھے، فتنوں اور ہنگاموں کی بہتات تھی، نہ خون کا کوئی احترام باقی رہ گیا تھا اور نہ دین کی کوئی قدر و قیمت تھی اور نہ عوام پر کسی قانون کی حکومت تھی، حکام وقت مکمل استبداد و مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتے تھے، جلادوں کے ہاتھ میں رعیت کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی..... پیروانِ علیؑ اور دوستدارانِ اہل بیتؑ انتہائی عسرت و تنگدستی اور ایک عجیب تنگنائے میں زندگی بسر کر رہے تھے، امیرالمومنین حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان گرامی کی شان میں بدگوئی اور گستاخانہ کلمات کہنا، بزرگان دین کی شان میں اہانت و ناسزا گوئی پرانی عادت بن چکی تھی جو اکثر مجالس و اجتماعات، مسجدوں، گلیوں، دروازوں، دینی اور درس کی مجلسوں میں اور تمام جگہوں پر سنی جاتی تھی، سرکاری داستان سرا و قصہ گو انہیں گستاخیوں اور بے ادبیوں سے اپنے قصوں کا آغاز کرتے تھے، اہل بیتؑ رسالت اس قسم کی یاوہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں کے سننے اور اس قسم کی مصیبتوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کے ساتھ ہی انتظار فرج میں اور صابروں کیلئے وعدۂ الٰہی پر اطمینان کے ساتھ بسر کر رہے تھے، فقط عمر بن عبد العزیز کا دور حکومت کچھ غنیمت تھا جس نے تھوڑی ہی مدت میں سابقہ ناگوار حالات کو بدل دیا تھا لیکن اس کی حکومت کا دور بھی مختصر ہی تھا....،

امام صادقؑ ایسی فضا میں زندگی بسر کر رہے تھے اور اس طرح کے مصائب برداشت کر رہے تھے اور حوادث کے آتشدان میں پانی ملاحظ فرما رہے تھے کیونکہ ہر انقلاب واقدام کی تکمیل وترقی کیلئے فکری آمادگی اور علمی پناہ گاہ کا ہونا لازمی ہے، اور بغیر اس کے ہر کسی انقلاب ونہضت کی عمارت مضبوطی وپائداری نہیں رکھتی، امام صادقؑ اس بنیاد کی تقویت کیلئے آمادہ ہوئے اور شاگردوں اور دانشجویوں کی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور لوگوں کی فکری وروحی ریاست وپیشوائی کی ہدایت ورہبری فرمائی ....،

آپ مسلمانوں کی علمی حرکت اور فکری بیداری کا آغاز کرنے والے تھے وہ تعلیم گاہ جو آپ نے قائم کی وہ وسیع عالمی شہرت اور پُر خروش علمی نشاط کی مالک تھی جو تمام اطراف واکناف سے طالبان علوم اور دانشجویوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی اور کھینچتی تھی اور اپنے گہوارہ تربیت میں ان کی پرورش وتربیت کرتی تھی، اور آئندہ جامعہ کی اصلاح کے لئے تیار کر رہی تھی، امامؑ کا وجود ذی جور ستمگروں اور راخیروں کیلئے بہت سنگین اور ناقابل عمل تھا، چنانچہ طرح طرح کی مکاریاں اور دسیسہ کاریاں عمل میں لائے یہاں تک کہ کئی بار ایسا ہوا کہ رات کو حضرت کے گھر پر حملہ کیا اور رات ہی میں حضرت کو جبر گھر سے باہر لائے اور وطن سے شہر بدر ہونے پر مجبور کیا اور آخر کار شوال ۱۴۸ھ میں زہر کے ذریعہ جو اس وقت کی گندی سیاست کے پیش نظر خفیہ طور پر بزرگ شخصیتوں کے قتل کا ذریعہ تھا حضرت کو مسموم کر کے شہید کیا۔

ہم اس علمی وروحانی عظیم حادثہ ضیاع پر دنیائے علم ودانش اور دوستداران فضیلت وروحانیت کو تعزیت پیش کرتے اور تسلی دیتے ہیں۔

امام موسیٰ ابن جعفرؑ

ارادہ و عزم پختہ کے کوہ گراں

اموی حکومت اپنی عمر کے آخری لمحات گذار رہی تھی اور اس کی سانسیں گنی جا رہی تھیں کہ برج امامت کے ساتویں درخشاں ستارے اور عصمت و طہارت کے نویں دُرِ بے بہا نے امام جعفر صادقؑ کے خانوادہ امامت میں دنیا میں آنکھیں کھولیں، آپ کی ولادت نے دنیائے علم و معرفت کو ایک تازہ خوشخبری عطا کی اور دلوں میں امید و سعادت کا نور روشن کیا۔

وہ مقام جہاں اس نومولود نے عرصۂ حیات میں قدم رکھا وہ پیغمبر اسلام کی مادر گرامی قدر جناب آمنہ کی آرامگاہ ہے جو "ابوا" کے نام سے مشہور ہے، امام جعفر صادقؑ کے سفر حج سے واپس آتے ہوئے اس مقام پر امام ہفتمؑ کی ولادت واقع ہوئی، آپ کی والدہ گرامی جناب حمیدہ اندلسی ہیں جو فضیلت و تقوےٰ شائستگی و لیاقت میں بے نظیر تھیں اس نومولود مسعود کیلئے جو نام منتخب ہوا وہ موسیٰ تھا کہ اس وقت تک خاندان رسالت میں اس نام سے کوئی شخص موسوم نہیں تھا، البتہ تاریخ انبیاء سابقین کی طویل فہرست میں یہ نام موجود ہے، یہ نام حضرت موسیٰ ابن عمران (علیٰ نبینا و علیہ السلام) کے مجاہدات، جدوجہد اور بت شکنیوں کی یاد دلانے والا بلکہ اس کی تجدید کرنے والا تھا، وہ پیغمبر عظیم الشان جنکے فرائض و لائحہ عمل کا سرنامہ طاغوت عصر (فرعون) اور گروہ ظالمین سے مبارزہ و جہاد تھا

اور آپ اس ذریعے ایک اُمت کو ضلالت و گمراہی سے نجات دلا سکے۔'

امامؑ کی ولادت باسعادت اکثر مورخین کی متفقہ رائے کے مطابق ساتویں صفر سنہ ۱۲۸ ہجری کو ہوئی۔

آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی زیرِ نگرانی و تربیتِ خاص اور مادر گرامی کی محبتوں اور مہربانیوں کے سائے میں نشو و نما اور رشد و کمال کی منزلوں کو طے کیا، اور بیس سال اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ رہے اور آپ کی فیضِ تربیت اور فیاض و مُصلح مکتب سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے۔ آپ روزانہ یہ مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اسلامی وسیع و عریض ملک کے ہر ہر گوشہ اور ہر ہر نقطے سے ہر ہر شہر و دیہہ سے علماء، طالبان علوم اور دانشجویوں کا ہجوم و اژدہام امام صادقؑ کی پرفیض مجلس سے کسب فیض کرنے کیلئے آتا ہے۔ اور سب یہ چاہتے ہیں کہ اپنے اپنے گوناگوں مسائل کو امام کی خدمت میں پیش کریں تاکہ آپ کے علوم و معارف روحانیات اور رہنمائیوں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہوں، (اور یہ بھی ملاحظہ فرماتے تھے کہ) کبھی کبھی امام صادقؑ کی مجلس درس میں اعتقادی مسائل مثل توحید، تشبیہ، قضا و قدر، امامت و نبوت کے موضوعات پر مباحثے و مناظرے بھی ہوتے تھے اور ضروری و اطمینان بخش جوابات دئے جاتے تھے جو ہر لحاظ سے مفید و قابل آزموش ہوتے تھے اور یہ ساری باتیں اس بچے کے قلب پاک میں نقش ہوتی جارہی تھیں، ایسا نقشِ لازوال جو کا بجز ہوتا تھا۔ آپ اس قسم کے جلسوں اور اس طرح کے مباحثوں اور گفتگوؤں کو مشاہدہ فرماتے اور اپنے پدر بزرگوار کے کمالات حکمتوں اور علوم و معارف سے بہرہ ور ہوتے تھے اور اس طرح اپنے آپ کو عظیم مسؤلیت والٰہی ذمہ داری کو قبول کرنے کے واسطے مستعد ہو رہے تھے، اور کبھی کبھی تو آپ اپنے اسی طفولیت ہی میں سوالات کے جواب بھی عنایت

فرماتے ہیں چنانچہ دس فقہی سوالات کے جوابات آپ ہی نے عطا فرمائے ہیں جنہیں ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

آپ کے صفات و خصائل

اگرچہ کسی فردِ بشر کی شخصیت کا صحیح اندازہ اس کے افکار و خیالات، اس کے عقل و شعور ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے نہ کہ اس کی شکل و صورت و رنگ جسمانی ساخت اور ظاہری صفات کے ذریعے[1]، لیکن پھر بھی اسلام کے اس نومولود کی ملکوتی شخصیت کے صفات ظاہری پر بھی (ان تحریروں کے مطابق جو سیرت نویسوں نے اپنی اپنی کتابوں میں پیش کی ہیں) آپ کے دوستوں اور علاقہ مندوں کے سامنے روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ ذہنی تصویر کے ساتھ حضرتؑ کی ایک عینی و خارجی تصویر بھی ہماری نظروں کے سامنے تشکیل پائے، مورخین نے اس بارے میں اس طرح لکھا ہے:-

"آپ کا قد و قامت معتدل، اعضا و متناسب و خوشنما، آپ کی شکل نورانی، رنگ گندم گوں، آپ کے موئے مبارک گھنے اور ان کا رنگ مشکی، چہرہ مبارک روشن اور ملکوتی تھی دندانہائے مبارک کے درمیانی شگاف کشادہ، اور شانے کشادہ اور چوڑے تھے جسم اقدس لاغر و باریک تھا، چہرہ مبارک کے گرد رعب و جلال کا ایک ہالہ تھا جس کی وجہ سے حضرت کی روحانیت کی درخشندگی اور معنویت کا جلوہ آپکے چہرۂ نورانی سے ساطع و متجلی رہتا تھا..."

---

[1] رضوان مکان مرحوم مجاہد حضرت کاشف الغطاء رہ کے مشہور کلمات میں سے ہے، جہاں فرماتے ہیں کہ:- الانسان آرائہ وافکارہ لاصورتہ واعضائہ" (آئین ص۹۹)

آپ قرآن مجید کی تلاوت ایسے حزین ترنم و خوش الحانی کے ساتھ اور ایسی دل آویز و دل نشین آواز میں فرماتے تھے جو دنیا کے اہلِ نظر افراد کیلئے لطف آفرین و صفائی قلب کا باعث ہوتی تھی، اور جو لذت بخش بھی ہوتی تھی اور انسان ساز بھی۔

آپ ہمیشہ اپنے اوپری لباس کے نیچے موٹے اون کا کھردرا لباس زیب تن فرماتے تھے لیکن آپ کا اوپر کا لباس عمدہ و قیمتی ہوتا تھا، اور اپنے فرزندوں کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ وہ سب عمدہ، صاف اور قیمتی لباس پہنا کریں اور فرماتے تھے کہ: "میرے جدِ بزرگوار حضرت علی بن الحسینؑ ہمیشہ عمدہ و گراں قیمت لباس زیب تن فرماتے تھے جس کی قیمت کبھی کبھی اس زمانہ کے لحاظ سے پانچسو درہم سے زیادہ ہو جاتی تھی، اور گرانبہا عبا زینت دوش فرماتے تھے جو معمولاً پانچسو دینار میں خریدی جاتی تھی، اس کے بعد حضرتؑ اس آیۂ مبارکہ کی تلاوت فرماتے :۔

"قُل مَن حَرَّمَ زِینَۃَ اللہِ الَّتِی اَخرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزقِ"

دکھہ دولے رسولؐ! کس شخص اور کس دستور نے خوشنما لباس اور لذیذ غذاؤں کو لوگوں پر حرام کیا ہے)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۔ عزم و ارادہ مصمم کے کوہِ گراں

امامؑ کا دورِ حیات حوادث و مصائب کے مقابلہ میں ارادہ محکم و عزم مصمم، شجاعت و پامردی، استقامت و پائداری اور ایثار و قربانی سے معمور تھا، آپ کی پائدار و مستقیم روش بغیر کسی انحراف و کجی کے خطِ مستقیم اسلام کی عکاسی کرتی تھی، اور نا مساعد و آزمائش خیز حالات میں تمیز حق و باطل کی نشاندہی کرتی تھی۔

ان حوادث اور زندگی کی مشکلات و مصائب کے مقابلہ میں جو خلفاء جور اور ستمگر

حکام کی طرف سے آپ کو پیش آتے تھے قائم رہنا اور بردباری اختیار کئے رہنا بالغرض اس کے کہ اس سے آپ کے مضبوط ارادہ وعزم مصمم میں ذرا سا بھی خلل واقع ہو یا بہانے بہانے مبارک شکایت سے آشنا ہوں یا اپنی جوانمردی، امامت و پیشوائی کے خلاف اپنے آپ کو ذلت و رسوائی کے حوالے کریں، زندگی کے شرف کا بلند ترین نمونہ اور بیش بہا تمغہ ہے جو کسی بہادر و دلیر کے سینہ پر آویزاں ہو کر چمک سکتا ہے اور دنیا میں راہ حقیقت وعدالت کے رہروؤں کیلئے فخر ومباہات کا سرمایہ بن سکتا ہے۔

طاعت و عبادت

مختلف قید خانوں میں آپ کی عبادت، تضرع وزاری اور آپ کے طولانی سجدوں نے دشمنوں کو حیرت واستعجاب میں ڈالدیا اور حکومت کے قسی القلب وسنگدل ملازمین و وماموریں کو آپ کی روحانی عظمت کا اقرار واعتراف کرنے پر مجبور کر دیا یہانتک کہ خود ہارون طاغوت و ستمگار وقت نے تملق وچاپلوسی کی زبان کھولی اور آپ کی مدح وثنا کرنے لگا اور اظہار کیا کہ "آپ بنی ہاشم کے راہب و عابد ہیں"۔

امام کے زہد وتقوے اور روحانی اقدار نے سندی بن شاہک کی بیوی کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ مکتب تشیع کو قبول کرے اور امامت وولایت کے اقرار کا بیج اپنے خاندان میں بطور تحفہ لے جائے، اور دلوں کی زمین میں اس کی تخم ریزی کرے، یہانتک کہ اس کا نواسا اپنے زمانہ میں نہضت تشیع کے پرچم کا علمدار قرار پائے۔

معصوم اماموں کی سیرت اور ان کا کردار زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ظلم وفساد وجہالت کے خلاف ناقابل خستگی جہاد ومبارزہ رہا ہے۔

فکری مکتبوں کے ظہور کا زمانہ

امام ہفتم علیہ السلام کے زمانہ خصوصیات میں سے ایک دوسری خاص بات مختلف اجتماعی و فکری فلسفوں اور نظریات کا ظاہر ہونا تھا، اور ظاہر ہونے والے افکار و نظریات میں کچھ ایسے گمراہ کن و ضلالت خیز و ملحدانہ نظریات بھی تھے جیسے دہریت و صوفی گری جو براہِ راست اسلام کی فکری بنیادوں سے ٹکر لینے اور انھیں متزلزل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مسئولیت و ذمہ داری بحیثیت ایک سچے الٰہی پیشوا ہونے کے ان اعتقادی خطرات اور آفتوں کے مقابلہ میں بے حد حساس اور بہت عظیم تھی، چنانچہ حضرتؑ ان تخریب و مفاسد انگیز افکار سے مبارزہ و مقابلہ محکم دلیلوں اور اصولی طریقوں سے فرما رہے تھے، البتہ ان جاری و پیش آمدہ مشکلات میں خود مسلمانوں کے درمیان نظریاتی اختلافات اور رائیوں کی پراگندگی کے پیدا ہونے سے مزید مشکلات کا اضافہ ہو رہا تھا جو اُن کی صفوں کی وحدت کو پارہ پارہ اور ان کی متحد صفوں کو متفرق و پراگندہ کر رہی تھیں، اور وقت کی حکومتیں عوام کے افکار کو ان مسائل میں الجھے رہنے کو اور ہوا دے رہی تھیں اور لوگوں کو صحیح راستہ اختیار کرنے اور اس پر چلنے اور اپنے اصلی فرائض میں مشغول رہنے سے باز رہنے کی مستقل کوشش کر رہی تھیں اور دوسرے مختلف مسائل میں اُلجھائے ہوئے تھیں مثلاً الفاظ قرآن کے قدیم ہونے کی رائیں یا اشاعرہ و معتزلہ فرقوں کا پیدا ہونا، اور صرف چار فقہی فرقوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کو سرکاری طور پر تسلیم کرنا وغیرہ، یہ ان دسیوں نمایاں مسائل میں سے چند بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں

جن میں عوام کو اُلجھا دیا گیا تھا تاکہ وہ حقیقت سے بیگانہ رہیں۔ اور شکوک میں اُلجھ جائیں۔

امامؑ کی شجاعت و دلیری کی علامت کا ناشناختہ رہ جانا

امام علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک قابل توجہ خصوصیت آپ کی شخصیت اور حقیقی علامات کا مجہول و نامعلوم رہ جانا اور ہم شیعوں کے درمیان مختلف اوہام و خیالات و تصورات کے تہہ بہ تہہ بادلوں کے اندر حضرت کی شخصیت اور حضرت کے حقیقی جلوؤں کا مخفی رہ جانا ہے۔

بے شک یہ درست ہے کہ ہم ائمہ معصومینؑ میں سے کسی ایک کی بھی کافی شناخت و معرفت نہیں رکھتے اور ان حضرات کی زندگی کے چند حوادث و مصائب کے سوا وہ بھی خام تصورات، اور ناقابل وصف و بیان مضامین و مطالب سے خلط ملط ہیں ہمارے دست فکر و عمل میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن ہمارے ساتویں امامؑ کی معرفت و شناخت کیلئے علاوہ اس کے کہ اس سلسلہ میں اصل حقائق تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی اور جن حقائق کا ہمیں کسی حد تک علم ہو سکا انھیں بھی باطل تصورات کے ساتھ مخلوط کر کے بیان کیا گیا ہے، ایک طرح سے شخصیت کو بالکل منقلب انداز میں پیش کیا گیا ہے مثلاً ظلم پر آپ کی خاموشی، مصائب اور شقتوں کا خاموشی کے ساتھ تحمل گریہ و زاری اور دوسرے معمولی و عادی امور جو بعض کم علم ذاکرین کی زبانی عام لوگوں تک پہنچتے ہیں، اور اسطرح ان لوگوں نے حضرت کو محض صبر و شکیبائی کے ایک مجسمہ اور گریہ و زاری، آہ و نالہ کے ایک نمونہ کے طور پر پہنچوایا ہے نہ ظلم و ستم کے خلاف مبارزہ کرنے والے ایک دلیر و مرد میدان اور ارادہ محکم و عزم راسخ رکھنے والے بُت شکن مرد شجاع و بہادر کی حیثیت سے!۔

علمی نہضت و بیداری کے علمبردار

ہمارے اس مقالہ کے ہیرو دوسری صدی ہجری میں علم و معرفت کے قافلہ کے قائدین میں سے ایک اور جہانِ اسلام کی علمی و فکری بیداری کو جلا دینے والوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے پدرِ عالی قدر حضرت امام صادق ؑ کی رحلت کے بعد اس بزرگ درسگاہ کی جو مدینہ میں قائم ہو چکی تھی علمی و فکری ہدایت و ارشاد و رہبری کو اپنی جامع و باکفایت شخصیت کے ذمہ لیا اور اپنے پدرِ عالیقدر و مربی و استاد حضرت امام صادق ؑ کے لائحہ عمل کی تکمیل و ترقی و پیشروی کی سعیِ جمیل میں مصروف ہو گئے، اور علماء و محدثین و مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی اپنے گہوارۂ تعلیم و تربیت میں پرورش کی اور اپنے علوم و معارف کے سرچشمۂ فیاض سے انھیں سیراب کیا اور اسلامی مبسوط و شائع و رائج فقہ کو اپنے نئے نظریات اور نئے زاویوں سے مالامال و ثمردار کیا، اور اس اصل پر بے شمار پُربار فروع اور شاخوں کا اضافہ فرمایا۔ فقہی فرعیں جو خود بھی دوسری فقہی و قانونی فروع میں تغیر و تبدل کا مبدء قرار پائیں۔

ایک وسیع و بے حد مشہور دانشگاہ جس میں اطراف و جوانب سے آئے ہوئے ہزاروں طلاب علوم اور گوناگوں شعبوں میں تربیت کے خواہاں افراد کسبِ معرفت و تحصیل علوم میں مشغول ہوں کو چلانا اور منظم رکھنا معمولی و آسان کام نہیں ہے جو بشری عادی و معمولی تحصیلات کے ذریعہ میسر ہو سکے۔ طالبانِ علوم کے ذہنوں کو روشن کرنا اور انھیں علمی غذا دینا اور ان کیلئے علمی مواد مہیا کرنا اور طالبانِ کمال کی فکری خواہشات کی تکمیل اور ان کے افکار و خیالات کو یک سو کرنا یہ سب ایک بڑی مسئولیت و ذمہ داری کے محتاج

ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا سوائے مردان خدا کے دوسرے افراد کے امکان سے باہر ہے۔

محاذ امتناع وانکار کے مرکز کے افسر اعلیٰ

ہمارے معصوم ائمہ علیہم السلام اس اجتماعی مرکزیت کی بنیاد پر اور ولایت و امامت کی اس عظیم ذمہ داری کی بناء پر جو وہ (من جانب اللہ) رکھتے تھے، اُمّت کے سامنے بڑی ذمہ داریاں اور بہت سی مسئولیتیں رکھتے تھے کہ بڑی باریکی و نزاکت کے ساتھ جن کی رعایت و لحاظ کرنے کا اپنے کو من جانب اللہ موظف و ذمہ دار جانتے تھے یہ حضرات ستمگروں اور بے انصافوں کی بے پناہ سرکشی کے مقابلہ میں اور ستم زدوں اور مظلوموں کی طرف سے دادخواہی کی فریادوں کے مقابل میں ساکت و خاموش بیٹھ نہیں سکتے تھے اور فکری و علمی مبارزہ و دفاع سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔

اس لحاظ سے ہمارے معصوم پیشواؤں میں سے ہر ایک کی زندگی مستضعفین کی طرف سے مقابلوں، مبارزوں اور دفاع سے معمور نظر آتی ہے۔ اس مقدس مقصد کی تکمیل کیلئے ان حضرات میں سے کئی ایک بزرگواروں نے ایجابی صورت میں اور مثبت اقدام فرمایا ہے اور منزل شہادت تک پیش رفت کی ہے جیسے سردار مجاہدین، مولائے موحدین، امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام اور آپ کے فرزندان ارجمند حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام، اور دوسرے کئی بزرگواروں نے اپنی ذمہ داری اور اپنے فریضہ کے مطابق اس راہ میں قدم اٹھائے ہیں، ہمارے مقالہ کے ہیرو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روش و رفتار اسی دوسرے نہج و طریقہ پر تھی۔

میدان سیاست میں

امام ہفتم علیہ السلام معصوم اور سچے ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے وہ مضبوط ترین و مستحکم ترین پیشوا تھے جن کو ظالم عباسی حکومت اور ہارون رشید کی غلط و بے ڈھنگی سیاست کے مقابلہ میں لفظ "نہ" کہنے اور اس دو حرف لفظ "نہ" کہنے کے نتیجہ میں آپ کو چودہ سال مسلسل حبس کے درمیان بعض اوقات بجید مختصر زمانہ آزادی کا بھی نصیب ہوا، بصرہ، کوفہ اور بغداد کے مختلف قید خانوں میں زندگی گذارنی پڑی اور آخر الامر زندان ہی میں جام شہادت نوش کرنا پڑا، لیکن ثابت قدمی، استقامت و پائداری، رزمندگی اور زور و زر و تزویر (فریب کاری) کے مقابلہ میں عدم سپردگی کا جو درس آپ نے ہمیں دیا ہے، اس لحاظ سے "قہرمان ارادہ و تصمیم" کا لقب و عنوان جو استقامت و پائداری و عزم مصمم کے اس کوہ گراں کی شخصیت و سیرت کے اعتبار سے بہت حقیر و معمولی لقب ہے حضرتؑ کی بارگاہ عظمت میں پیش کیا جاتا ہے، آپ نے انقلابی مبارزات و نبرد آزمائیوں کے میدان میں اپنے اس انقلابی و دلیرانہ عمل کے ذریعہ اپنے پیروؤں کو حریت اور آزادی ضمیر کے ساتھ جینے کا سلیقہ سکھایا ہے اور آپ کا یہ ناقابل فراموش درس حقیقۃً کتابوں اور مقالوں کی کئی ہزار جلدوں اور گفتگوؤں کے برابر قدر و قیمت اور واقعی اعتبار رکھتا ہے۔

کاشتکاری کے میدان میں

ہمارے تمام معصوم پیشواؤں اور اماموں کی مقدس زندگی میں زراعت و کاشتکاری اور جانوروں کی پرورش ثابت شدہ امر ہے، اور یہ حضرات اپنے ان رائج و معمولی مشغلوں میں قابل دید و لائق تاسی کوشش اور جد و جہد فرماتے تھے اور اس امر

میں ان حضرات نے پیغمبر اسلامؐ سے الہام وسبق لیا تھا، جو آنحضرتؐ نے بارہا فرمایا تھا کہ:

"کاشتکاری وکھیتی باڑی اللہ کے انبیاء ومرسلینؑ کا پیشہ ہے اور رہا ہے۔"

یہ حضرات پیغمبر گرامی قدر اسلامؐ کے اس عملی درس کی قدر کرتے تھے، آنحضرتؐ ایک جگہ مزدور ومحنت کش کاشتکار کے ہاتھوں کو مورد نوازش قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ ہاتھ ہیں جو آتش جہنم تک ہرگز نہیں پہنچینگے۔"

اور ان حضراتؑ نے آنحضرتؐ کے اس فرمان کو اپنی حیات مقدسہ کے لائحۂ عمل کا سرنامہ قرار دیا تھا جو حضرتؐ نے ایک مقام فرمایا ہے کہ:

"جو شخص اپنے اہل وعیال واطفال کی راحت وآسائش کیلئے جدوجہد کرتا اور زحمتیں برداشت کرتا ہے وہ اس مجاہد وسپاہی کی طرح ہے جو راہِ خدا میں اور اس کے فرمان کے جاری کرنے کی غرض سے جنگ کرتا اور جانبازی دکھاتا ہے۔"

اسی لحاظ سے امام ہفتمؑ بھی کاشتکاری وکھیتی باڑی کے امور میں خود مشغول رہتے اور مسلسل محنت وکوشش فرماتے تھے۔

شہید استاد مطہریؒ نے کتاب "داستان راستان" (جلد ا صفحہ ۱۵۹) میں ایک مختصر سا قصہ بیان کیا ہے جسے ہم بعینہ انہیں کی عبارت میں اس زادِ نامہ میں نقل کرتے ہیں کہ اس مرحوم فقید علم وایمان کی ایک یادگار بھی رہے، ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک زمین میں جو حضرت ہی سے متعلق تھی خود بہ نفس نفیس کام اور زمین کے درست کرنے میں مشغول تھے، زیادہ محنت و مشقت کی وجہ سے حضرت کا جسم مبارک سر سے پاؤں تک پسینہ پسینہ ہو رہا تھا علی بن حمزہ بطائنی اسی موقع پر وہاں پہنچ گئے اور عرض کیا: "میں آپ پر فدا

ہو جاؤں، یہ کام آپ دوسروں (نوکروں، غلاموں) کے ذمہ کیوں نہیں فرما دیتے؟

امامؑ:۔ دوسروں کے حوالے کیوں کروں؟ جو افراد مجھ سے بہتر تھے وہ ہمیشہ ان کاموں میں مصروف رہے ہیں۔

"مثلاً کون اشخاص؟"

"جناب رسول خداؐ، جناب امیر المومنینؑ اور میرے تمام آباء واجداد زمین میں کام کرنا اور جدوجہد کے ساتھ مصروف رہنا بنیادی طور انبیاء و مرسلینؑ، اولیاء، انبیاءؑ اور خدا کے صالح بندوں کی سنت ہے۔"

امامؑ اپنے اس عمل سے اپنے مکتب کے پیروؤں اور عقیدتمندوں کو یہ بتا رہے تھے کہ نہ صرف یہ کہ کام کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے خواہ وہ کسی درجہ و مرتبہ والا آدمی ہو، اور کوئی شخص اور کوئی شخصیت ہو، بلکہ کام کرنا اور محنت و مشقت کے ساتھ اسے انجام دینا انبیاء و اولیاء خدا کیلئے زیب و زینت تھا اور ہے، اور اگر کوئی قوم اپنا واقعی استقلال چاہتی ہے اور دوسری اقوام و ملل سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کیلئے محنت و جانفشانی، تلاش و جدوجہد کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور وہ بھی بالخصوص کاشتکاری اور روزی پیدا کرنے کے میدان میں۔

شہادت

پچیسویں رجب اس مرد دلیر کی شہادت کی یاد دلاتی ہے جس نے اپنے زمانہ کی مسلط و جابر طاقت کے مقابلہ میں "نہیں" کہا اور اس کے نتیجہ میں اس منزل تک پہنچ گئے کہ ہارون کی طاغوتی حکومت نے اپنی عیب دار و ذلیل زندگی کو باقی رکھنے

کیلئے اپنی تمام قوتوں اور تمام وسائل کو زمانہ کے ایک حُر اور حُریت نواز انسان کے خلاف بروئے کار لایا، یہ ایک کلمہ "نہیں" ہارون کی فاسد حکومت کیلئے بیحد گراں تھا، امام نے "نہیں" کہا اور تمام علوی نبرد آزما اور مبارزہ کرنے والے یکجا ہو کر حضرتؑ کے پہلو میں صف بستہ ہو گئے اور پھر انقلابی اقدامات شروع کر دیئے اور باطل پر حق کی فتح و ظفر اور حرمت و رسالت اسلام کی حفاظت کی راہ میں جان کی بازی لگا دی، اور تنگ و تاریک قید خانوں، دار و رسن کی مشقتیں برداشت کرنے یہانتک کر جان دیئے تک پائداری ثابت قدمی کا ثبوت دیا اور ایسے ایسے نمایاں و عظیم کارنامے بطور یادگار چھوڑ گئے جس کا سلسلہ بنی عباس کی ظالم و جابر حکومت کا تختہ الٹ جانے تک جاری رہا، اور اس انقلابی اقدام نے دنیائے اسلام کے آزادی بخش رہبر و قائد کے نام کو جاوداں کر دیا، اور اب بھی جبکہ امامؑ کے مبارزات کو کتنی صدیاں گذر چکی ہیں آزاد و حریت پسند و عدالت خواہ لوگ ہارون کی ظالم حکومت کو نفرت و لعنت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور انسانیت کے خلاف نقشہ و پلان بنانے والوں کو انسان کے لفظ سے پکارے جانے کے لائق نہیں سمجھتے۔

ہارون اور دوسرے ظالم مادیت پسند اور کارٹر صفت افراد یہ ادراک کر ہی نہیں سکتے کہ راہِ خدا میں شہادت اور مقاصد اسلام کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کیلئے خون کا ایثار ان مردانِ خدا کا بلند ترین مقصد ہوتا ہے جو حقیقی مجاہدین اور قافلہ انسانیت کے معصوم قائدوں کے بہترین نمونہ ہوتے ہیں، اگر دوسرے لوگ لیت و لعل کے ساتھ اور شہادت کے عشق میں امید و آرزو کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں تو ان لوگوں نے اپنی روزانہ زندگی کے دستور میں شہادت کو مخصوص مقام دیا ہے اور اس انتظار میں ہیں اور رہتے ہیں کہ شہادت کی سعادت انہیں نصیب ہو، کیونکہ ان لوگوں کی شہادت جانبازی

وجاں نثاری اور خون کے ایثار کو قابل تاسی نمونہ کے عنوان سے دوسرے رہروان راہ حقیقت وعدالت کیلئے گوارہ وپسندیدہ بنادیتی ہے اوران کی شہادت کے بیش بہا شہد کو حق وانصاف کے راہ پیماؤں کے دہن میں شیریں تر اور لذیذ تر کر دیتی ہے اور اس ترتیب سے یہ لوگ اپنے مقدس مقصد سے نزدیک تر ہو جاتے ہیں۔

ہمارے اس مقالہ کے ہیرو کی مجاہدہ وتلاش سے بھری ہوئی زندگی ان جانبازیوں اور قربانیوں کے انھیں نمایاں روشن نمونوں میں سے ایک ہے۔

وہ ۱۷۹ھ تھا جب ہارون نے مراسم حج ادا کرنے کے بعد ان بعض چغل خوریوں اور غلط خبروں کی بنا پر جو اسے امام علیہ السلام کے روحانی مشاغل کے بارے میں لوگوں نے پہنچائی تھیں۔ امامؑ کو مدینہ سے شہر بدر کر کے قید ونظر بند کر دیا۔ لیکن ہارون کی مسلسل وبار بار کی قید وبند امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو حق وحقیقت گوئی سے باز نہ رکھ سکی اور نہ آپ کو ہارون کا مطیع وفرماں بردار بنا سکی نہ آپ کے کان اور زبان پر کوئی بندش عائد کر سکی، اس نے آپ کو بصرہ میں عیسیٰ بن جعفر حاکم شہر بصرہ کے پاس بھیجا، اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے مخصوص باڈی گارڈ فضل بن ربیع کی نگرانی میں دیدیا پھر فضل بن یحییٰ برمکی کی تحویل میں اور آخری مرتبہ سندی بن شاہک کی قید میں محبوس کر دیا کہ صرف اس ملعون کی قید میں آپ چار سال سے زیادہ عرصہ تک رہے جس میں آپ صرف مقید ہی نہیں تھے بلکہ بہت سی نامناسب روحانی وجسمانی مشقتوں اور تکلیفوں سے بھی دوچار تھے۔

صاحب ارشاد (جناب شیخ مفیدؒ) کا بیان۔

"جس وقت ہارون رشید اپنے سفر حج کے سلسلہ میں مدینہ وارد ہوا تو امامؑ اشراف

مدینہ کی ایک جمعیت کے ساتھ اس کے استقبال کو تشریف لے گئے، اس سے ملاقات کے بعد حضرت مسجد رسولؐ میں واپس آئے، جس وقت ہارون قبر رسولؐ کی زیارت کیلئے مسجد النبیؐ میں گیا تو اپنی گفتگو کے ضمن میں قبر رسولؐ کی طرف خطاب کر کے یہ کہا

یا رسول اللہ انی اعتذر الیک من شیئ ارید ان افعلہ ارید ان احبس موسیٰ بن جعفر فانہ یرید التشتت بین امتک وسفک دمائہا"

اے پیغمبر خدا! میں ایک چیز کے بارے میں آپ سے عذر خواہی کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ آپ کے فرزند موسیٰؑ بن جعفرؑ کو مقید کر دوں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی اُمت (مسلمانوں) کے درمیان اختلافات و تفرقے پیدا ہوں جو ان کی خونریزی کا باعث ہوں)۔

اس برائت و صفائی کی زیارت جو ظالموں کا قاعدہ ہے کے بعد گرفتاری کا حکم دیا اور امامؑ کو لوگوں نے مسجد رسولؐ ہی میں گرفتار کر لیا اور ہارون کے سامنے لائے اور حضرت کو پابند سلاسل کیا، اس کے بعد دو محملیں تیار کیں جو دو خچروں پر باندھی گئیں اور ایک محمل کے ساتھ ایک جمعیت کو بصرہ کی طرف روانہ کیا اور دوسری محمل کو کوفہ کی طرف اور اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ منزل لوگوں پر مشتبہ ہو جائے اور یہ نہ جان سکیں کہ حضرتؑ کو کہاں اور کس شہر کی طرف روانہ کیا گیا ہے، اور اس طریقہ سے امامؑ کو بصرہ عیسیٰ بن جعفر حاکم بصرہ کے پاس لیکر پہنچے اور اس وقت ایک سال تک حضرت اسی کے زیر نگرانی مقید رہے،

امامؑ ہمیشہ حالت نماز میں فرماتے تھے، "خدایا میں ہمیشہ تجھ سے عبادت کیلئے فرصت و اطمینان کی دعا کیا کرتا تھا، تو نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی لہذا میں تیرا شکر گذار ہوں۔"

ہارون نے حاکم بصرہ کو امام کے قتل کر دینے کا منصوبہ بنا کر اس سلسلہ میں ایک خط بھیجا اس نے اپنے خاص آدمیوں سے اس کے متعلق مشورہ اور تبادلۂ خیالات کیا، ان سب نے اس کو اس عمل سے کنارہ کش رہنے کی رائے دی اور اس اقدام کی عظیم مسؤلیت سے ہشیار کیا، یہانتک کہ عیسیٰ حاکم بصرہ نے ہارون کے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا :۔

"موسیٰ بن جعفرؑ کے قید و بند کی مدت طولانی ہو چکی ہے لیکن میں نے اس طولانی مدت میں مختلف وسیلوں اور طرح طرح سے ان حضرت کے ساتھ ہم نشین ہونے پر مقرر کیا تا کہ ان کی دعاؤں، مناجاتوں اور گفتگوؤں کے مضمون سے اطلاع و آگاہی حاصل کریں، مگر سب نے بیک زبان یہی بیان کیا کہ وہ حضرت ایک ایسے شخص ہیں جو عبادت خدا اور دعاؤں سے تھکتے ہی نہیں، اور ہمیشہ اوامرِ الٰہی کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں، اور ابھی تک مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں تیرے خلاف یا میرے خلاف دعا بد فرماتے ہوں یا لعن و نفرین کرتے ہوں، آپ کی تمام دعاؤں اور مناجاتوں کا مضمون طلب مغفرت و بخشش اور مسلمانوں کی حالت کی عمومی اصلاح کی دعا ہوتا ہے ....."

صوان کا امتحان کیا اور کبھی اپنے جاسوسوں کو مختلف حیلوں اور بہانوں کے ساتھ

اگر تم کسی دوسرے شخص کو حکم دیدو کہ وہ حضرت کو مجھ سے لیکر اپنی نگرانی میں رکھے تو بہتر و مناسب تر ہوگا، ورنہ میں اس سے زیادہ حضرت کو اپنے پاس مقید نہیں رکھ سکتا اور انھیں آزاد کر دوںگا، کیونکہ حقیقت یہ ہے میں حضرت کی نگہداشت سے خود بے حد رنج و تعب میں مبتلا رہتا ہوں میں اپنے ضمیر و وجدان سے بے حد بے چین و متاثر ہوں۔

(ارشاد شیخ مفیدؒ ص ۲۵۱ طبع نجف اشرف، نورالابصار شبلنجی ص ۱۴۹، اسعاف الراغبین ص ۲۴۸)

بغداد کی طرف حضرتؑ کی منتقلی

ہارون نے عیسیٰ کا خط پڑھنے کے بعد حکم دیا کہ حضرت کو بصرہ سے بغداد لایا جائے اور خود اس کی نگرانی میں رکھا جائے، (چنانچہ حضرت بصرہ سے بغداد منتقل کئے گئے) اور ہارون نے اپنے خاص باڈی گارڈ کے افسر اعلیٰ فضل بن ربیع کے سپرد کیا تاکہ وہ حضرت کی لازمی نگرانی کرے۔

فضل نے حضرت کو اپنے مکان کے ایک حجرہ میں جگہ دی اور خاص افراد کو حضرت کے روحانی حالات و کیفیات کی دریافت و تحقیق اور جاسوسی اور جملہ امور سے آگاہی و اطلاع حاصل کرنے کیلئے معین کیا تاکہ وہ سب حضرت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ دقت و باریکی کے ساتھ سراغ حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔

لیکن امامؑ ان تمام مسائل سے لاپرواہو کر صرف اپنے پروردگار کی طرف متوجہ تھے اور ہمیشہ اطاعت و عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اکثر دنوں کو روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو صبح تک تہجد و مناجات میں مصروف رہتے تھے، اور عبادت و مناجات سے ایک لمحہ کیلئے بھی فارغ نہیں بیٹھتے تھے۔ فضل بھی امامؑ کے ان اعمال و عبادات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے ضمیر و وجدان سے شرمندہ و متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اور اپنے ضمیر کی آواز سے برد آزمائی میں ایک حد سے زیادہ ہٹ دھرمی پر قائم نہ رہ سکا، اور اس کے نتیجہ میں اس نے امام کی قید و بند میں قدرے گنجائش دی، اور حضرت کی تعظیم و تکریم و احترام و تحصیل رضامندی کی کوشش کرنے لگا۔

ہارون، علاقہ "رقہ" میں اس وقت مقیم تھا، کہ جاسوسوں نے اس کو امام کے

ساتھ فضل کے محبت و احترام آمیز برتاؤ کی خبر پہنچائی، وہ فضل کے اس فعل سے بہت رنجیدہ ہوا اور اس کو خط لکھا۔

"تیرا یہ عمل مجھے سخت ناگوار گذرا ہے، تجھے حکم دیا جاتا ہے کہ یہ خط پانے اور پڑھنے کے بعد حضرت کو قتل کر دے۔"

فضل نے خط پڑھا لیکن حکم پر عمل کرنے سے احتراز کیا اور یہ خبر بھی ہارون تک پہنچا دی گئی، چنانچہ اس نے ایک خط عباس بن محمد کو لکھا "تم لوگ موسیٰ بن جعفرؑ کے حالات پر کڑی اور گہری نظر رکھو اور اگر وہ فضل کی تحویل آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں تو تم لوگ انہیں فضل سے لیکر اپنی نگرانی میں رکھو۔"

اور ایک دوسرا خط اس نے سندی بن شاہک کو لکھا جو رذالت و کمینہ پن اور شقاوت و سنگدلی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا، اس خط میں اس کو لکھا تھا "اس خط کے پہنچتے ہی وہ محمد بن عباس کے اوامر و احکام کے مطابق مکمل طور سے عمل کرے۔"

قاصد نے دونوں خطوط دونوں مقامات پر پہنچائے، اور ہارون کا جاسوسی شعبہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا، اور حقیقت کو آشکار کر دیا، ہارون نے فضل بن یحیٰی کے حاضر ہونے کا حکم صادر کیا، اور پھر اس کو سندی بن شاہک کے سامنے لوگوں نے برہنہ کیا اور اس کے برہنہ جسم پر سو تازیانے لگائے اور ہارون کو تعمیل حکم کی اطلاع دیدی،

ہارون نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ فضل نے خلیفہ وقت کی اطاعت سے سرتابی کی ہے اسلئے اس کو لعنت و نفرت کا سزاوار قرار دیا جاتا ہے، اس کے بعد کہا: "میں اس پر لعنت کرتا ہوں، تم اس پر لعنت کرو، لوگ تو حالات سے لاعلم و بے خبر تھے ہی فوراً سب ہارون کے ہم آواز ہو گئے، یہ خبر جب فضل کے باپ یحیٰی بن خالد کو ملی تو وہ فوراً خلیفہ

کے پاس حاضر ہوا اور فضل کے بارے میں سعی و سفارش، صفائی و رفع اشتباہ کی کوشش میں مصروف ہوگیا اور کہا، "ابھی وہ جوان ہے اور کافی تجربہ نہیں رکھتا، اس کے ذمہ جو خدمت تھی میں اسے خواہش کے ساتھ قبول کرتا ہوں، اور تمہاری خوشدلی کا سامان فراہم کر دوں گا۔"

ہارون خوش ہوگیا اور فضل کی تقصیر و کوتاہی سے درگذر کی، اور لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ "فضل ایک امر میں مخالفت و سرتابی کا مرتکب ہوا تھا لیکن اب اس نے توبہ کر لی ہے لہٰذا میں نے اُسے معاف کیا، تم سب بھی اس کو معاف کر دو۔"

ان تمام زبان بستہ لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا ہم سب اس شخص کے دوست ہیں جسے خلیفہ دوست رکھتا ہو اور اس شخص کے دشمن ہیں جسے خلیفہ دشمن رکھتا ہو۔

یحییٰ بن خالد بلند مرتبہ افسران کے ساتھ رقہ کی طرف روانہ ہوا، لوگ اس کے استقبال کیلئے دوڑے اور اسے چاروں طرف سے اپنے حصار میں لے لیا اور اس سے حالات سفر کے متعلق سوال کرنے لگے، اس نے لوگوں کو خوش کرنے کی غرض سے کہا کہ: "میں مالیات کی اصلاح و تعدیل اور خلیفہ کے ملازمین کے امور کی نگرانی کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔" چنانچہ اولاً چند روز وہ اسی قسم کے کاموں میں بظاہر مشغول رہا لیکن چند روز کے بعد اس نے سندی بن شاہک کو اپنے پاس بلوایا اور امام موسیٰ بن جعفرؑ کے قتل کے بارے میں ہارون کے مخصوص حکم سے اس کو آگاہ کیا اور اس نے بھی اُسے قبول کر لیا۔ اور پھر ایک روز حضرت کے کھانے میں زہر ملا دیا اور اُسے حضرت کو کھلا دیا، بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ زہر خرما میں ملایا تھا! بہر طور جیسے بھی زہر دیا گیا ہو، دیا گیا اور امامؑ اس زہر کے اثر سے ایسے تپ شدید میں مبتلا ہو گئے کہ فقط تین دن زندہ رہ سکے

اور تیسرے روز جان کو جان آفریں کے سپرد کیا، اور احکام خداوندی کی تبلیغ کی راہ میں درجۂ عالیہ شہادت حاصل کیا۔" (داستان مسمومیت امامؑ کو علماء و مورخین اہل سنت میں سے علامہ ابن صباغ مالکی نے الفصول المہمہ ص۲۴۰ میں، شبلنجی نے نورالابصار ص۴۹۱ میں، ابن صباغ مالکی نے اسعاف الراغبین ص۱۴۸ میں، ابن حجر ہیثمی نے الصواعق المحرقہ ص۱۹۱ میں، سید محمد عبدالغفار نے ائمۃ الھدٰی ص۱۱۱ میں، مسعودی نے مروج الذہب جلد ۳ ص۳۶۵ میں نقل کیا ہے، مسعودی نے اپنی اسی کتاب میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ، موسیٰؑ بن جعفر نے ہارون کی حکومت کے پندرہویں سال ۵۴ سال کے سن میں بغداد میں مسموم ہو کر دنیا سے رحلت فرمائی۔)

بغرض فریب دہائی ایک مجلس کی تشکیل

مسمومیت کے نتیجہ میں امامؑ کی شہادت کے بعد سندی بن شاہک نے چند درباری زرخرید علماء، کہ جن کے درمیان "ہیثم بن عدی بھی" تھا اور بغداد کے چند معتمد سفید داڑھی والوں اور فوجی افسروں کی ایک جماعت کو امامؑ کے جنازہ کے پاس جمع کیا تاکہ وہ سب کسی قسم کی ظاہری یا باطنی جراحت و زخم خوردگی، مسمومیت اور اس کی امامؑ کے ساتھ دوسری جنایت کاریوں کے آثار و علامات کے نہ ہونے کی تصدیق و گواہی کر دیں اور اس سلسلہ میں ایک تحریر پر دستخط کر دیں کہ امامؑ نے اپنی طبعی موت سے انتقال فرمایا ہے، ان تمام مقامی معتمدین اور ایمان سے عاری مومن نماؤں نے گواہی دی اور اس کاغذ پر اپنے اپنے دستخط کر دیے کہ موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنی طبیعی موت سے انتقال فرمایا ہے۔

ہارون کا مقصد

امامؑ کو قید خانوں میں مقید رکھنے سے ہارون کی غرض و غایت کیا تھی؟ یہ ایک سوال ہے جو مورخین کی نگاہوں اور توجہ کو اپنی طرف موڑتا ہے، ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ امامؑ کو مقید و نظر بند رکھ کر حضرت کے شیعوں اور پیروؤں کے ساتھ حضرت کے عملی رابطہ کو منقطع کر دے اور اس طرح سے شیعوں کی ترقی اور ان کے علمی و تعلیمی استقلال کو بخیال خویش شدید ترین و ناقابل تلافی نقصان پہنچائے لیکن وہ اس امر سے غافل تھا کہ فقہ جعفری کی حقیقت اور باطنی طاقت اپنی طبعی رفتار کو خود ہی تکمیل و ترقی عطا کرنے میں مصروف تھی اور لوگوں کے دلوں اور رجحانات کو اپنی طرف مائل کرتی جا رہی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ امامؑ کو مقید و نظر بند رکھنے سے نہ صرف یہ کہ علمی حیثیت سے معمولی سا وقفہ بھی رونما نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس دلوں میں امامؑ کی قدر و منزلت اور حضرتؑ سے عقیدت بڑھتی اور قوت پکڑتی گئی اور حضرتؑ کی محرومیت حضرتؑ کی محبوبیت کا بڑا سبب بن گئی۔

ایک دوسری جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ امامؑ کو مقید رکھنے سے ہارون کا مقصد یہ تھا کہ حضرتؑ کے دوسرے لوگوں سے رابطوں، تعلقات اور آمد و رفت پر نظر رکھے اور علویین جن میں حضرتؑ کی ذات مغز مفکر کی حیثیت رکھتی تھی کی طاقتوں کو کسی ایک مرکز پر مجتمع ہونے سے باز رکھے لیکن یہ امر بھی علاوہ اس کے کہ ہارون کی حالت کیلئے کسی طرح نفع بخش ثابت نہیں ہوا بلکہ علویین کے عملیات کی شدت میں کئی گنا اضافہ کا باعث بن گیا، اور ان کو انتقام گیری کے جذبات کے لحاظ سے بھی زیادہ مضبوط اور زیادہ

مستحکم و شدید بنا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ لوگ اس راہِ خلافت کے قوی ترین مانع اور سنگین رکاوٹ بن گئے۔

لوگ کہتے ہیں کہ: جنازۂ امامؑ کو جسرِ بغداد پر رکھنے کا سبب شاید یہ اصل رہی ہو جس کا شیعوں کی ایک جماعت امام ہفتمؑ کے بارے میں عقیدہ رکھتی تھی کہ امامؑ ہی قائم منتظر ہیں اور امام کی طولانی قید و بند نے اس عقیدہ کو زیادہ مستحکم کر دیا تھا چنانچہ وہ لوگ یہی کہتے تھے کہ یہ طولانی قید دراصل غیبتِ قائم ہے، غالباً یحیٰ بن خالد نے اسی خیال سے حکم دیا کہ مجمع عام میں اعلان کریں کہ "یہ انھیں موسیٰ بن جعفرؑ کا جنازہ ہے جنکے متعلق رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ یہی قائم منتظر ہیں جنھیں موت نہیں آئے گی" چنانچہ سبھی لوگوں نے جنازہ کو دیکھا اور حضرتؑ کے انتقال کی گواہی دی۔

بہرحال حقیقت جو بھی ہو اتنا تو مسلم امر ہے کہ امامؑ ہارون کی ڈکٹیٹری اور اس کے ظلم وستم سے مقابلہ کے نتیجہ میں شہید ہوئے، اور ہارون رشید امامؑ کی شان میں جن اہانت آمیز حرکتوں، گستاخیوں اور بے ادبیوں کا مرتکب ہوا ان سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں اور ہارون ہی کو امامؑ کے قتل و شہادت کا اصل سبب جانتے ہیں۔

امام علیؑ بن موسیٰؑ الرضاؑ
توحید کے مبلغ

اسلام عالمگیر توحیدی حکومت کی بنیاد پر استوار ہوا ہے،
توحید ہی ہے جو بشر کو ذلتوں اور رسوائیوں سے نجات دلاتی ہے۔

۱۱ ذیقعدہ دنیائے اسلام کے آٹھویں برحق و معصوم امام حضرت رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی سالگرہ کا مبارک دن ہے، اور ہمارے چودہ بزرگوار معصومین علیہم السلام میں سے امام ہشتم ؑ کی واحد ذات ہے جن کے وجود مبارک نے سرزمین ایران میں اپنی ابدی آرام گاہ کے ذریعہ ہم ایرانیوں کو افتخار بخشا ہے۔

امام رضاؑ نے ۱۴۸ھ ہجری میں اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادقؑ بنیان گذار فقہ جعفری کی رحلت کے ٹھیک ۱۹ روز بعد میدان حیات میں قدم رکھا اور دنیائے علم و معرفت اور عالم فضیلت و تقویٰ کو اپنے قدم مبارک سے زینت و افتخار بخشا، آپ کی زندگی و امامت کا زمانہ جو فقط بیس سال تک رہا اس زمانہ سے مقارن تھا جسے علوم اور افکار و عقائد کے ٹکراؤ اور ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کے اور یونان و اسکندریہ کے تصنیفات و معارف کے عربی زبان میں ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے طرح طرح کے نظریات و عقائد اسلامی ماحول میں پھیلتے جا رہے تھے اور اسی ضمن میں عقائد و آراء میں تضاد ٹکراؤ کی

صورتیں بھی سامنے آتی تھیں اور اس رہ گذر میں لوگوں کی واحد تکیہ گاہ انھیں امام معصومؑ کا فیض رساں وجود تھا۔

امام رضاؑ علم و دانش کی ترقی اور معارف اسلامی کی ترویج کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول فرماتے تھے اس انداز سے کہ آپ کی پرفیض و پرکشش مجلس شاگردوں اور طالبان علوم کی کثرت سے ہمیشہ موجزن رہتی تھی، اور مختلف مذاہب و عقائد کے پیشواؤں اور مختلف جماعتوں کے فکری رہبروں سے امامؑ کے مناظروں اور مباحثوں کے پرجوش جلسے مشہور و معروف ہیں، اور خلافت اسلامی کے خاص مرکز میں خلیفہ کے روبرو امام عالی مقام اور ادیان و مذاہب کے مشہور و نامور علما جو دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ سے اس مرکز کی طرف آتے تھے کے درمیان بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے اور ہمارے آٹھویں امامؑ ان بحثوں کے ضمن میں مذاہب و ادیان کے علما، وصاحبان نظر کے سامنے دین اسلام کے حقائق کی تشریح و توضیح فرمایا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ مناظرے مباحثے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں گہرے اثرات کے حامل ہوتے تھے، امام عالی مقام کی تاریخ زندگی میں ثنویہ (دو خداؤں کا اعتقاد رکھنے والے) کے ساتھ اجتماعات دہریوں اور طبیعیوں کے ساتھ مباحثے، کیتھولک عیسائیوں (جاثلیق) کے ساتھ مناظرے یہودیوں (راس الجالوت) کے ساتھ مجادلے اور زندیقوں و بے دینوں سے بحث و تمحیص کے واقعات ثبت ہیں، جن کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص امامؑ کی علمی و روحانی و ہدایتی مقام و منزلت کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

نیشاپور میں امامؑ کا کلام

نیشاپور ایک قابل توجہ حوزۂ علمی رکھتا تھا جو اس زمانہ کے علما، و دانشمندوں کا

فکری و علمی مرکز تھا، امام رضاؑ طوس جاتے ہوئے ایک روز جب اس شہر سے گذر رہے تھے تو یہاں کے علماء نے امامؑ سے درخواست کی کہ حضرتؑ اپنے جد بزرگوار کی کوئی حدیث تبرکاً و تیمناً بیان فرمائیں تاکہ ان کے دلوں کے صفحات پر بطور یادگار باقی رہے۔

امامؑ نے اس حالت میں کہ سادہ سا لباس زیب تن فرمائے ہوئے تھے اپنا نورانی چہرۂ مبارک حاضرین کے سامنے کیا جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے اور مکمل سکوت و خاموشی کا پہرہ ہو گیا، اس وقت حضرت وہ حدیث جو "حدیث سلسلۃ الذہب" کے نام سے مشہور ہے بیان فرمائی (جسکا مفہوم یہ ہے):۔

"اسلام کی بنیاد توحید جہاں بنی پر رکھی گئی ہے، کلمۂ توحید ایک مضبوط و مستحکم الٰہی قلعہ ہے، جو افراد اس قلعہ میں داخل ہو جائیں گے وہ عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے۔"

امامؑ نے یہ حدیث بیان فرما کر تھوڑی دیر توقف فرمایا پھر سر مبارک کو دوبارہ ہودج سے باہر نکالا اس حالت میں کہ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ حضرتؑ کچھ اور فرمانا چاہتے ہیں آپ نے حدیث مذکورہ میں ان کلمات کا اضافہ فرمایا: "لکن بشرطہا و شروطہا و انا من شروطہا" (لیکن ایک شرط اور کچھ شروط کے ساتھ اور میں اس کی شروط میں سے ایک ہوں یعنی عذاب سے نجات و بے خوفی و آسائش ولایت کی شرط کے ساتھ جو اپنے صحیح معنی و مفہوم میں ہو مکمل توحیدی نظام ہے۔

امام رضاؑ اور ولایت فقیہ

ولایت دسرپرستی اور عادلانہ و باخبر رہبری وحدانیت پرستی ہی سے پھوٹا ہوا چشمہ

ہے، اگر لائق اور سچے رہبر مصروف کار نہ ہوں تب بھی طاغوت زمانہ بجائے خدا کے حاکم بن بیٹھیں گے اور حکمرانی کرنے لگیں گے اور کلام خدا کی تاثیر اور توحیدی نظام کے بے نظیر اثرات ختم ہو جائیں گے۔

ولایت فقیہ اور فقہائے ربانی کی دینی پیشواؤں کی عصمت و ولایت کے عہدہ کی نیابت کرتے ہوئے سرپرستی و رہبری اسی توحیدی اصل سے پھوٹا ہوا چشمہ ہے خصوصاً اسلئے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ایک کلام اس سلسلہ میں موجود ہے جس کو نقل کرکے ہم اپنے مقالے کے اس گوشہ کو تمام کرتے ہیں۔

عبدالواحد محمد بن عبدوس عطار نیشاپوری نے امام رضا علیہ السلام سے "اولوالامر" کے بارے میں اور اس کے وجودی فلسفہ کے متعلق سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اسے جو مفصل جواب مرحمت فرمایا تھا وہ اسطرح ہے:

"چونکہ احکام و قوانین الٰہی روشن و واضح ہو چکے ہیں اور ان کا طور و طریقہ معین ہو چکا ہے، اور لوگ مجبور و ناچار ہیں کہ الٰہی مقررہ حدود سے سرمو تعدی و تجاوز نہ کریں اور ان قوانین کی حفاظت و نگہداشت کیلئے کسی صاحب قدرت اور واقعی پاسدار امانت دار فرد کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو حق کے دائرہ سے خارج نہ ہونے دے اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز و دست درازی نہ کرنے دے، اگر وہ فرد باقدرت مومن اور لوگوں کو تعدی و تجاوز سے باز رکھنے والا نہ ہوگا جو حقوق الٰہی کی طرف دفاع کر سکے تو لوگ خود غرضی و خود خواہی اور حصول منفعت کے جذبات سے مغلوب ہو کر دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنے سے کوتاہی نہیں کریں گے اور اس امر کا ایک دوسرا سبب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی قوم بھی بغیر کسی

سرپرست و نگراں کے اپنی زندگی و حریت کو قائم نہیں رکھ سکی ہے اسلئے امور دنیوی و اُخروی دونوں کیلئے کسی رئیس و سرپرست کا ہونا لازمی ہے، اور لوگوں کو ان کی اس ضروری احتیاج سے باز نہیں رکھا جا سکتا اور نہ انھیں اسی طرح بغیر سرپرست کے آزاد چھوڑا جا سکتا، اگر محض بدعتیوں، بے دینوں اور توحید کے منکروں کی دستبرد سے دین کی حفاظت و نگہداری کے عنوان سے بھی ہو تب بھی کسی سرپرست اور ولی کا وجود لازمی امر ہے، کیونکہ اگر کوئی سرپرست اور ولی اور احکام الٰہی کا محافظ موجود نہ ہوگا تو الٰہی شریعت و خدائی احکام اور سنتیں اور اسی طرح عبادت کے طریقے متغیر ہو جائیں گے اور اس تغیر و پراگندگی میں تمام لوگوں کی خرابی و تباہی پنہاں ہے۔"

امام ؑ کا طرز زندگی

امام رضا ؑ بہت سادہ و معمولی طرز کی زندگی بسر فرماتے تھے اور اس قدر بلند مرتبہ و عظیم المنزلت ہونے کے باوجود آپ اپنے خادموں کے ساتھ دسترخوان پر تشریف فرما ہوتے اور ان کے ساتھ غذا تناول فرماتے تھے، اور کھانا کھانے کے وقت جب تک تمام غلام و خدمتگار دسترخوان پر بیٹھ نہ جاتے آپ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے کئی بار لوگوں (عباسی دربار کے بعض متکبرین) کی طرف سے اس کی تاکید کی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ امام ؑ کے واسطے خاص غذا تیار کی جائے یا علیحدہ دستر خوان بچھایا جائے، لیکن امام ؑ نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی اور ان توقعات کے جواب میں فرماتے تھے کہ:۔

"مَہ ان الرّب تبارک وتعالےٰ واحد والاب واحد والام واحد والجنات بالاعمال"

(خاموش رہو! اس قسم کی بات نہ کرو! کیونکہ ہم سب کا خالق و پروردگار ایک ہے، ہم سب کے ماں باپ ایک ہیں اور جزائیں اعمال و کردار کے اعتبار سے دی جائیں گی، ایسی صورت میں کیسے میں اپنے کو الگ اور ممتاز کر سکتا ہوں) (۱)

مستضعفین و پسماندہ و محتاج افراد کا خیال

امامؑ کھانا کھانے کے وقت ایک بڑا سا پیالہ اپنے پاس رکھتے تھے اور ہر کھانے میں تھوڑا تھوڑا سا ان کا لکر اس پیالے میں رکھتے اور پھر حکم دیتے کہ اسے ان فقرا اور محتاجوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے جو معمولاً شہر کے کنارے اور گوشوں میں رہتے تھے اور سخت تاکید فرماتے کہ خبردار انکی کو ظاہر نہ ہونے دیں' اور فرماتے تھے کہ "جو شخص کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اُسے پوشیدہ رکھتا ہے تو اس کا ثواب کئی بار حج بجالانے کے برابر ہوگا۔" (۲)

ان بزرگوار کی تعلیمات اور حکمت آمیز باتیں

امام عالی مقامؑ کے ان گہربار کلاموں میں سے جو متواتر طور پر نقل کئے گئے ہیں مشہور و معروف حدیث 'حدیث سلسلۃ الذہب' ہے جو حضرت نے خراسان کی سفر میں مقام مرو (نیشاپور) پر ہزاروں استقبال کرنے والوں کے سامنے ارشاد فرمائی تھی، اس حدیث کا نام 'سلسلۃ الذہب' رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی روایت سلسلہ وار جبرئیل امین تک پہنچتی ہے اور جبرئیل نے زبان قدرت سے اسے اسطرح سنا کہ:

'کلمۃ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قالھا دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی"

(یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ اور اس فلسفہ پر اعتقاد الٰہی محکم قلعہ ہے پس جو شخص اسکا اعتقاد رکھے گا اور اس کی راہ میں دفاع کریگا وہ عذاب الٰہی سے محفوظ و بے خوف ہوگا)۔ اس حدیث نے آج اپنی پوری تجلی اور پورا مقام پالیا ہے مقصد توحید اور عظیم توحیدی نظام بہت بلند اور بہت مستحکم الٰہی قلعہ ہے، جو لوگ توحید و الٰہی نظام کے پرچم کے سایہ میں قدم بڑھائیں گے وہ روحی اضطراب سے محفوظ اور وجدان اور اندرونی و بیرونی بے چینیوں اور عذاب سے آسودہ و نجات یافتہ ہوں گے اور یہی توحیدی نظام جو جامعہ بشریت کی مادی و روحانی زندگیوں کا واقعی تکمیل کرنے والا ہے۔

شہادت

اپنی حیات مقدسہ کے آخری دنوں میں ایک روز امام ع نے نماز ظہر بجالانے کے بعد یاسر خادم کو بلایا اور پوچھا :-

"کیا تمام خدمتگاروں نے کھانا کھالیا ہے؟"

"آقائے نامدار! اس حالت میں کہ آپ کا مزاج اس قدر ناساز ہے، کھانے کی کسے فکر ہے؟"

امام ع کا نرم و نازک دل اس امر سے راضی نہیں ہوا کہ آپ کے گھر کے خدمتگار چند گھنٹے بھی بھوکے رہیں اور غذا انھیں گوارہ نہ ہو۔ امام نے اپنی آخری قوت کو جمع کیا اور بڑی زحمت و مشقت سے بستر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا :- "دسترخوان بچھاؤ۔"

خدمتگاروں نے جب امام کو اپنے درمیان دیکھا تو بڑے اشتیاق کے ساتھ دسترخوان لگایا اور کھانا لاکر چُن دیا، امام نے حکم دیا تو سب لوگ حضرت کے گرد جمع ہوگئے ، اور

دسترخوان کے کنارے بیٹھ گئے اور کھانا کھایا، اس اثنا میں امامؑ ایک ایک سے گفتگو فرماتے رہے اور ہر ایک سے اس کی حالت پوچھتے رہے، اجب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت نے حکم دیا کہ اب خواتین کیلئے دسترخوان لگائیں، یہانتک کہ تمام خواتین بھی کھانے سے فارغ ہو گئیں۔

اور اس کے فوراً بعد حضرت پر ضعف و نقاہت غالب آگئی اور آپ بے ہوش ہو گئے اور آخر کار وعدہ الٰہی پورا ہونے کا وقت آگیا اور حضرتؑ بڑے درد و رنج کے ساتھ دنیا سے آنکھیں بند کرلیں، یہ عظیم مصیبت ماہ صفر ۲۰۳ھ ہجری کے آخری دن شہر طوس میں نازل ہوئی اس وقت حضرت کی عمر مبارک کے ۵۵ سال، تین مہینے اور انیس روز گذرے تھے

امامؑ کی تشییع جنازہ اور دفن

امامؑ کی رحلت کے چند ہی لمحوں بعد مامون نے بحالت پریشان اپنے کو امامؑ کے گھر میں پہنچایا اور گریبان چاک کر ڈالا، آنسو بہارہا تھا اور اپنا سر پیٹ رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا لوگ حضرت کے گھر کے سامنے جمع ہوئے اور نالہ و فریاد گریہ زاری کی آوازیں بلند تھیں، کچھ لوگ حضرت کے قاتل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس کے ضمن میں کبھی کبھی مامون کا نام بھی سنائی دے جاتا تھا،

مامون نے یہ بات محسوس کی کہ اگر امامؑ کے جنازہ کی آشکارا طور پر اور ظاہر بظاہر تشییع ہوگی تو ممکن ہے ناگوار حالات و حادثات سے دوچار ہونا پڑے اس لئے حضرت کے اقرباء میں سے ایک شخص کو بلا کر حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کردے کہ حضرت کے جنازہ کی تشییع آج نہیں ہوگی، جب پبلک متفرق ہو گئی تو اس نے حکم دیا اس کے مطابق

راتوں رات حضرت کو غسل دیا گیا اور ہارون کی قبر کے قبلہ جانب جو حمید بن قحطبہ کے باغ میں واقع تھی حضرت کو سپرد خاک کیا گیا۔

وہ مقام جہاں پر اب بھی امامؑ کی قبر مقدس موجود ہے اور کروڑوں شیعیان اہلبیت اطہار کیلئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے اس زمانہ میں وہ مقام طوس کے قصبات و دیہات میں میں سے ایک چھوٹا سا گمنام گاؤں تھا جس کو سناباد کہتے تھے، اسی منطقہ میں حمید بن قحطبہ کا گرمی کے موسم میں رہائش کے لئے ایک محل تھا، یہ شخص عباسی دربار کے سرداروں میں سے ایک تھا جب ہارون خراسان کے سفر میں بیمار ہوا اور دنیا سے رخصت ہوا تو اسی محل میں دفن کیا گیا، مامون نے اولاً یہ چاہا تھا کہ امامؑ کی قبر ہارون کی قبر کے پہلو میں ہارون کی پشت سر کی جانب قرار دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا اور اپنی کوشش میں ناکام رہا آخر کار اس معصوم امامؑ کے پاک و مطہر جسم کو ہارون کی قبر کے قبلہ کی جانب سپرد خاک کیا گیا۔

اسی زمانہ میں جب دعبل خزاعی نے امامؑ کی خبر شہادت اور مقام دفن کے متعلق سنا تو حضرت کی مصیبت میں ایک مرثیہ کہا، منجملہ اشعار مرثیہ کے یہ دو شعر بھی ہیں۔

قبران فی طوس خیر الناس کلھم　　وقبر شرھم ھذا من العبر

ما ینفع الرجس من قرب الزکی وما　　علی الزکی بقرب الرجس من ضرر

(طوس میں دو قبریں پہلو بہ پہلو واقع ہیں، ایک بہترین خلق کی قبر ہے اور دوسری بدترین شخص کی، یہ بات عبرت کے قابل ہے۔

نہ تو اس ناپاک کو امامؑ کے طیب و طاہر جسم کی قربت کوئی نفع پہنچا سکتی اور نہ اس ناپاک جسم کی قربت سے اس طیب و طاہر جسم امامؑ کو کوئی ضرر پہنچ سکتا۔)

دعبل کا قول بالکل درست ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے

کہ ہارون کیلئے اتنا ہی دنیاوی فائدہ کافی ہے کہ امامؑ کے جسم اقدس کی برکت سے اس کی قبر بھی اسی طرح محفوظ رہ گئی ہے حالانکہ خلفاء بنی عباس کی قبریں عموماً گمنام و نامعلوم بلکہ معدوم ہیں، اسی طرح بنی امیہ کی قبریں بالکلیہ منہدم ہو چکی ہیں، نشان تک باقی نہیں رہ گیا ہے، اور ان کے اجسام نذر آتش ہو چکے ہیں۔

امام علیہ السلام کے مختصر کلمات

* ان اللہ یبغض القیل والقال واضاعة المال وکثرة السوال۔

خداوند عالم بیہودہ و فضول گوئی، مال کے ضائع و برباد کرنے، اور بہت زیادہ سوال کرنے کو دشمن رکھتا ہے۔

* من حدث نفسہ بالفقر بخل ومن حدثہا بطول العمر حرص۔

جس کے دل میں مفلسی و ناداری کا خیال پیدا ہو جاتا ہے، وہ بخیل ہو جاتا ہے۔ اور جس کے دل میں طول عمر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے وہ حریص و لالچی ہو جاتا ہے۔

* من حاسب نفسہ ربح ومن غفل عنہا خسر ومن خاف امن ومن اعتبر ابصر ومن ابصر فہم ومن فہم علم۔

جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کریگا وہ نفع میں رہیگا اور جو شخص اس سے غفلت برتیگا وہ گھاٹے میں رہے گا، جو شخص (خدا سے) ڈریگا وہ بے خوف رہے گا اور جو شخص نصیحت حاصل کرے گا وہ بینا ہو جائے گا اور جو شخص بینا ہو جائیگا وہ سمجھ جائیگا۔ اور جو شخص سمجھ جائے گا وہ دانا و صاحب علم ہو جائیگا۔

* صدیق الجاہل فی تعب

نادان وجاہل آدمی کا دوست ہمیشہ رنج میں رہے گا۔

٭ افضل المال ما وقی بہ العرض وافضل العقل معرفۃ الانسان نفسہ

بہترین مال وہ ہے جس سے آبرو کی حفاظت کیجائے، اور بہترین عقل انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا ہے۔

٭ المومن اذا غضب لم یخرجہ عن حق واذا رضی لم یدخلہ رضاہ فی باطل و اذا قدر لم یاخذ اکثر من حقہ۔

مرد مومن جب غضبناک ہوتا ہے تو اسکا غضب اسے حق سے خارج نہیں ہونے دیتا، اور جب وہ خوشنود ہوتا ہے تو اس کی خوشی اس کو باطل میں نہیں ڈال دیتی اور جب اسے قدرت حاصل ہوتی ہے تو اس قدرت کی وجہ سے اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔

٭ اجتھدوا ان یکون زمانکم اربع ساعات: ساعۃ للّٰہ لمناجاتہ، وساعۃ لامر المعاش وساعۃ لمعاشرۃ الاخوان الثقاۃ والذین یعرفونکم عیوبکم و یخلصون لکم فی الباطن، وساعۃ تخلون الذاتکم، وبھذہ الساعۃ تقدرون علی الثلاث الساعات۔

کوشش کرو کہ تمہاری زندگی کی ساعتیں چار حصوں میں بٹی ہوئی ہوں۔ ایک حصہ خاص اللہ کیلئے کہ تم اس میں اس سے مناجات کرو، ایک حصہ امور معاش و زندگی کیلئے، ایک حصہ ایسے دوستوں اور دینی بھائیوں کے وہاں آمد و رفت اور ان کی ہم نشینی کیلئے جو قابل وثوق واطمینان ہوں اور جو تمہارے عیبوں کو تمہیں بھجوا دیں اور اپنے دلوں میں بھی تمہارے لئے خلوص رکھتے ہوں اور ایک حصہ اپنی جائز و

حلال لذتوں اور تفریحوں کیلئے مخصوص کردو کر اس حصہ کے ذریعہ تم دوسرے تینوں حصوں پر بھی قادر ہو سکتے ہو۔

- من استغفر بلسانہ ولم یندم بقلبہ فقد استھزأ بنفسہ
جو شخص صرف اپنی زبان سے مغفرت کا طالب ہو اور اپنے دل میں شرمندہ و پشیمان نہ ہو تو وہ خود اپنی مذاق اڑا رہا ہے۔

- من سأل اللہ التوفیق ولم یجتھد فقد استھزء بنفسہ۔
جو شخص خدا سے توفیق کا خواستگار ہو اور خود کوشش نہ کرے تو وہ خود اپنا مذاق اڑا رہا ہے۔

- من سأل اللہ الجنۃ ولم یصبر علی الشدائد فقد استھزء بنفسہ۔
جو شخص خدا سے جنت کا خواہشمند ہو اور مشکلات اور سختیوں میں صبر نہ کرے تو وہ خود اپنا استھزاء کر رہا ہے۔

- من تعوذ باللہ من النار ولم یترک شھوات الدنیا فقد استھزء بنفسہ۔
جو شخص آتش جہنم سے خدا کی طرف پناہ لے مگر دنیاوی خواہشات کو ترک نہ کرے تو وہ خود اپنا مذاق اڑا رہا ہے۔

- من ذکر اللہ ولم یستبق الی لقائہ فقد استھزء بنفسہ۔
جو شخص خدا کو یاد کرے اور اس کی ملاقات کیلئے سبقت نہ کرے وہ خود اپنا استھزاء کر رہا ہے

- لا یستکمل عبد حقیقۃ الایمان حتی تکون فیہ ثلاث: التفقہ فی الدین، وحسن التقدیر فی المعیشۃ والصبر علی الرزایا۔
کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو مکمل نہیں کر سکتا جب تک اس میں یہ تین صفتیں نہ پائی جائیں۔ دین کے بارے میں گہری واقفیت رکھتا ہو اور امور معیشۃ میں حسن تدبیر

سے کام لیتا ہو، اور مشکلات و مصائب میں صبر کرتا ہو۔

٭ لیس العبادة کثرة الصیام والصلوٰة وانما العبادة کثرة التفکر فی امر اللہ۔

عبادت صرف روزوں اور نمازوں کی کثرت نہیں ہے بلکہ قابل قدر و قیمت عبادت خدا کے بارے میں زیادہ اور گہرا تفکر و تدبر اور اس کی معرفت کی کوشش کرنا ہے۔

(یادداشت) ۔ یہ آخری حصہ برادر مبارز استاذ سید علی "محقق کی کتاب" زندگانی پیشوائے ہشتم" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

٭٭٭٭٭٭٭٭

امام محمّد تقی علیہ السلام

مجاہدینِ راہِ حق کی نسلِ پاک کے ایک معصوم

ایک مبارک و مسعود پیدائش

عبادت و ریاضت کے مہینے رجب ۱۹۵ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے دن معارفِ اسلام کی نشر و اشاعت کے ادارے میں ایک نومولود نے عرصۂ حیات میں قدم رکھا جو مقامِ نبوت کا وارث اور اسلام کے حقائق عالیہ کا مفسر ہوا۔

برجِ امامت کے نویں روشن ستارے اور عصمت و طہارت کے گیارہویں کوکب درخشاں جو آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کے اکلوتے فرزند ہیں جن کا نام نامی "محمّد" رکھا گیا اس لئے کہ آپ اپنے جد بزرگوار پیغمبر گرامی قدر اسلام کے نظریات و مجاہدات کی تجدید کرنے والے تھے، اور اس کے بعد صفات زہد و ورع و تقوائے کی بنا پر جو آپ کی ذات میں نمایاں طور سے مشاہدہ کئے گئے "تقی" کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس سخاوت و بخشش کی بنا پر جو آپ راہِ خدا میں فرماتے تھے لقب "جواد" سے بھی مشہور و معروف ہوئے آپ کی با فضیلت و عفت مآب مادر گرامی جناب سبیکہ یا خیزران نامی ایک مصری خاتون تھیں جو ام ولد تھیں اور جناب ماریہ قبطیہ مادر جناب ابراہیم و زوجہ جناب رسول خداؐ کے خاندان سے

تعلق رکھتی تھیں۔

آپ فضیلت و تقویٰ کے لحاظ سے اس منزل پر تھے کہ ائمہ معصومؑ کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جو امام موسیٰ بن جعفرؑ سے منقول ہے اس میں امامؑ نے آپ کو اپنی خاص عنایات و توجہات سے نوازا ہے اور اپنے دوستداروں میں سے ایک شخص کو یہ وصیت فرماتے ہیں کہ "اگر تمہارے لئے اُن سے ملاقات ممکن ہو تو انھیں میرا سلام پہنچا دینا۔"

امامؑ نے اپنے معصوم پدر کی زیر نگرانی اور ایسی پرہیزگار و بافضیلت ماں کے آغوش الفت و محبت میں پرورش پائی اور رسالت اور عظیم الٰہی کی قبولیت و انجام دہی کیلئے آمادہ ہوئے، وہی امانت اور آسمانی مقدس فرمان جس کی انجام دہی کے ذمہ دار تمام ائمہ طاہرین یکے بعد دیگرے ہوتے رہے۔

ظاہری صفات

آپ کے جسمانی اوصاف و خصوصیات کو مورخین نے اسطرح بیان کیا ہے:۔

'معتدل مائل بہ بلندی قد و قامت، چہرہ مبارک کا رنگ گندمی مائل بہ سبزی، دندان ہائے مبارک سفید اور چھوٹے چھوٹے، ابرو باریک اور باہم ملے ہوئے، آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی، ناک اونچی اور باریک تھی۔" ہمارے نویں امام ابھی اپنی عمر مبارک کے پانچویں بہار میں تھے جب آپ کے پدر بزرگوار امام رضاؑ مدینہ سے عازم ایران ہوئے، اور دو سو تین سنہ ہجری تھا جب امام رضاؑ نے شہادت پائی تو یہ نومولود مسعود اپنی عمر مبارک کے ساتویں سال میں تھے کہ امامت کی ذمہ داریاں آپکے کاندھوں پر آگئیں۔

شیعیان آلِ محمدؐ عجیب و غریب مقدرات الٰہیہ سے اس بات کو بعید نہیں جانتے کہ ایک سات سال کا بچہ اُمت کی امامت اور ملت کی رہنمائی کیلئے منتخب ہو جائے جس طرح سے اس بات کو بعید نہیں جانتے کہ حضرت یحییٰ ؑ تو پیغمبر بن طفولیت میں پیغمبری کے عہدہ پر فائز ہوں یا حضرت عیسیٰ ؑ طفولیت و شیر خواری کے زمانہ میں پروردگار عالم کی خاص مہربانیوں کے مستحق قرار پائیں اور اپنی مادر گرامی کی عصمت و طہارت ثابت کرنے کیلئے الٰہی پیغام لوگوں تک پہنچائیں، اسی وجہ سے خاندان امیر المؤمنین کے دوستداران اور شیعیان آلِ محمدؐ کمال اخلاص و ایمان کے ساتھ امام جوادؑ کو آپ کے پدر بزرگوار کے بعد پیشوا و امام مانتے اور قبول کرتے ہیں چنانچہ آپکی امامت و پیشوائی کا آغاز اول ربیع الاول ۲۰۳ھ ہجری سے ہوتا ہے اور اکثر اسلامی مورخین کی تصریح کے بموجب آپ کی امامت کا دور پورے سترہ سال تک رہا۔

امامؑ کے القاب

لقب یا کنیہ ایک دوسرا نام ہوتا ہے جو ماں باپ کے اصل نام رکھنے کے بعد مولود کے اوصاف، عادات و اطوار، لیاقت و شخصیت کے پیش نظر عزہ و اقرباء یا اور دوسرے لوگ رکھ دیا کرتے ہیں اور اس قسم کی نام گذاری عرب کے ماحول سوسائٹی اور ادبیات میں بہت ہی خاص اہمیت اور بلند مقام کی حامل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے موقعوں پر تو یہ دوسری نام گذاری پہلی نام گذاری کو بھی پس پردہ کر دیتی ہے۔

امام محمد تقیؑ علاوہ "ابو جعفر ثانی" کی کنیت کے ذکر امام پنجم حضرت امام محمد باقرؑ کی کنیت ابو جعفر اول تھی، مزید کئی القاب رکھتے ہیں جن میں سے چار مشہور القاب کی

طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ **جواد**۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو لفظ جود سے لیا گیا ہے اور جس کے معنی بخشنے والا بخشش کرنے والا، اور راہِ خدا میں ایثار کرنے والا کے ہوتے ہیں، امام جوادؑ حاجتمندوں کو پہچاننے کے سلسلہ میں بصیرت کامل اور بخشش کرنے والا ہاتھ رکھتے تھے اور مسلمان حاجتمند آپ کے عطیات و عنایات اور مہر و محبت سے برابر بہرہ مند ہوتے رہتے تھے

علی بن عیسی اربلی صاحب کشف الغمہ کہتے ہیں:۔

"امام جوادؑ بخشش کرنے والوں کے سردار، سخاوت و کرامت کے مصداق کامل ہیں، کیونکہ احسان و کرم ائمہ طاہرینؑ ذاتی خصائص و خصائل اور ان کے ملکوتی طبائع میں سے تھی اور یہی وہ حضرات ہیں جو فضل و کرم الٰہی کے بحر لامحدود کے کنارے ہیں۔

۲۔ **تقی**۔ یہ لفظ تقوے اور وقایہ سے لیا گیا ہے، جو اپنے معنی کے لحاظ سے نگہدار، پرہیزگار اور راہِ صلاح و سداد و عفت کے سکھانے والے کے مکمل مصداق تھے جس کے بارے میں دوست و دشمن سب متفق الرائے ہیں۔

۳۔ **مرتضیٰ**۔ یہ کلمہ لفظ رضا سے ماخوذ ہے یعنی منتخب برگزیدہ اور لوگوں کے درمیان سے چنا ہوا، کیونکہ امام عالی مقام اپنے روحانی امتیازات اور فوق العادۃ باطنی صلاحیتوں اور لیاقتوں کے لحاظ سے تمام لوگوں میں ممتاز و منتخب تھے جن سے خدا بھی راضی تھا اور خدا کے صالح و شائستہ و نیک بندے بھی۔

۴۔ **قانع**۔ یہ کلمہ لفظ قنوع و قناعت سے لیا گیا ہے یعنی راہ خدا میں جو کچھ بھی پیش آئے اس پر قانع و راضی تھے، اور کبھی اپنی طرف سے کسی پریشانی، عاجزی اور بے صبری کا معمولی طور پر بھی اظہار نہیں فرماتے تھے۔

حضرت کے دوسرے القاب میں "مرتضیٰ، متوکل، مختار، متقی" بھی بیان کیے گئے ہیں، جو حضرات اس بارے میں تفصیل چاہتے ہوں وہ متعلقہ کتابوں کیطرف رجوع کر سکتے ہیں۔

معصوم ائمہؑ اور لوگوں کے روحانی و اجتماعی رہبروں کے عظیم اور اہم امتیازات میں سے ایک امتیازی صفت ان حضرات کا کمال عقل و ادراک ہے جو تمام لوگوں کے عادی و اجتماعی ادراک سے بلند و بالاتر رہا ہے اور یہ حضرات اندیشہ و فکر و ہوش و فراست کے مراتب کے اعتبار سے اپنی خاص خصوصیات کے حامل تھے ان حضرات کا سن طفولیت اور بچپن بھی اس ذاتی صلاحیت و قابلیت اور دیگر خصوصیات سے مانع نہیں تھا، ان بزرگواروں کے علم و دانش کی برتری اور عقلی ادراکات کے بلند مراتب کے سلسلہ میں بہت کافی تاریخی شواہد موجود ہیں، ان میں سے بطور نمونہ چند دانشمندوں اور بزرگان علم و ادب کے نظریات و خیالات کو اپنے مدعا کی تائید میں پیش کر رہے ہیں جو خود بے شمار حقائق کی نقاب کشائی کر سکتے ہیں۔

امام جوادؑ کے متعلق علماء اہل سنت کے نظریات و آراء

۱۔ علامہ سبط ابن جوزی کتاب "التذکرہ" میں حضرت کے متعلق اسطرح رقمطراز ہیں:-

"محمد جوادؑ نے ۱۹۵ھ میں عرصہ حیات میں قدم رکھا اور ۲۲۰ھ میں (صرف ۲۵ سال کی عمر میں) عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، آپ علم و تقویٰ، سخاوت و پرہیزگاری میں بالکل اپنے والد بزرگوار کے مثل اور آپ ہی کے ہم قدم تھے آپ مرتضیٰ و قانع کے القاب سے ملقب تھے۔ آپ کی وفات بغداد میں واقع ہوئی اور مقابر قریش میں اپنے جد بزرگوار امام موسیٰؑ بن جعفرؑ کے پہلو میں مدفون

ہوئے، اور اب بھی دوستداروں اور عقیدتمندوں کی زیارت گاہ ہے۔"

۲۔ علامہ ابن صباغ مالکی حضرتؑ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

" ابو جعفر محمد جواد مدینہ کے اندر ۱۹۵ھ ہجری میں متولد ہوئے، آپ نسب کے اعتبار سے بلندترین خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ آپ فرزند علیؑ ابن موسیٰ کاظمؑ ابن جعفر صادقؑ ابن محمد باقرؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ بن علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔ آپ نے بغداد میں اس عالم فانی کو چھوڑا، آپ کی مدینہ سے شہر بدری اور بغداد میں لائے جانے کا باعث عباسی خلیفہ معتصم تھا جس نے حضرت کو مدینہ سے بغداد بلوایا، آپ اپنی بیوی ام الفضل بنت مامون کے ساتھ بغداد تشریف لائے، وہ محرم ۲۲۰ھ کی ۲۸ ویں تاریخ تھی، اور اسی سال ماہ ذیقعدہ کے آخر میں دنیا کو الوداع کہا اور مقابر قریش میں اپنے جد بزرگوار امام موسیٰ ابن جعفرؑ کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے، رحلت کے وقت آپ کا سن مبارک ۲۵ سال کا تھا، آپ کی زوجہ (ام الفضل) معتصم کے محل میں رہنے والی عورتوں کا جزء بنکر اسی محل میں رہنے لگی، کہا جاتا ہے کہ آپ کی شہادت زہر خورانی کی وجہ سے واقع ہوئی، آپ کے دو فرزند علی اور موسیٰ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور امامہ بطور یادگار باقی رہ گئیں۔"

۳۔ ابن تیمیہ اس طرح گہر ریز ہیں۔

" محمد فرزند علیؑ ملقب بہ جواد اعیان و بزرگان بنی ہاشم سے ہیں، سخاوت و کرم میں شہرت تامہ رکھتے ہیں، آپ نے سن شباب اور ۲۵ سال کی عمر میں رحلت فرمائی، آپ کا سنہ وفات ۲۲۰ھ ہجری تھا۔ (۱)

۴۔ فاضل معاصر سید محمد ہاشمی افغانی امام عالی مقام کے متعلق کہتے ہیں :۔

"معتصم امام جوادؑ کی علمی و روحانی عظمت کے سامنے اپنی حکومت و سلطنت کے بارے میں خائف و ہراساں تھا اسی وجہ سے آپ کو مع آپ کی زوجہ (ام الفضل) کے مدینہ سے بغداد طلب کیا تاکہ حضرت کو اپنی زیر نگرانی رکھے اس کے بعد معتصم کی دسیسہ کاریوں کے نتیجہ میں اس کی بھتیجی ام الفضل نے حضرت کو زہر دیدیا اور مقابر قریش میں اپنے جد بزرگوار امام موسیٰ بن جعفرؑ کی قبر مقدس کے پہلو میں مدفون ہوئے۔"

ہم اس عظیم مرد خدا اور معصوم و امام برحق کی مبارک میلاد کے موقع پر مقام ولایت و امامت کے تمام دوستداروں اور شیداؤں کو تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں۔

اس وجہ سے کہ امام جوادؑ نے امامت اور شیعوں کی پیشوائی کی عظمت کو قائم رکھتے ہوئے مامون کے داماد اور "ابن الرضا" کے معروف نام سے اتنی کافی شہرت و عظمت حاصل فرمائی تھی کہ تمام شیعہ آپ کے فرمان اور اوامر و نواہی کے صادر ہونے کے منتظر رہتے تھے اور مختلف جہات سے وسیع اسلامی سلطنت کے لوگوں کیلئے توجہ و تعظیم و احترام کا مرکز تھے، معتصم عباسی خلیفہ حضرت کی طرف سے خوف و ہراس محسوس کر رہا تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرتؑ کی شخصیت و محبوبیت کے سائے میں مرکزی حکومت کے خلاف کوئی تحریک اٹھائی جائے، اور ان تخیلات کو معتصم کے اعوان و انصار کی بدگوئیوں اور دسیسہ کاریوں سے اور زیادہ تقویت پہنچتی تھی۔

یہی افکار و تخیلات اس امر کا باعث ہوئے کہ ۲۸ محرم ۲۲۰ھ ہجری کو امام جوادؑ

کو مدینہ سے بغداد بلایا گیا، اگر یہ دعوت اور حضرت کی تشریف آوری بظاہر تعظیم و احترام کے ساتھ عمل میں آئی لیکن درحقیقت یہ حضرت کو جبراً حاضر کرنا تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس طرح حضرت براہ راست خلیفہ کی نگرانی میں رہیں، بغداد میں گیارہ مہینے قیام فرمانے کے بعد آخر ماہ ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں جبکہ آپ کا سن مبارک صرف ۲۵ سال کا تھا معمولی علالت کے بعد اور بیشتر مورخین تاثیر زہر کا احتمال دیتے ہیں) رحلت فرمائی اور دنیائے علم و معرفت کو عزادار و سوگوار بنا دیا۔

شہادت

عظیم فیض۔

الٰہی احکام اور اسلام کے بیش قیمت پیغام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں شہادت ایک بلند ترین و بیش بہا شان افتخار ہے جو ہمارے معصوم ائمہ میں سے ہر امام کی پیشانی پر جگمگا رہا ہے اور ان تمام حضرات نے اس جاں نثاری کو قرآن کی راہ میں دل و جان سے قبول فرمایا ہے۔

امام جواد کی مسمومیت و شہادت راہ خدا میں پیش آنے والے واقعات شہادت میں ایک بے حد غم انگیز واقعہ ہے کیونکہ حضرت نے صرف پچیس سال کی مختصر سی عمر میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی اور زہر کے اثر سے درجہ شہادت اور خوشنودی و رضا پروردگار کے بلند مراتب پر فائز ہوئے۔

سبب شہادت۔

امام ؑ کی فوق العادۃ محبوبیت و ہر دلعزیزی لوگوں کے دلوں میں ہر روز بڑھتی

اور زیادہ ہوتی جا رہی تھی، بہت سے گروہ حضرت کے کلام کے زیر اثر اور پابند تھے اور حضرت کے گرویدہ تھے اور یہی سبب تھا کہ تمام عباسی حضرت جواد ؑ کی شخصیت آپ کے اوصاف و خصائل اور تاثیر و نفوذ کلام کی وجہ سے وحشت و گھبراہٹ سے دوچار ہو گئے، اور سازشوں اور دسیسہ کاریوں میں مصروف ہو گئے اور حضرت کے قتل پر کمر باندھی اور آخر کار اسی پرانی گندی سیاست کی پیروی کرتے ہوئے کہ جس کے تحت بڑے اور سربرآوردہ لوگوں کو جن سے حکومت خطرہ محسوس کرتی ہو بغیر کسی صوت و صدا کے زہر کے ذریعہ راستے سے ہٹا دیا کرتے تھے، اسی حربہ کو یہاں بھی استعمال کیا اور آپ کی زوجہ ام الفضل) جو معتصم کی بھتیجی تھی کے ذریعہ زہر آلود انگور سے حضرت کو مسموم کیا، اور پھر وہی ام الفضل خلیفہ کے حرم و اہل بیت میں داخل ہو گئی۔

امام کی شہادت کے اس حادثۂ عظیم اور ناقابل تلافی و خسارہ نے دلوں میں گہرے رنج و غم کی لہر دوڑا دی اور پایہ تخت اور دوسرے صوبے اور شہر سب ایک دم سے معطل ہو گئے۔

شہادت کا ایک دوسرا سبب

امام ؑ کی شہادت کا جو سبب ہم نے پہلے بیان کیا، اسی کے موافق اکثر مورخین کی رائے ہے لیکن جناب عیاشیؒ صاحب تفسیر مشہور ایک دوسرا نکتہ ذکر کرتے ہیں جو اہمیت و اعتبار سے خالی نہیں ہے خصوصاً اس لئے کہ متاخرین میں سے چند علماء نے اسی نظریہ کو قبول کیا ہے، عیاشی رہ لکھتے ہیں کہ "امام عالی مقام کی مسمومیت کا سبب و باعث خشک و بے جا مذہبی تعصبات تھے جو اس زمانہ کے بعض دین فروش عالم

نماؤں کی طرف سے ظہور پذیر ہوئے اور اس کا قصہ حسب ذیل ہے۔

ذرقان جو احمد بن ابی داؤد (قاضی القضاۃ بغداد بزمان معتصم) کا مصاحب وندیم تھا نقل کرتا ہے کہ ایک روز قاضی القضاۃ معتصم کے دربار سے واپس آیا تو بہت بے چین اور غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے جو میں آپ کو اسقدر متأثر وعصبانی دیکھ رہا ہوں؟۔

اس نے کہا "میں ان ابو جعفر فرزند علی بن موسیٰ الرضا کے ہاتھوں بہت پریشان ہوں۔ اے کاش آج سے ۲۰ سال قبل ہی رخصت ہو گیا ہوتا اور ایسے حالات نہ دیکھتا جو اب دیکھ رہا ہوں لوگوں نے ایک چور کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا جسنے خود چوری کا اقرار کیا، خلیفہ نے فقہا سے اس پر حد جاری کرنے کا طریقہ دریافت کیا ان میں محمد بن علیؑ بھی موجود تھے۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس کا ہاتھ گٹے سے کاٹنا چاہیئے، معتصم نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاتھ کا اطلاق ہتھیلی اور انگلیوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، قرآن مجید تیمم کے موقع پر آواز دے رہا ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کرو، تو وہاں پر یہی پورا ہاتھ (ہتھیلی مع انگلیوں کے) مقصود ہے۔ علماء کی ایک بڑی اکثریت بھی میری ہی ہم خیال و ہم زبان تھی، لیکن دوسرے بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چور کا ہاتھ کہنیوں تک کاٹنا چاہیئے کیونکہ آیۂ وضو میں خدا فرماتا ہے: فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق "یعنی کہنیوں کی حد تک دھویا جائے تو یہ حد بندی بتاتی ہے کہ ہاتھ کا اطلاق کہنیوں سے انگلیوں تک ہے اور چور کا ہاتھ بھی کہنیوں کی حد تک کاٹنا چاہیئے۔

چونکہ اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا اسلئے خلیفہ نے

محمد بن علی کی طرف رخ کیا اور کہا اے ابا جعفر آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ چونکہ علماء اس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں اسلئے مجھے آپ معاف رکھیں، معتصم نے کہا آپ کو خدا کی قسم کہ آپ بھی اس بحث میں اپنا نظریہ ظاہر فرمائیں ابو جعفرؑ نے کہا کہ اب جبکہ تم نے مجھے قسم دلا دی ہے تو کہتا ہوں کہ یہ حدیں جو علماء مجلس نے بیان کیں یہ سب اشتباہ و خطا ہیں، چور کے ہاتھ کی صرف انگلیاں بغیر انگوٹھے کے کاٹی جائیں گی۔

خلیفہ نے پوچھا کہ آپ کی دلیل کیا ہے؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سجدہ بدن کے سات اعضاء پر ہوتا ہے پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کے انگوٹھے اور دونوں گھٹنے پس اگر ہاتھ کو گٹے سے کاٹ دیا جائے گا تو اعضاء سجدہ میں ایک عضو کی کمی واقع ہو جائے گی، حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ سجدہ گاہیں (اعضاء سجدہ) مالِ خدا ہیں، اور مال و امرِ خدا میں کوئی شریک و سہیم قرار نہ دو، لہٰذا جو عضو خدا کیلئے مخصوص ہو گیا وہ نہیں چاہیئے کہ کاٹا جائے (اور آیہ وضو میں دھونے کی حد کی تعیین مقصود ہے نہ کہ حد کی حد اور اس کی تعیین)

معتصم امام کی اس تعبیر سے بہت خوش ہوا، اور امام کے بیان کے مطابق حکم دیا کہ چور پر حد جاری کریں، ذرقان کہتا ہے کہ ابن ابی داؤد بہت زیادہ پریشان تھا اس خیال سے کہ امام کا نظریہ کیوں مان لیا گیا، اس واقعہ کے تین روز بعد (قاضی القضاۃ) خلیفہ کے پاس گیا اور کہا یا امیر..... میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو نصیحت کروں اور یہ نصیحت آپ کی اس محبت کا جو آپ ہم سے رکھتے ہیں شکرانہ ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر نہ کہوں تو کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوں گا اور عقاب الٰہی کا مستوجب

قرار پاؤں گا، وہ میری نصیحت یہ ہے کہ جب وقت آپ علماء و فقہاء کی مجلس تشکیل دیں تاکہ کسی اہم دینی مسئلہ کا حل تلاش کریں تو یہ صحیح ہے کہ یہ امر مجلس بند کمروں میں ہوا کرتا ہے لیکن اس مجلس کے باہر فوجی افسران، وزراء و اُمراء اور منشیان دروازوں پر موجود رہتے ہیں اور شاہد و ناظر رہتے ہیں، اس مجلس کے مذاکرات اس کے باہر بھی بیان کئے جاتے ہیں تو جب سننے والے یہ دیکھینگے کہ آپ علماء فقہاء کی اکثریت کی رائے کو ایک فرد واحد کی رائے کے تحت الشعاع میں ڈال دیتے ہیں اور ایک ایسے فرد واحد کی رائے کو قبول کر لیتے ہیں جس کی امامت کی لوگوں کی ایک جماعت قائم معتقد ہے اور وہ جماعت اس بات کی بھی معتقد ہے کہ وہی ایک شخصیت اسلامی حکومت کی فرماں روائی کیلئے شائستہ ہے تو یہ امر اس بات کا موجب ہوگا کہ آہستہ آہستہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے جائیں گے اور بنی عباس سے روگرداں ہو جائینگے اور پھر آپ کی اور بنی عباس کی حکومت و سلطنت تباہ ہو جائے گی اور امامت و خلافت آپ کے ہاتھوں سے لیکر ان کے حوالے کر دیں گے۔

معتصم اس کی ان بدگوئیوں اور مکاریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور اس سے کہا خدا تجھے اس ضروری نصیحت کے عوض جزائے خیر عطا کرے، چوتھے روز اس نے حکم دیا اور اس کے مطابق دربار کے ایک منشی نے وزیروں کی ایک جماعت کی دعوت کی اور محمد بن علی التقی ؑ کو بھی مدعو کیا، جس وقت حضرت کے پاس دعوت کہنے کیلئے آدمی گیا تو حضرت نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں اس طرح کی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتا ہوں۔

دعوت دینے والے نے اصرار کیا یہ مجلس صرف کھانے کی ہے اور اس میں خلیفہ

کے وزیروں کی ایک جماعت بھی مدعو ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی ترگاہی یہی قدم رنجہ فرما کر ہمیں مفتخر فرمائیں، اس شخص کے بار بار آمد و رفت اور بے حد اصرار و تاکید کی بنا پر مجبوراً حضرت نے قبول کیا اور مہمانی میں شرکت فرمائی. کھانا تناول فرمانے کے بعد ہی فوراً امام نے زہر کا احساس فرمایا اور فوراً ہی اپنی سواری کو چاہا کہ آگے بڑھائیں، صاحب خانہ نے اخلاق کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تو بہت جلدی ہے. ابھی ہماری خواہش ہے کہ آپ کچھ دیر اور تشریف رکھیں۔

امامؑ نے فرمایا: تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ میں جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے چلے جاؤں، اس کے بعد صرف ایک شب و روز کے فاصلے سے امام جواد ؑمسموم نے دنیا سے رحلت فرمائی اور مقابر قریش میں اپنے جد بزرگوار کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

امام ؑکی مسمومیت کے معاملے میں خواہ وہ اس طریقے سے عمل میں آئی ہو یا اُس طریقے سے جسے بیشتر مورخین نے لکھا ہے بہر دو صورت یہ ثابت ہے کہ امام ؑظالم و ستمگر عباسی حکومت کی پس پردہ سازشوں اور خیانت کا نشانہ و شکار ہوئے اور اس طرح کی حرکتیں ظالم و جابر استبدادی حکومتوں کے ہاتھوں اکثر و بیشتر رونما ہوتی رہی ہیں۔

ہمارے نویں امام ؑکے سوائے علیؑ (امام علی نقی ؑ) اور موسیٰ کے کوئی اور فرزند نہیں تھے. اور اس لحاظ سے کہ علیؑ اور موسیٰ کے درمیان علم و دانش، تقوٰے و پرہیزگاری اور باطنی فضائل کے اعتبار سے بہت زیادہ فاصلہ تھا بلکہ دونوں میں کوئی نسبت نہیں تھی. اس لئے کہ کسی شخص کے ذہن میں شبہ نہ پیدا ہو کہ موسیٰ امامت کے مسئلہ میں امام ہادی ؑکے رقیب ہوں گے خصوصاً جبکہ امام جواد ؑنے بارہا اپنے فرزند صالح حضرت امام علی ہادیؑ کی امامت و پیشوائی کے بارے میں تصریح فرما دی تھی اور اپنی مقدس زندگی

کے آخری لمحات میں بھی اس اہم موضوع کے متعلق ہدایت فرمائی۔

نویں امامؑ کے بیت الشرف کے دربان خیرانی کا بیان ہے کہ:

"میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ میرے مولا امام جوادؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں احمد اشعری کو پیغام بھیجا کہ میں اس دنیا سے اب رخصت ہو جاؤں گا اور اپنی جگہ پر اپنے فرزند علیؑ کو مقرر کرتا ہوں پس میرے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں وہ سب حقوق ان کے ہیں، احمد نے بھی حضرت کے پیغام کو لکھ لیا اور اس کے دس نسخے اعیان و سربرآوردہ دس افراد کے پاس بھیج دیئے کہ اگر میری موت واقع ہو جائے تو وہ لوگ اسے کھول کر پڑھ لیں (اور اس کے مطابق عمل کریں)۔

امام علیہ السلام کی رحلت کے بعد (جب وہ خط کھولا گیا تو) معلوم ہوا کہ وہ امام علی ھادیؑ کی امامت و جانشینی سے متعلق تھا۔

اسماعیل بن مہران جو امام جوادؑ کے خاص دوستداروں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ نویں امامؑ جب پہلی مرتبہ عازم عراق ہوئے تھے اور خلفاء عباسی کی طرف (جبراً) حاضر کئے گئے تھے تو اس سفر کے متعلق میرے دل میں بڑی تشویش پیدا ہوئی، میں نے امام کی خدمت میں اپنی اس تشویش کا اظہار کیا اور اسلام کے آنے والے پیشوا کے بارے میں سوال کیا، تو امامؑ نے فرمایا:

خوف نہ کرو جس غیبت کے متعلق تم اندیشہ کر رہے ہو، ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے لیکن اس کے بعد دوبارہ (اپنی زندگی کے آخری سال ۲۲۰ھ) میں نویں امام معتصم عباسی کی دعوت پر مدینہ چھوڑ رہے تھے تو میں نے اپنا وہی پہلا سوال دہرایا تو امامؑ نے فرمایا کہ یہ سفر پرخطر ہے جس کا میں نے عزم کیا ہے، تم یہ جان

لوکر امامت میرے بعد میرے فرزند علیؑ کا حق ہے۔"

امام جوادؑ نے اس عظیم الٰہی پیغام رسانی کے بعد اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد کی۔

ایزد متعال کا لاکھوں درود و سلام امامؑ کی پاک و معصوم روح پر اور آپ کے طیب و طاہر آباء و اجداد پر جنھوں نے اپنی مساعی جمیلہ، جد و جہد اور اپنے مجاہدات کے ذریعہ آزادی و انسانیت کے پیغامات جامعہ بشریت کے سپرد کئے ہیں۔

امام علی نقی علیہ السلام

دسویں حجتِ حق

ولادت باسعادت

سالِ ولادت :-

بوستان ولادت کے دسویں ثمربار ہویں نہال عصمت وطہارت اور نویں امامؑ کے پہلے فرزند ارجمند نے ۲۱۲ھ ہجری میں پیغمبر گرامی قدر اسلام کے مقدس نورانی شہر مدینۂ منورہ کے ایک محلہ میں اس مقام پر جس کا نام "صریا" تھا دنیا میں آنکھیں کھولیں اور اس خوبصورت و بہترین نام سے جو خاندان رسالت میں قدیم سابقہ اور بہترین یادگار کی حیثیت رکھتا تھا موسوم ہوئے آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کیلئے "علی" نام منتخب کیا، آپ نے جو اپنے جد بزرگوار ہی کی طرح پروردگار عالم کی طرف سے اسلام کی طرف سے دفاع اور مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی پر ماموریت رکھتے تھے۔ لہذا اپنے لئے وہی اپنے جد بزرگوار کی کنیت سے موسوم ہوئے اسلئے کہ امام رضاعؑ کی کنیت ابوالحسن ثانی تھی اور خاندان امامت کے پہلے ابوالحسن جناب امیرالمومنین حضرت علی بن ابیطالبؑ تھے۔

"ابن الرضا" آپ کا اور آپ کے بعد آنے والے ائمہ کا مشہور و درخشاں ترین لقب تھا جو اس زمانہ میں آپ کے دسیوں القاب کے درمیان ستارۂ درخشاں کی

طرح آپ کے سر چمگار رہا تھا، آپ کے دوسرے القاب میں سے ہادی، ناصح، عالم، فقیہ، امین، عسکری، دلیل، فتاح، متوکل اور مرتضیٰ کے نام لئے جا سکتے ہیں جس طرح کہ آج بیشتر دوستداران و شیعیان آل محمدؐ آپ کو آپ کے مشہور لقب "ہادیؑ" سے پہچانتے ہیں

آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی الٰہی و روحانی تربیت کے سائے میں ۷ سال زندگی بسر کی، اور اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد آپ اسلام کی روشن ترین و بلند ترین شخصیت کے مالک تھے کہ عالمِ اسلام کے فقہی و علمی مشکلات کو اپنے علم و بصیرت سے حل فرمایا کرتے تھے، آپ اُمت کے ہادی و رہنما اور ملّت کے امام تھے۔

امام ہادیؑ کی حیات مقدس کا زمانہ

امام علی ہادیؑ کا زمانہ الجھاو و تشویش کا زمانہ اور اضطراب کا دور تھا، آپ کے زمانہ میں خاندان امیرالمومنینؑ اور آپ کی اولاد امجاد اور دوستداروں کے ساتھ زبردستی و تند خوئی اور بدعنوانیاں اپنے اوج پر پہنچی ہوئی تھیں بنی عباس نے طرفداران امیرالمومنینؑ کی ایذا رسانی اور ان پر ظلم و ستم کو اپنی عمومی سیاست کے پروگرام میں سرفہرست رکھا تھا، اور اس سیاست کا اصلی سبب اولاد امیرالمومنینؑ کی مختلف سمتوں سے سرکشی و سرتابی کو قرار دیتے تھے کیونکہ وہ لوگ ظلم و اضطراب سے زیر بار زندگی کو موت و نیستی سمجھتے تھے اور اپنے کو حکومت کی سرکشیوں اور زیادتیوں کے سامنے مسئول جانتے تھے، اس زمانہ میں عباسی خلفا کی انتہائی کوشش و جد و جہد صرف اس فکر میں صرف ہوتی تھی کہ اس خاندان (علوی) کے نمایاں و سرآوردہ افراد کو سخت ترین تکلیف دہ طریقوں سے عاجز کر دیں اور شکست دیدیں اور ان لوگوں کو جو بہت گہرا اثر و رسوخ اور زیادہ اسلامی و عمومی اصالت و

محبوبیت رکھتے ہوں انہیں ان کے محل سکونت سے شہر بدر کر دیں اور خاص مرکز حکومت میں انہیں اپنی نگاہوں میں رکھیں اور نظر بند رکھ کر ان کی نگرانی کریں۔ خلفاء کے جاسوسوں اور کارکنوں نے لوگوں کو عجیب وحشت و رعب میں گرفتار کر رکھا تھا حد یہ تھی کہ کوئی شخص بھی کسی دوسرے کی طرف سے مطمئن نہیں تھا، بھائی اپنے بھائی کے خوف سے اظہار خیال سے پرہیز کرتا تھا اور زور و زبردستی والی حکومت اپنے سنگین سایوں کو لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر پھیلاتی جا رہی تھی، اور اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

دوستداران اہل بیت کے ساتھ خلفاء کے رویہ اور سلوک کا ایک نمونہ

خلفاء بنی عباس اپنی تمام قدرت و امکان کے ساتھ جو وہ رکھتے تھے دوستداران اہل بیت کو سختی سے کچلنے میں کوشاں تھے، وہ سب یہ چاہتے تھے کہ آزادی خواہی مساوات طلبی اور عدل و انصاف کی اس آواز کو جو طرفداران خاندان رسالت کی طرف سے بلند ہو کر قوم کے گوش زد ہو رہی ہے بالکل خاموش کر دیں اور ناکام بنا دیں، اسی وجہ سے اپنی زندگی کے تمام حالات میں اسی فکر و اندیشہ میں رہتے تھے کہ طرفداران اہل بیت کا ایک سرے سے خاتمہ کر دیں، بہتر ہے کہ ہم اس کینہ و عداوت کا ایک روشن نمونہ "مورخ معاصر متوکل بائرن عرب" کی تاریخ کے اوراق سے ناظرین کے سامنے پیش کر دیں:

"ابن سکیت (متوفی سنہ ۲۴۴ھ) یعقوب ابن اسحاق دورقی مصنف کتاب اصلاح المنطق جو مشہور مورخ ابن خلکان کے الفاظ میں بغداد کے منشیوں میں سب سے زیادہ ماہر منشی تھا۔ اپنے کافی و وافر علم و دانش کی وجہ سے بنی عباس کے سفاک خلیفہ متوکل کے گھرانہ میں نفوذ و رسوخ پیدا کر لیا تھا اور متوکل کے دونوں بیٹوں

کو تعلیم دے رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ باطنی طور پر ان کے دلوں میں اہلِ بیتؑ کی محبت و دوستی کی تخم ریزی کرنے میں بھی مصروف تھے اور ان سبھوں کو معرفت و ولایت کے سرچشمۂ زلال سے آشنا بھی کر رہے تھے، باپ کو اس امر کی کچھ بُو مِل گئی تھی کہ اس کے بیٹوں نے علیؑ اور آپ کے خاندان کی طرف رجحان اور میلانِ قلبی پیدا کر لیا ہے، اس کے حاشیہ نشینوں نے اس سے کہا ممکن ہے یہ باتیں معلّم کے ذریعہ ان کے ذہنوں میں پیدا ہوئی ہوں۔

ایک دن خلیفہ خراماں خراماں کلاس درس میں پہنچ جاتا ہے اور معلّم کو مورد محبت و تشویق قرار دیتا ہے اور لڑکوں کے درس میں ترقی و پیش رفت ہونے کا شکریہ ادا کرتا ہے اور باتوں باتوں میں اپنے طبیعی لہجہ میں معلّم سے پوچھتا ہے، "تم نے میرے بیٹوں کو کیسا پایا اور ان کو تم کیسا سمجھتے ہو؟"

ابن سکیت جواب میں ان دونوں کی مدح و ستائش کرتے ہیں، اچانک خلیفہ پوچھتا ہے اور کہتا ہے:

"معتز و مؤید (متوکل کے دونوں بیٹے) تمہارے نزدیک زیادہ عزیز و صاحب قدر و منزلت ہیں یا حسنؑ و حسینؑ فرزندانِ علیؑ؟"

ابن سکیت بغیر تقیہ اور بلا خوف و ہراس اسی طبیعی لہجہ میں جس میں متوکل نے سوال کیا تھا کمال صراحت و صفائی کے ساتھ جواب دیتے ہیں:

"علیؑ کے غلام قنبر بھی میرے نزدیک تجھ سے اور تیرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ عزیز و قابلِ قدر و منزلت ہیں۔"

متوکل جسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی فوراً حکم دیتا ہے کہ "اس عظیم

ادیب بے نظیر کی زبان اسی وقت گُدی سے کھینچ لیں ..... ہاں! علیؑ اور خاندان علیؑ سے دوستی کی سزا یہی تھی کہ اس کی زبان کو کاٹ دیں ....،۔

یہ تنہا ابن سکیت کی زبان نہیں تھی جو خاندان رسالت کی طرف سے دفاع کرنے کی راہ میں قطع کی گئی بلکہ عباسی خلافت کی طویل تاریخ میں ہزاروں زبانیں جو تاریخ کے ظالموں اور جابروں کی پشت پر تازیانہ کا کام کرتی تھیں قطع کی گئیں۔

امامؑ کے بارے میں علماء و مورخین کے آراء و خیالات

۱۔ "خیرالدین زرکلی" صاحب کتاب "الاعلام" کہتے ہیں:۔

"علیؑ ابن محمد جوادؑ ابن علی بن موسیٰؑ فرقۂ امامیہ کے دسویں امام صالح پرہیزگاروں اور زمانے کے شائستہ ترین لوگوں میں سے ایک تھے، مدینہ میں متولد ہوئے، آپ کے بارے میں متوکل سے بہت سی غلط چغل خوریاں اور الزام تراشیاں کی گئیں یہاں تک کہ اس نے آپ کو مدینہ سے سامرا بلوایا اور حکم دیا کہ آپ کی قیام گاہ کو محل تفتیش قرار دیں، تلاشی لیں لیکن کوئی ایسی چیز جو خلیفہ کی مخالفت کی دلیل و ثبوت قرار پائے نہیں ملی، اس کے بعد حضرت کو آپ کے بیت الشرف کی طرف احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔"

۲۔ "علی بن محمد مالکی" صاحب "الفصول المہمہ" متوفی ۸۵۵ھ رقمطراز ہیں:۔

"کسی مدح و منقبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ اس کا سلسلہ آپ (امامؑ) پر جا کر منتہی ہوتا ہے، آپ کا نفس پاک آپ کا اخلاق اور طور طریقہ مہذب اور آپکی سیرت و روش معتدل تھی۔"

۲ ..... "ابن کثیر" صاحب "البدایہ والنہایہ" کی رائے امامؑ کے بارے میں یہ ہے:۔

"فرزند امام جوادؑ و پدر امام حسن عسکریؑ ایک مرد زاہد و عابد تھے متوکل نے آپ کو مدینہ سے سامراء منتقل کیا اور آپ بیس سال سے زیادہ مدت تک وہاں مقیم رہے اور ۲۵۴ھ ہجری میں سامراء میں رحلت فرمائی۔ جس وقت کہ متوکل نے آپ کو مجلس شراب میں بلوایا اور آپ کو بھی شراب نوشی کیلئے دعوت دینے کی جسارت کی تو آپ نے خلیفہ کے جواب میں فرمایا:

"مجھے معاف رکھو اب تک شراب کا ایک قطرہ بھی میرے وجود سے مس نہیں ہوا ہے اور ہرگز میرے خون میں مخلوط نہیں ہوا ہے۔"

۴۔ شمس الدین احمد بن محمد المعروف بہ "ابن خلکان" متوفی ۶۸۱ھ کتاب "وفیات الاعیان" امامؑ کے متعلق کہتے ہیں:۔

"امام رضاؑ کے پوتے ابوالحسن جو "عسکری" کے نام سے مشہور ہیں۔ فرقہ امامیہ کے اماموں سے ایک امام ہیں، آپ کے بارے میں چغل خوری کرنے والوں نے متوکل سے بہت زیادہ بدگوئیاں کیں یہاں تک کہ اس نے آپ کو مدینہ سے سامراء احضار کیا۔"

یہ دسیوں اسلامی علماء و مورخین کے خیالات و افکار میں سے بہت تھوڑے سے نمونے تھے، تلاش و جستجو کرنے والے تاریخ کی تہوں میں دوسرے بہت سے نمونے ڈھونڈ سکتے ہیں۔

امامؑ کی زندگی کی ایک سبق آموز دلپسند داستان

"سبط ابن جوزی" صاحب "خواص الامۃ" کہتے ہیں:۔

"یحییٰ بن ہرثمہ کہتا ہے کہ امام ہادیؑ کے سامراء منتقل ہونے کے چند روز بعد متوکل بیمار پڑا۔ حالت مرض میں اس نے یہ نذر کی کہ اگر اس مرض سے شفا پا گیا تو مال کثیر

صدقے میں دیگا۔

چند روز کے بعد اس نے شفا پائی، فقہا و علما شہر سے دریافت کیا کہ مجھے کتنا مال تصدق کرنا چاہیئے؟ اور کتنی رقم دینے سے میری نذر وفا ہو جائے گی؟

ان میں کسی نے بھی درست و صحیح جواب نہیں دیا۔

اس نے ایک شخص کو علی ہادیؑ کی خدمت میں بھیجا اور مسئلہ کو پیش کیا امامؑ نے جواب دیا کہ اُسے چاہیئے کہ ۸۲ درہم تصدق کرے، متوکل نے اس حکم کی دلیل پوچھی امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن مجید اسلامی جنگوں میں ربانی تائیدات کو صفت "کثیر" سے توصیف کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ "لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین۔" "خداوند متعال نے کثیر مقامات پر تمہاری مدد کی اور حنین کے روز بھی" اور معلوم ہے کہ جو جنگیں اور غزوات پیغمبر اسلامؐ کو پیش آئی ہیں ان کی تعداد ۸۲ سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ آنحضرتؐ نے ۲۷ بار غزوہ کیلئے لشکر ترتیب دیا ہے جن میں سے آخری جنگ غزوہ حنین تھی۔

تمام فقہا اور خود متوکل اس جواب سے بہت زیادہ متعجب اور خوش ہوئے، اور متوکل نے بہت زیادہ مال امامؑ کی خدمت میں بھجوایا، امامؑ نے اس کے لینے سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ ایک نذر واجب ہے اس مال کو تم خود جہاں چاہو تصدق کرو۔"

جود و سخا۔

امامؑ کے چند عقیدتمند و دوستدار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے نام عثمان بن سعید، احمد بن اسحاق اشعری اور علی بن جعفر ہمدانی تھے، ان میں سے کسی ایک نے اپنی پریشان حالی اور زندگی کی تلخیوں کا تذکرہ امام کے سامنے کیا، اور اپنے قرضوں کی

سنگینی کی شکایت حضرت سے کی۔

امام نے اپنے وکیل و نمائندہ کو جن کا نام عمر و تھا حکم دیا کہ ۳۰ ہزار دینار علی بن جعفر کو دے جائیں اور ۳۰ ہزار دینار خود آپ کے وکیل و نمائندہ لیکر اپنے تصرف میں لائیں۔

ابن شہر آشوب صاحب کتاب مناقب اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ امام کی یہ عنایت و اعانت ایک طرح کا معجزہ ہے کیونکہ ایسی بخشش صرف بادشاہان و سلاطین ہی کر سکتے ہیں۔

بخشش اور حقوق شیعہ کا احیاء یا بازیابی

علماء اہل سنت میں سے ایک عالم کمال الدین ابن طلحہ نے اپنی کتاب میں اس داستان کو بیان کیا ہے کہ۔

"ایک روز ابوالحسنؑ امام دہمؑ شہر سامراء کے میدان میں سفر کر رہے تھے کہ وہاں کے باشندوں میں سے ایک شخص نے جو آپ کے چاہنے والوں میں سے تھا اپنی شخصی احتیاج کو حضرت کی خدمت میں عرض کیا اور بیان کیا کہ قرض کے سنگین بوجھ (دس ہزار) تلے دبا ہوا ہوں جس کی ادائگی میرے لئے بیحد مشکل ہے اور آپ کے علاوہ کوئی ایسا شخص میری نظر میں نہیں ہے جس سے میں اپنی حاجت روائی کی درخواست کروں۔

امامؑ نے فرمایا کہ تو ہرگز تنگ دل و پریشان نہ ہو البتہ جو میں تجھ سے کہوں، اس کے مطابق عمل کر، اور اس میں کوتاہی نہ کرنا پھر امامؑ نے اپنے دست مبارک سے ایک ورقہ تحریر فرمایا اور اسے حکم دیا کہ اس رقعہ کو لے اور جب تو سامراء آئے تو یہ رقعہ مجھے

دکھا کر مجھ سے مطالبہ کرنا خواہ میں اس وقت لوگوں کے مجمع میں ہوں، اس بارے میں کوتاہی نہ کرنا۔

ایک روز اس وقت جبکہ امامؑ سامراء میں چند بزرگوں اور خلیفہ کے حاشیہ نشینوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے وہ مرد عرب وارد ہوا اور امامؑ کو وہ نوشتہ دکھایا اور اصرار کے ساتھ رقم کا مطالبہ کرنے لگا، امامؑ نہایت نرمی و ملائمت کے ساتھ عذر خواہی اور ادائگی کے لئے مہلت طلب فرما رہے تھے کہ مناسب وقت پر ادا کروں گا مگر وہ شخص مہلت دینے پر قطعاً آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

جس وقت اس واقعہ کی خبر متوکل کو ملی، تو اس نے حکم دیا کہ ۳۰ ہزار دینار امام کی خدمت میں لے جائیں، جب یہ رقم امام کی خدمت میں پہنچ گئی تو امام نے اُسے اسی حالت میں محفوظ رکھدیا یہاں تک کہ وہ مرد عرب دوبارہ وارد ہوا، امام نے فرمایا کہ یہ ساری رقم تمہاری ہے اس سے تم اپنے قرض ادا کر سکتے ہو اور اپنی خانگی ضروریات بھی پوری کر سکتے ہو، مرد عرب نے عرض کیا کہ اس رقم کی ایک تہائی مقدار سے کم ہی میں میری حاجت پوری ہو جائیگی (زیادہ لیکر کیا کروں گا)، امامؑ نے وہ تمام رقم اس کو عنایت فرمادی وہ شخص اس محبت اور احسان کے جواب میں کہنے لگا: "خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت وولایت کو کس خانوادہ میں قرار دے۔"

امامؑ کی اس طرح کی تعلیم شاید اس خیال سے ہو کہ آپ یہ چاہتے ہوں گے کہ دربار خلافت کی تبلیغات کے اثر کو بالکل ناکارہ بنادیں، کیونکہ چغل خوروں اور جاسوسوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ امامؑ کافی وافر مال جمع کر چکے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ اس سے اسلحے خریدیں اور رضا کاروں کی طاقت مہیا کریں اور دربار خلافت سے برسر پیکار ہوں،

لہذا امام کی یہ عملی تدبیر ممکن ہے ان لوگوں کی یاوہ گوئیوں اور غلط افواہوں کا مسکت جواب ہو۔

شہادت

دسویں حجت حق کی رحلت

۳؍رجب دسویں امام حضرت علی النقی علیہ السلام المعروف بہ ہادیؑ کی رحلت کی برسی کا دن ہے جنہوں نے اپنی مقدس زندگی اور شہادت کے ذریعہ عالم اسلام کو علم و دانش خلوص و صفا باطن سے معمور فرمایا، آپ نے خلفاء بنی عباس کی طرف سے انتہائی دباؤ اور گھٹن کے تیرہ و تاریک دور میں آئین و دستور اسلام کی توسیع و اشاعت کا اہم کام انجام دیا، اور اسلامی تعلیمات کی اصالت اور علوی انقلابی مکتب کی رہنمائیوں کو حوادث و آفات کے گزند سے محفوظ رکھا، آپ نے اس وقت کی ذہنی کج اندیشیوں اور فکری و مکتبی انحرافات سے بے امان مقابلہ و مبارزہ کیلئے قیام فرمایا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کیلئے شوق دلایا، اور خود مبارزہ کے صف اوّل میں قائم رہے، آپ اپنے دور شباب ہی سے اور اسی زمانہ سے جبکہ آپ اپنے پدر بزرگوار کے مکتب میں علم و معرفت و کمال کا درس حاصل کر رہے تھے مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی فرما رہے تھے، اور اپنے علم و فضیلت پرور مکتب مقدس میں خاندان نبوت سے عقیدت و ارادت رکھنے والوں کی جماعتوں کی پرورش و تربیت فرما رہے تھے، آپ اپنے زمانے میں علم و دانش فضیلت و شرف انسانی اور اسلامی مجاہدات میں اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتے تھے اور آپ کے دامن سے وابستہ اور عقیدت مند لوگ آپ کی درسگاہ سے کسب فیض کیلئے آپ کے شمع وجود کے گرد پروانوں کی طرح گردش کرتے تھے اور آپ کے خرمن علم و دانش و شرف فضیلت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ اندوز ہوتے تھے اس مختصر سے مقالہ میں

حضرت کے متعلق غیروں کے اعترافات میں سے کچھ اور آپ کے علم و معرفت کے کچھ نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

امام عالی مقام کی شہادت ۲۵۴ھ ہجری میں واقع ہوئی جبکہ آپ کی عمر مبارک ۴۲ سال تھی، اور سبب شہادت وہ زہر تھا جو خلیفہ عباسی "المعتز" کے حکم سے حضرت کو دیا گیا تھا۔ آپ کی خبر شہادت سے شہر سامرا گریہ وزاری ونالہ و فریاد سے معمور تھا، اور اس سال کا نام لوگوں نے سال غم واندوہ رکھدیا، آپ نے رحلت کے وقت نور و حکمت خدا، شمشیر اور خضاب سول خداؐ کی امانتیں اپنے نور چشم حضرت امام حسن عسکریؑ کے سپرد کیں، اور آپ کو اپنا وصی وجانشین قرار دیا۔

امام عالی مقام جو عباسی حکومت وقت کے حکم سے زہرخورانی کے نتیجہ میں شہید ہوئے تھے۔ اپنی مخصوص وصیت وسفارش کے مطابق اپنے بیت مسکونی میں جو سامرا کے محلہ عسکر میں واقع تھا مدفون ہوئے اور آپ کے فرزند ارجمند امام حسن عسکریؑ نے قبل اس کے کہ خلیفہ عباسی یا اس کے نمائندے پہنچیں اُس شاہراہ پر جو خلیفہ کے لشکر کے کمانڈر "موسیٰ بن بغا" کے مکان کے مقابل واقع ہے اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھی۔

مورخ مسعودی صاحب کتاب مروج الذہب کہتا ہے کہ:

"ابوالحسن علی بن محمد عسکریؑ کی رحلت "معتز" خلیفہ عباسی کی حکومت کے دور میں ۲۵۴ھ میں دوشنبہ کے دن ۲۶ جمادی الآخر کو واقع ہوئی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت ۴۰ سال کے تھے اور دوسرے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت کی عمر ۴۲ سال تھی کچھ لوگوں نے اس سے کم لکھا ہے۔

حضرت کے جنازہ کے پیچھے ایک کنیز کی آواز سنائی دیتی تھی جو یہ کہہ رہی تھی: ہم

نے دوشنبہ کے دن سے کیا کیا مصیبتیں نہیں اٹھائیں؟ آپ کی نماز جنازہ احمد پسر متوکل نے شارع ابی احمد پر پڑھی اور حضرت اپنے مکان مسکونی میں دفن کیے گئے۔

امام ھادی کی رحلت کے موقع پر تمام اہل سامرا عمومی طور پر متاثر و گریان ہو گئے، مخصوصاً خاندانِ امامت کے افراد فوق العادت رنج و غم کی حالت میں تھے۔

صاحب رجال کشی نے اپنے معتبر اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:۔

"امام ہادی کی رحلت کے دن آپ کے فرزند ارجمند ابو محمد حسن عسکریؑ اس حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے کہ آپ کا گریبان چاک تھا، ایک شخص مخالف اہل بیت "ابن عون ابرش" نامی ایک شیعہ کو لکھتا ہے کہ "اماموں میں سے کسی ایک کو بھی تو نے دیکھا ہے یا کسی کے بارے میں سنا ہے کہ انھوں نے ایسے مواقع پر گریباں چاک کیا ہو؟۔

امام علیؑ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔"اے سائل سے نادان! کیا تو نے یہ نہیں سنا ہے کہ حضرت موسیٰ پیغمبرؑ نے اپنے بھائی ہارون کی موت پر گریبان چاک کیا تھا؟"

اپنے جانشین کا تعین

آدمیوں کی ہدایت کیلئے امامت و رہنمائی کی عظیم مسئولیت و ذمہ داری کا تحمل اور اپنے جانشین کا تعین عظیم الہٰی فرائض میں سے ہے جو پروردگار عالم کے حکم سے لازم تھا کہ صورت پذیر ہو، ورنہ لوگ ضلالت و گمراہی میں پڑ جائیں گے۔ اسی وجہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی میں اس قسم کی سفارش، وصیت اور تعین پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کلام و حدیث کی کتابوں میں ملیگی محترم قاری بیشتر اطلاع حاصل کرنے کیلئے کتاب "کافی۔ باب الحجۃ" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں صرف دو موقعوں کو نقل

کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ ابو بکر فہفکی کا بیان ہے کہ: دسویں امامؑ نے مجھے تحریر فرمایا۔

"پیغمبر خداؐ کے تمام نواسوں میں میرے فرزند حسنؑ امامت و پیشوائی کیلئے سب سے زیادہ شائستہ و زیبندہ اور حقدار ہیں وہ میرے سب سے بڑے فرزند اور میرے جانشین ہیں پس سزاوار ہے کہ تم لوگ احکام و مسائل دین کو انھیں سے حاصل کرو اور مصائب و بلیات میں ابتلا کے وقت انھیں کی طرف رجوع کرو، اور انھیں سے کسب علم و دانش کرو کیونکہ وہی اس کے اہل و سزاوار ہیں۔"

۲۔ بشار بن احمد عبداللہ بن محمد اصفہانی نے نقل کرتے ہیں۔

"ہم لوگ امام دہم کی رحلت کے دن تک آپ کے فرزند کو بعنوان امامت و رہبری نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ آپ کے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد ہم پر یہ بات آشکار ہوئی کہ آپ حجت خدا ہیں جب آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھی، اور اس شناسائی کا سبب یہ تھا کہ امام ہادیؑ نے بارہا یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو میرے جنازہ پر نماز پڑھے۔"

امام حسن عسکریؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کے بعد بحکم خدا اور قبل کے اماموں کے نص کرنے اور آپ کے پدر بزرگوار کی وصیت و سفارش کے مطابق امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور آپ کی امامت کا زمانہ خلافت عباسی کی حد سے زیادہ سخت گیریوں کی وجہ سے تقیہ اور کامل احتیاط کے ساتھ گذر رہا تھا، اسکے باوجود اکثر اوقات آپ کو قید خانہ میں بھیج دیا جاتا تھا جس کی تفصیل آپ گیارہویں امام معصوم حضرت حسن عسکری ع کی کتاب زندگانی میں مطالعہ فرمائیں گے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام

علوم دینوی میں ایک قدم اور آگے

ولادت باسعادت

امام حسن عسکری علیہ السلام

وہ امام جنہوں نے انتہائی سختگیریوں اور گھٹن کے ماحول میں خودسر حکمرانوں کے مقابلہ میں "نہیں" کہا۔

آٹھویں ربیع الاول (۸ یا ۱۰ ربیع الثانی۔ مترجم) شیعیان عالم کے گیارہویں معصوم امام حضرت حسن عسکریؑ کی ولادت باسعادت کا مبارک دن ہے اسی مناسبت سے حضرت کی مقدس و فیض بخش زندگی اور انسانی و الٰہی خدمات کے چند گوشے آپ کے دوستداروں اور عقیدتمندوں کے مطالعہ کیلئے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ سب لوگ اہل بیت کے پُرفیض مکتب سے بہرہ مند و فیض یاب ہوں۔

حضرت امام حسن عسکریؑ تاریخ اسلام کی سخت ترین زباں بندی و سخت گیری کے حالات میں، وحشت و تاریکی کے دور میں یعنی عباسی خلفاء کی طرف سے لوگوں کو مرعوب کرنے اور ہر وقت خائف و وحشت زدہ رکھنے کے زمانہ میں زندگی بسر کر رہے تھے بنی عباس کی حکومت کا سیاہ زمانہ تاریخ اسلام کے تاریک ترین شدید ہیجان و اضطراب سے پُر دوروں میں سے تھا اگرچہ زمانہ سازی کے ماتحت بعض عباسی خلفاء علم و دانش کی ترویج و ترقی

اور اہل علم و دانش کی قدر و پشت پناہی کا مظاہرہ بھی کرتے تھے لیکن حکومت اور انتظامی امور کے اعتبار سے ان کے کاموں کی بنیاد ہی ظلم و استبداد و بے انصافی اور مسلمانوں کی خون ریزی و ہتک حرمت پر قائم تھی، ان میں سے اکثر تو بے گناہ انسانوں کو قتل و غارت کرنا اپنے لئے بزرگترین سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے، با اثر و رسوخ عباسی افراد ایسی دردناک و بے رحمانہ قتل و غارتگری کی کاروائیوں کے نتیجہ میں جن کا ارتکاب انھوں نے سوریہ فلسطین اور عراق میں کیا، مرکب خلافت پر سوار ہو سکے اور پھر سختی کے ساتھ مسلمانوں کے مزید قتل و غارت کا سلسلہ قائم رکھ سکے۔

اس سلسلہ کے خلفا جن کی حکومت کے دستور کی بنیاد جنگ و جدل اور رعب و ستم دیدہ لوگوں کی تاراج و لوٹ مار پر مبنی تھی صرف ایک بات پر متحد النظر تھے اور وہ صحیح و اصلی اسلام کے محور سے اسلامی حکومت کو منحرف کرنا اور خاندان رسالت کے مقابلہ میں محاذ آرائی کرنا تھا، اموی حکمرانوں اور عباسی ظالم و ستمگر خلفا کے درمیان صرف اس ایک نکتہ میں تفاوت و فرق تھا کہ یہ ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے سیاسی مداخلت اور حکومتی امور کو مذہبی رنگ دیں، اور اسی بنا پر یہ لوگ سعی و کوشش کرتے تھے کہ اپنی حکومت کے مفاد کیلئے مذہبی عوامل اور دینی امکانات سے مدد حاصل کریں، یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ محض سیاسی حکمراں کی حیثیت سے پہچانے جائیں بلکہ یہ اس امر کے مشتاق تھے کہ عین حکمرانی کی حالت میں ظاہری اعتبار سے دینی وجاہت اور مذہبی اعتبار کے بھی حامل سمجھے جائیں تاکہ اس وسیلہ سے عمومی افکار کے گہرے اور قلبی احترام سے بھی مستفید ہوں، اور اسی اصل کی بنا پر یہ لوگ اپنے خلاف واقعیت کاموں کیلئے اکثر مواقع پر فریب دینے والی دینی توجیہات سے کام لینے اور مذہبی پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور یہی سبب تھا کہ خاندان رسالت و عترت میں سے بعض افراد کو

حکومتی مراکز سے نزدیک ہونے کیلئے دعوت کیا کرتے تھے۔

امام عؑ کی بھاری ذمہ داری

امام حسن عسکری ؑ کے حالات میں ہم پڑھتے ہیں کہ آپ اپنی ۲۸ سالہ عمر مبارک کے مختصر سے عرصہ میں کئی بار عباسی خلیفہ "معتمد" کے قیدخانہ میں ڈالے گئے یا یہ کہ آپ کے شیعوں، دوستداروں اور پیروؤں کی آپ کی خدمت میں آمد و رفت پر مامورین خلیفہ کی طرف سے کڑی نظر رہتی تھی اور سخت نگرانی کی جاتی تھی، یا غاصب حکومت کے نامشروع وحسب خواہش جواب میں معصوم امام ؑ کی طرف سے "نہیں" کا کہنا تھا۔

امام ؑ کے معاصر خلفاء

امام حسن عسکری ؑ کی مختصر المیعاد حیات مقدسہ کے دور میں چھ عباسی خلفاء برسر اقتدار آئے، اور ان سب خلفاء کا دور داخلی انقلابات اور سیاسی صورت حال کے لحاظ سے روز بروز اور یکے بعد دیگرے زیادہ بھیانک اور زیادہ تاریک ہوتا گیا، جن کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

متوکل ... (وفات ۲۴۷) معتز، مستعین، منتصر، مہتدی اور معتمد۔ آخر الذکر کی حکومت کی مدت (۲۳ سال) عباسی خلافت میں سب سے طولانی تھی، اور مورخین اس شخص کے دور کے وحشیانہ قتل و خونریزیوں کے واقعات سے حیرت و تعجب میں ہیں، چنانچہ مورخ مسعودی نے "مروج الذہب" میں اس (معتمد) کے دور حکومت میں مقتولین کی تعداد کا تخمینہ پانچ لاکھ افراد سے زیادہ کا لگایا ہے۔

حضرت کا دورِ امامت۔

امام حسن عسکریؑ اپنے پدر بزرگوار کی رحلت اور خود امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد عمال حکومت کے شدید دباؤ اور سخت گیریوں کی وجہ سے تقریباً چھ سال تک خانہ نشین وگوشہ گیر رہے، اس دباؤ اور سخت گیری کا خاص سبب یہ تھا کہ اس زمانہ میں اہل بیت طاہرین کے عقیدت مندوں کی کثرت وطاقت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ یہ لوگ حکومت وقت کیلئے خطرہ کا نشان بن گئے تھے اور حکومت کے وجود کو ہدف تہدید بنائے ہوئے تھے دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ چونکہ بطریق عامہ خاصہ متواتر اخبار واحادیث کے بموجب پیغمبر اسلامؐ نے اپنے فرزند کے ظہور کی خبر دی ہے، اسی خاص مذہبی سبب کی بناء پر ہمارے گیارہویں امام علو دوسرے ائمہ علیہم السلام سے کہیں زیادہ ذمہ دارانہ حکومت کے زیر مراقبت ونگرانی رکھے گئے، اور خلیفہ وقت نے بزعم خود پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ جس طرح اور جس ترکیب وترتیب سے ممکن ہو شیعوں کی داستان امامت وولایت کا خاتمہ کردے۔ چنانچہ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ امامؑ کی علالت کی خبر خلیفہ معتمد کو دی جاتی ہے، وہ طبیب کو حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہے اور دوسری طرف اپنے چند معتمدین اور چند قاضیوں کو حضرت کے بیت الشرف پر مقرر کرتا ہے کہ مستقلاً حضرت کے گھر کے داخلی حالات وکیفیات کے مراقب ونگران رہیں پھر امامؑ کی شہادت کے بعد حکم دیتا ہے کہ خانہ امام کی تلاشی لیں چنانچہ متصل کئی ماہ تک مامورین اطلاع وآگاہی جستجو اور حضرت کے خلف وجانشین کی تلاش میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ ایک روز بالکل مایوس و ناامید ہوگئے شاید وہ اس امر سے غافل تھے کہ جس نور کو قدرت نے روشن کیا ہے وہ ان کی مذبوحانہ تلاش وجستجو سے بجھنے والا اور خاموش ہونے والا نہیں ہے۔

امام ؑ قید خانہ میں۔

امام حسن عسکری ؑ غاصب حکومت کے دستورات کی پیروی نہ کرنے کے نتیجہ میں کئی بار معتمد عباسی کے زندان میں ڈالے گئے، اور بد خصلتوں اور جلادوں کے مظالم کا نشانہ بنائے گئے، اور آخر کار مسمومیت کے نتیجہ میں ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اور علم و فضیلت اور مبارزہ و جہاد میراث اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گئے۔

حکومتی زندان کا ایک ذمہ دار "صالح بن وصیف" کہتا ہے کہ:۔

"جب بھی حکام بالا کی طرف سے امام حسن عسکری ؑ کے ساتھ سخت گیری و شدت کا حکم مجھے ملتا ہے تو میں شدید طور پر تأثر سے دوچار ہو جاتا ہوں کیونکہ باوجود اس کے کہ میں برابر دو بے رحم و سنگ دل افراد کو حضرت کی نگرانی کیلئے معین کرتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ دو نفر اس طرح حضرت کی روحانیت، اخلاق، اور زہد و عبادت کے زیر اثر آجاتے ہیں کہ دونوں اپنے آپ اپنے قیدی کی عبادت کے عاشقوں اور حضرت کے باطنی مراتب و مناقب کے شیفتہ اور دوستداروں میں سے جاتے ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ حضرت ہر شب شام سے صبح تک بیدار اور مصروف عبادت و مناجات رہتے ہیں کسی سے بات نہیں کرتے، اور جب وقت ہماری طرف نظر اٹھا دیتے ہیں تو گویا ہم اپنی ساری طاقت و قوت کھو بیٹھتے ہیں اور حضرت کی عظمت و معنویت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتے ہیں....."

حضرت کی روحانی عظمت اور بلندی منزلت اس قدر تھی کہ قید خانہ کو بھی ایک مکتب تربیت میں تبدیل فرما دیا کرتے تھے اور قید خانہ کے ذمہ دار اور مامورین نگہداشت

ومراقبت کو اپنے اندیشہ وافکار وروحانیت کے زیر اثر کر لیا کرتے تھے۔

آپ کی علمی منزلت۔

ائمہ معصوم اور لوگوں کے دینی وروحانی رہبروں کے نمایاں وعظیم امتیازات میں سے ایک ان کا کمال ادراک وعقل وشعور ہے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کی دینی سرپرستی ورہبری اور سعادت ونیک بختی کے عہدۂ جلیلہ پر پروردگار عالم کی جانب سے تمام دینوی رموز واسرار سے واقف تھے اور تاریخی شواہد اس حقیقت وبرتری کا بولتا ہوا ثبوت ہیں۔

خاندان رسالت کا علم ودانش منبع وحی ومنطق الہام سے نکلا ہوا ایک چشمہ ہوتا ہے اور کسی کتاب، کلاس اور کسی کسب وتحصیل کا محتاج نہیں ہوتا چونکہ یہ حضرات خانوادہ وحی والہام میں پرورش وتربیت یافتہ اور اسی عظیم درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اسلئے ان حضرات کی معلومات کا تجزیہ وتحلیل ہماری عقل وادراک کی قوت وتوانائی کے حدود سے باہر ہے، البتہ فقط ان آثار اور نمونوں کے ذریعہ سے جو ہم تک پہنچے ہیں انکے علم ودانش و معرفت کے بیکراں سمندروں سے کچھ شناسائی پیدا کر سکتے ہیں مثلاً ان بزرگواروں کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ہم ان نمونوں سے دوچار ہوتے ہیں کہ کبھی کسی مجلس میں علماء کی طرف سے کوئی فقہی وعلمی مسئلہ پیش ہوتا اور سب کے سب اس کے حل وجواب سے عاجز رہتے لیکن امام علیہ السلام اس کا صحیح وقطعی جواب عنایت فرماتے تھے۔

ہم کتب معتبرہ میں پڑھتے ہیں کہ امام عربی زبان والی سرزمین اور ماحول میں رہتے ہوئے ایک ترکی زبان بولنے والے سے اسکی اصلی ترکی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں اور ایک دوسرے موقع پر علی بن مہزیار اہوازی سے فارسی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں اور ایسے

ایسے مجہولات اور رازوں سے پردے اٹھاتے ہیں کہ ہماری عادی فہم و سمجھ کی حدود سے باہر ہے اور معمولی ضابطوں سے اس کی تفسیر و تاویل نہیں کی جاسکتی سوائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ ان حضرات کے علوم الٰہی و لدنی ہیں (یعنی وہبی ہیں کسبی نہیں)۔

امام حسن عسکریؑ کی علمی و فکری یادگاریں جو حدیث، فقہ، کلام اور تفسیر کی کتابوں میں موجود ہیں وہ بہترین و غنی ترین علمی میراثوں میں سے ایک ہیں جو زندگی کے اصول و تربیتی طریقوں اور ماوراء الطبیعت علوم و معارف کو محکم و مضبوط ترین بیانات و تقاریر کے ساتھ ان علوم و معارف کے شائقین کے اختیار میں دیتی ہیں اور آفرینش کے اسرار و رموز کو بلند ترین بیان سے توضیح کرتی ہیں اس طرح سے کہ آج علم اپنی تمام ترقی و پیش رفت کے باوجود امامؑ کے بیانات و توضیحات سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا۔

ابوحمزہ نصیر جو امامؑ کے خدمتگاروں میں سے ایک تھے کہتے ہیں کہ:

"میں نے بارہا مشاہدہ کیا کہ امامؑ ترک، روم و فارس وغیرہ مختلف قوموں کے افراد سے انھیں کی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں مجھے بہت تعجب ہوتا اور میں اپنے دل میں کہتا کہ آپ تو مدینہ میں متولد ہوئے اور اجنبی اقوام و افراد سے رفت و آمد کا سلسلہ ملاقات اور رابطہ بھی نہیں رکھتے تھے پس ان زبانوں اور لہجوں کو کہاں سے حاصل کیا؟" (ارشاد شیخ مفیدؒ ص۳۲۰)

باوجود اس کے کہ امام عالی مقام کا دور امامت تمام نامناسب امور اور طرح طرح کے حوادث سے مقارن تھا پھر بھی حضرت نے اپنی مختصر مدت حیات میں بہت سے بیش بہا اور باقدر و قیمت آثار چھوڑے جن کا تذکرہ علما و مورخین کی ایک جماعت نے کیا ہے۔

امام معصوم سے مختلف علوم و فنون اتنے زیادہ نقل ہوئے ہیں جن سے کتابیں بھری ہوئی ہیں بڑے بڑے علماء و دانشور آپ کی علمی عظمت و شخصیت کے سامنے سرادب و تواضع جھکائے ہوئے ہیں اور آپ کے علم و فضل کے چشموں سے بہت زیادہ بہرہ ور ہوئے ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ (اعیان الشیعہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۱)

آپ اپنے خاص علم و درایت کے ذریعہ قرآن مجید کے بارے میں اسحاق کندی فیلسوف عراقی کے دعووں کا جواب مسکت دے سکے اور اس کو محکوم و خاموش کر سکے۔

امامؑ کی صفت جود و سخا۔

خاندان رسالت کے یہ معصوم افراد مادی مسائل و وسائل امور زندگی کی طرف اس غرض سے توجہ و التفات فرماتے تھے کہ اس کے وسیلہ سے رضائے الٰہی حاصل کر سکیں اور بندگان خدا کی مشکلیں حل کر سکیں، اسی وجہ سے اس کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے میں معمولی سا مضائقہ بھی گوارہ نہیں کرتے تھے اور اپنے پاس جمع شدہ مال جو خود انھیں حضرات کی محنتوں کوششوں اور کاوشوں کا ماحصل ہوتا تھا، کے خرچ کرنے میں تمام لوگوں سے آگے تھے۔

یوسف قیصر عباسی کہتا ہے کہ :۔

"کثیر العیالی اور مصارف کی فراوانی نے مجھے مجبور کیا کہ عباسی خلفاء کے دربار میں اور اس کے اعیان و اشراف کو خطوط لکھوں اور وہاں آمد و رفت کا آغاز کروں تا کہ میری مشکلوں کے حل کی کوئی صورت پیدا ہو لیکن میری اس کوشش اور جد و جہد کا کوئی معمولی سا نتیجہ بھی نہیں نکلا کیونکہ وہ سب ہی نشۂ جاہ و جلال میں مست اور دریائے

شہوت و منصب و ریاست میں غرق تھے، لیکن ایک مرتبہ میرا گذر حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف سے ہوا تو بغیر اس کے کہ مجھ سے اور امامؑ سے اس سلسلہ میں کوئی گفتگو ہو امامؑ نے بغیر کسی تاخیر کے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں چار سو دینار تھے۔ میں امامؑ کی اس عطا کی برکت سے مشکلات زندگی سے نجات دے کے اپنے تمام قرضوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکا۔"

امامؑ کے مشہور اقوال میں سے یہ ہے کہ "بہشت میں جانے کے اسباب میں سے ایک نیک عملی ہے اور خاص کر اس امر میں وہی افراد شمول و مستحق رحمت الٰہی ہو سکتے ہیں جو کمزور طبقہ کے لوگوں پر رحمدل ہوں اور نیک عمل والے اور بخشش کرنے والے ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کے مہربان ہوں۔ (احقاق الحق، جلد ۱۲)

امام علیہ السلام کے اقوال و ہدایات و ارشادات بہت زیادہ منقول ہیں۔ ان میں سے کچھ کو ہم بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

امامؑ علم و دانش اور علم اندوزی و دانش آموزی کی تشویق کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ایک لقمہ بن جائے اور اسے میں کسی ایماندار عالم و دانشمند کو دیدوں تو مجھے اس کا خوف ہوگا کہ میں نے اس کے حق کی ادائگی میں کوتاہی کی ہو اور اس کے مقابل کسی فاسق نادان و جاہل کو دنیا کی تمام نعمتوں میں سے سوائے ایک گھونٹ پانی کے کچھ نہ دوں تو مجھے اس کا اندیشہ ہوگا اس کے بارے میں میں نے اسراف سے کام لیا ہو۔" (گناہان کبیرہ ص ۱۵۳)

(الکحل) مشروبات کے استعمال کے بارے میں امام ؑ کا فرمان۔

"میں خدا کو شاہد بناتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علی بن محمدؑ سے سنا اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار محمد بن علیؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر عالیقدر علی بن موسیٰ سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار موسیٰ سے انہوں نے اپنے پدر گرامی قدر جعفرؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار محمدؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر عالی قدر علیؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار علی بن ابیطالبؑ سے اور انہوں نے پیغمبر اسلامؐ سے اور آنحضرتؐ نے جبرئیل سے اور انہوں نے میکائیل سے نقل کیا ہے کہ اسرافیل نے نقل کرتے ہوئے خدا کو گواہ قرار دیا ہے کہ لوح محفوظ پر اللہ کا یہ فرمان ثبت ہے کہ:۔

"شراب خوار بت کی تعریف کرنے والے کے مانند ہے۔"

شاید شراب خواری کی بت پرستی سے تشبیہ کا سبب ایک قسم کی عادت، آلودگی اور قلبی رغبت و میلان کا پایا جانا ہے جو دونوں صفتوں میں موجود ہوتی ہے، اور دونوں کا ارتکاب کرنے والے قلبی و باطنی میلان و رغبت کے ماتحت ان دونوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شہادت

جس وقت معتمد عباسی نے امام حسن عسکری ؑ کی طرف لوگوں کی قلبی محبت و عقیدت اور میلان کا احساس کیا اور یقین کرلیا کہ بکرر و پے در پے حضرت کو مقید کرنا بھی اس محبت و مودت کی جڑوں کو لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں سے اکھیڑ نہیں سکتا اور حضرت کے وجود کو اپنی حکومت کے زوال کیلئے خطرہ کی گھنٹی تصور کرنے لگا، تو اپنی تمام تر سعی و کوشش

آپ کے وجود کے ختم کرنے کی فکر میں صرف کرنے لگا اور عملی و موثر تدبیر بروئے کار لانے کے درپے ہوگیا، آخر کار اس کی فکر کا نتیجہ اس مرحلہ پر ظاہر ہوا کہ ان حضرت کو مسموم کرے اور لوگوں کو خاموش رکھنے اور شیعیان و عقیدتمندان اہل بیت کے عمومی افکار کو مغالطہ میں مبتلا رکھنے کیلئے کوئی اسکیم بنائے، چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنا دیا لیکن امامؑ کے عقیدتمندوں کو خوش رکھنے کیلئے طبیبوں کو حضرت کا علاج کرنے کیلئے بھیجا، اور خود بھی کئی بار حضرت کی عیادت اور احوال پرسی کیلئے حاضر ہوا لیکن زہر حضرت کے جسم اقدس میں اپنا کام کرتا رہا یہانتک کہ آٹھ روز تک بستر علالت پر گذارنے کے بعد ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو حضرت نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

تاریخ کہتی ہے۔

جس وقت امام کی علالت و بیماری کی خبر عام ہوئی اور معتمد خلیفہ عباسی تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ حکومت وقت کا وزیر عبید اللہ بن خاقان "خلیفہ کے خاص درقریب لوگوں میں سے پانچ افراد کو ساتھ لیکر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوں اور خاندان امامت کی خبروں اور اندرونی حالات وکیفیات کو تحت نظر اور اپنے کنٹرول میں رکھیں اس کے علاوہ کئی نفر اطبا اور معالجوں کو حکم دیا کہ امامؑ کے مزاج کی کیفیت کو مسلسل زیر نظر رکھیں اور ساتھ ہی خانۂ امامؑ کے اندرونی حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کریں، اس واقعہ کو ابھی دو روز بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ یہ خبر ملی کہ امام کا مزاج ضعف و نقاہت کی طرف مائل ہے طبیبوں کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ خبردار اب امام کے گھر سے ہرگز نہ ہٹیں، اور شہر کے "قاضی القضاۃ" سے یہ خواہش کی گئی کہ قاضیوں میں سے دس افراد کو منتخب کرے اور ان سب کو

لیکر امام کی خدمت میں جائے اور وہاں قیام کریں، چنانچہ وہ سب امامؑ کی رحلت کے وقت تک خانۂ امام میں موجود رہے، جس روز امامؑ نے رحلت فرمائی تمام شہر سامراء نالہ و شیون کا ایک خطہ بن گیا تھا، بازار بند ہو گئے کام کرنے والوں نے اپنے کاموں کو معطل کر دیا اور عام طور پر تمام طبقات کے لوگ امامؑ کے غم میں سوگوار تھے اور گریہ وزاری و نالہ وفریاد کے ساتھ امام کے جنازہ مطہرہ کی تشییع میں حاضر ہوئے، شہر کی عام حالت منقلب تھی جس وقت جنازہ تیار ہو گیا تو خلیفہ نے اپنے چچا "عیسیٰ بن متوکل" کو مامور کیا کہ وہ حضرت کی نماز جنازہ پڑھے، جس وقت وہ نماز کیلئے کھڑا ہوا تو پہلے حضرت کے چہرۂ اقدس سے کفن ہٹایا اور افرادِ بنی ہاشم و خاندان علوی کو دکھلایا کہ امامؑ اپنی طبیعی اجل اور حتمی موت سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں پھر عام مجمع کی طرف رخ کر کے یہ اعلان کیا کہ حضرت کی موت کے وقت قاضیوں اور طبیبوں کی ایک جماعت جن کے نام میں گنتا ہوں .... موجود تھے اور خلیفہ کے خواص میں سے یہ افراد بھی .... موجود تھے۔ آپ نے اپنے بستر پر اپنی طبیعی موت کے نتیجہ میں انتقال فرمایا ہے، پھر امامؑ کے چہرہ کو چھپا دیا اور نماز جنازہ پڑھی، پھر جنازہ کو اٹھانے کا حکم دیا، یہاں تک کہ حضرت دفن کر دیئے گئے۔

مذکورہ بیان سے ہمارا استفادہ۔

اس مستند بیان سے جس کو اکثر مورخین اور سیرت نویسوں نے قلمبند کیا ہے جو کچھ مستفاد و ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

آنحضرتؑ کی مسمومیت خلافت کے ذمہ داروں کے ہاتھوں عمل میں آنا قوت سے خالی اور صحت سے بعید نہیں ہے یہاں تک کہ اس وقت کے لوگوں کے عمومی آراء و افکار کو بھی زیر پردہ قضیوں کی طرف متوجہ کیا ہے اور انھیں افواہوں اور چہ میگوئیوں نے زمانہ ان

خلافت کو اضطراب و تشویش میں ڈال دیا تھا۔ اسی لئے ان لوگوں کی یہ کوشش رہی کہ اس طرح کی نمائشی تدبیروں اور مصنوعی پردوں کے ذریعہ لوگوں کے بیدار و آگاہ افکار و آراء کو دبا دیں اور بے کار کر دیں۔ مذکورہ بیان اس مشہور حدیث کی بھی تائید کرتا ہے جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی مسمومیت اور شہادت کے بارے میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ:۔

"ہم سب کے سب یا تو زہر خورانی کے ذریعہ یا شہادت کے ذریعہ دنیا سے جائیں گے"

دفن امام علیہ السلام۔

صاحب ارشاد تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ اوّل ماہ ربیع الاوّل کو صاحب فراش علالت ہوئے اور اس مہینہ کے آٹھ دن ختم ہوئے تھے کہ امامؑ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور شہر سامرا میں اسی مکان میں جس میں آپ کے پدر بزرگوار امام ہادیؑ مدفون ہوئے تھے دفن کئے گئے، رحلت کے وقت آپ کی عمر مبارک ۲۸ سال تھی، اور آپ کے واحد فرزند حضرت قائم منتظرؑ آپ کی یادگار باقی رہے اور آپ کے علاوہ امامؑ کے کوئی دوسرے فرزند نہیں تھے۔

شہادت کے بعد۔

امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد معتمد عباسی خلیفہ نے چند افراد کو مامور کیا کہ وہ سب حضرت کے خانۂ اقدس میں جائیں اور مکمل طور پر گھر کی تفتیش کریں اور تلاشی لیں، اور حضرت کے اثاث البیت اور جملہ شخصی وسائل زندگی کو جمع کر کے ان پر مہر کر دیں، اور دائیوں کے ذریعہ حضرت کے فرزندوں کے بارے میں سراغ و معلومات حاصل کریں، اور حضرت کے مکان کے تمام حجروں اور کمروں کو دیکھ ڈالیں، چند دائیوں کو حکم دیا کہ حضرتؑ کی ازواج اور کنیزوں کو تحت نظر رکھیں اور ان کی تفتیش کریں اگر ان میں سے کسی میں حمل

کا اثر پائیں تو اس کی اطلاع دیں چنانچہ دائیوں میں سے ایک کو ایک کنیز کے متعلق حاملہ ہونے کا گمان ہوا اور اس کی اطلاع دی گئی، خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے کسی حجرہ میں محبوس و مقید کر دیں اور "نحریر" جو خلیفہ کا مخصوص خادم تھا، اس کنیز کی مراقبت و نگرانی پر معین ہوا تاکہ خبر کا سچ یا جھوٹ ہونا واضح ہو جائے۔

امامؑ کے مخصوص خادم خبر دیتے ہیں۔

نمائندۂ خلیفہ کے ذریعہ امام کی نماز جنازہ پڑھانے کی جو داستان اوپر نقل ہوئی وہ وہ مورخین شیعہ کی ایک جماعت مثل جناب شیخ مفیدؒ اور دوسرے علماء کی روایت کی بناء پر تھی لیکن شیعوں کے درمیان جو روایت مشہور ہے وہ جناب ابن بابویہؒ کی روایت ہے جو وہ اپنی معتبر سندوں سے نقل کرتے ہیں۔

"ابو الادیان" جو امام حسن عسکریؑ کے مخصوص خدمتگذار تھے، بیان کرتے ہیں کہ:
"مجھے امام حسن عسکریؑ کی پر افتخار خدمتگذاری کا شرف حاصل تھا، آنحضرتؑ کے خطوط، پیغامات اور سفارشات کو میں حضرت کے دوستوں اور شیعوں کو شہروں اور دوسری آبادیوں میں پہنچایا کرتا تھا جس بیماری میں حضرت نے دنیا سے رحلت فرمائی میں حضرت کی خدمت میں مشرف ہوا، امامؑ نے جو خطوط تحریر فرمائے تھے مجھے عنایت فرمائے اور حکم دیا کہ "انھیں میں مداین" پہنچاؤں اور فرمایا کہ تمہاری اس مسافرت میں پندرہ روز صرف ہوں گے جس وقت تم سر من رائی میں واپس آؤ گے تو تم گریہ وزاری و نالہ و فریاد کی آوازوں سے دوچار ہو گے میں نے عرض کیا کہ اس وقت میری تکلیف کیا ہو گی اور خطوط کے جوابات کے بارے میں کیا ہو گا؟ فرمایا کہ جو شخص تم سے ان خطوط کے جوابات کا طالب ہو وہی میرا وصی و جانشین ہے، میں نے عرض کیا کہ از راہ کرم کچھ

اور وضاحت فرمائیں فرمایا کہ جو شخص مجھ پر نماز پڑھے گا وہی میرا جانشین ہے، میں نے عرض کیا، کچھ اور وضاحت فرمائیں فرمایا کہ جو شخص ھمیانی کے اندر کے مال اور اس کی مقدار بتائے وہی میرا جانشین ہے، امام کے رعب و عظمت نے مجھے اجازت نہیں دی کہ کچھ اور سوال کروں۔

میں نے خطوں کو مدائن پہنچایا اور ان کے جوابات حاصل کئے پندرہواں دن تھا جب میں سامرا واپس پہنچا جب میں شہر میں وارد ہوا تو دیکھا کہ شہر گریہ و زاری و نالہ و شیون سے معمور ہے، میری نظر امام کے بھائی جعفر پر پڑی جو گھر کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور کچھ لوگ انہیں گھیرے ہوئے ہیں اور انھیں بھائی کی وفات پر تسلی و تعزیت دے رہے ہیں اور بہ عنوان؟ امامت انھیں تہنیت و مبارکباد دے رہے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص لوگوں کا امام و پیشوا ہے تو امامت کا حشر معلوم ہے کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارہا اس کو شراب پیتے اور اعیان و اشراف شہر کے محلوں میں مشغول قمار بازی شراب خواری و تفریح و عیاشی دیکھا ہے، پھر بھی میں آگے بڑھا اور اسے تسلی دی اور پھر اس سے اور زیادہ نزدیک ہو گیا، لیکن اس نے میرے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا، اسی لمحہ میں نے دیکھا کہ عقید" امام کے دوسرے خادم گھر سے باہر آئے اور جعفر کی طرف رخ کر کے کہا کہ جنازہ تیار ہے آپ نماز پڑھ سکتے ہیں جعفر اور ان کے گرد جو لوگ تھے سب جنازہ کے پاس آئے جعفر نماز پڑھنے کیلئے آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ تکبیر کہیں کہ اچانک ایک صاحبزادے گھر سے باہر آئے اور جعفر کی عبا کا دامن پکڑ کر کھینچا اور فرمایا "چچا! پیچھے ہٹ جائیے میں اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا زیادہ حقدار ہوں" جعفر پیچھے ہٹ گئے اور ان صاحبزادے نے نماز پڑھی اس کے بعد لوگ جنازہ کو امام کے پدر بزرگوار امام ہادی" کی قبر کے پاس لائے اور اس کے پہلو میں دفن کر دیا.....

اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا۔ "بصری! خطوں کے جوابات مجھے دو۔"

میں نے اپنے دل میں کہا: یہ دوسری علامت ہے اب صرف ایک ابہامی نکتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے تیسری نشانی، حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ بچہ کون تھا؟ جعفر نے کہا میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ اسے پہچانتا ہوں میں اپنی مشکل حل ہونے کا منتظر تھا، اور وہ بھی اس طرح سے حل ہو گئی کہ،

سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ شیعیان قم میں سے کچھ لوگ وارد ہوئے اور امام حسن عسکریؑ کے متعلق دریافت کیا، جب ان کو حضرت کی رحلت کی خبر دی گئی تو وہ لوگ بیحد متاثر و غمگین ہوئے پھر پوچھا کہ اب ہماری ذمہ داری کیا ہے اور کس کی طرف رجوع کرنا چاہیے؟ کچھ لوگوں نے جعفر کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے جعفر کو سلام کیا اور تسلی دی، پھر یہ ظاہر کیا کہ ہمارے پاس کچھ خطوط اور کچھ مال ہے مہربانی فرما کر بتائیے کہ وہ خطوط کس کے ہیں؟ اور مال کی مقدار کیا ہے؟ جعفر کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کو حرکت دیتے اور یہ کہتے ہوئے مجلس سے باہر نکل گئے کہ: لوگ ہم سے غیب کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ ابو عقید کہتے ہیں کہ، میں نے انہیں حساس لمحات میں امام عصرؑ کی طرف سے ان لوگوں کو خطوط لکھنے والوں کے نام اور ہمیانی کے اندر جو رقم تھی اس کی مقدار بتائی، امامؑ نے مزید یہ اضافہ فرمایا کہ کل رقم کا مجموعہ ایک ہزار دینار اشرفی ہے جس میں سے دس دینار کھوٹے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ وہی ہمارے امام و پیشوا ہیں۔ اس واقعہ کے بعد جعفر خلیفہ کے پاس گئے اور معتمد کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، معتمد نے اسی تاریخ سے اپنے مامورین کو خانۂ امام پر معین کیا تا کہ وہ سب ان بزرگوار کی تلاش و جستجو برابر جاری رکھیں، اور خود خلیفہ بھی ہمیشہ خاندان امامؑ کے اوضاع و احوال پر پوشیدہ طور سے نظر رکھتا تھا اور امام حسن عسکریؑ کی کنیزوں کو حراست میں لے لیا اور قاضی شہر کے خاندان کو ان لوگوں کے احوال و اوضاع کی

تحقیق و تفتیش کیلئے مقرر کیا۔ (۱)

ایک سوال کا جواب۔

اب محترم پڑھنے والوں کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ امام کا اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھنا کس طرح اور کس ترتیب سے عمل میں آیا، اور باوجود ان تمام نگرانیوں اور تفتیشوں اور تلاش وجستجو کے جو ظالم وجابر عباسی حکومت کی طرف بروئے کار لائی گئیں جن سے ہم گذشتہ صفحات میں آگاہ ہوئے ہیں، امامؑ نے کیونکر نماز پڑھی؟۔

اس سوال کو حل کرنے اور اس شبہہ کو رفع کرنے کیلئے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس مقام وماحول کے احوال واوضاع اور صورت حال کے قرائن کی طرف توجہ دیجائے، اور تب اس سوال کا جواب اور حل تلاش کرنا بے حد آسان ہوجائے گا۔

علامہ مجلسیؒ (۱) اور دوسرے علما نقل کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی رحلت ۲۶۰ھ میں نماز صبح کے وقت واقع ہوئی، امامؑ نے اس شب میں جس کی صبح کو رحلت فرمائی ہے متعدد خطوط اہل مدینہ کو تحریر فرمائے اور اپنے خادم کے ذریعہ انہیں بھیجا، اس وقت امامؑ کی خدمت میں سوائے حسب ذیل چند نفر کے کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

(۱) کنیز خاص "صیقل" نامی۔

(۲) مخصوص خادم "عقید" نامی۔

(۳) وہ عالی مقام شخصیت جس کے وجود سے لوگ آگاہی واطلاع نہیں رکھتے تھے۔ (حضرت امام عصرؑ)

امامؑ کی کنیز کا بیان ہے کہ ہم نے امامؑ کی مخصوص دوا (مصطکی کا پانی) امام کی

خدمت میں پیش کی تا کہ حضرت نوش فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ پہلے پانی لاؤ تا کہ وضو کروں پانی لایا گیا اور امام نے ایک رومال اپنے دامن پر پھیلایا اور وضو کیا، اور نماز صبح ادا فرمائی، پھر اپنی مخصوص دوا دست مبارک میں لی تا کہ نوش فرمائیں، لیکن شدت علالت وضعف ونقاہت کی وجہ سے دست مبارک میں لرزش ہو رہی تھی اور دوا کا پیالہ لب اقدس سے ٹکراتا تھا اور آپ کے اندر اسے سنبھالنے کی طاقت نہیں تھی میں نے پیالہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تا کہ دوا پینے میں حضرت کی مدد کروں کہ اچانک اسی لمحہ حضرت کی مقدس روح عالم قدس وملکوت کی جانب پرواز کر گئی۔

جناب محدث اردبیلی کیا فرماتے ہیں؟۔

حضرتؑ کی علالت کا سلسلہ اوّل ماہ ربیع الاوّل سے شروع ہوا اور ۸ ربیع الاوّل روز جمعہ صبح تک یہ سلسلہ قائم رہا، یہاں تک ۸ ربیع الاوّل کو علی الصباح حضرت نے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی اور اسی گھر میں جس میں آپ کے پدر بزرگوار سپرد خاک کئے گئے تھے آپ بھی مدفون ہوئے۔

آپ کے بھائی جعفر آپ کے سارے مال وملکیت پر قبضہ کر کے اپنے تصرف میں لائے اور حضرت کی کنیزوں، زوجہ اور خادموں کی حراست وگرفتاری میں پوری کوشش صرف کی، اور انتظار فرج کا اعتقاد رکھنے والوں کی ایذا رسانی کے اسباب ہر روز مہیا کرتے رہے، اور انہیں حبس وزجر اور خلیفہ سے شکایت کرنے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔

راہِ حل۔

اس قرینہ کی طرف کہ امام عالی مقام کی رحلت اوّل صبح بعد نماز واقع ہوئی توجہ

کرنے سے مناسب حل کا راستہ جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ امام کے فرزند معصوم کی نماز گزاری گھر کے اندر اور مخصوص دوستوں اور عقیدتمندوں کے ماحول اور امام معصومؑ کے فرج کے منتظرین اور شیعوں کے مجمع میں عمل میں آئی ہو اس کے بعد اس زمانہ کے معمول و دستور کے مطابق کہ وقت کی حکومتیں ایسے موقع پر عمل کی منزل میں داخل ہوئی تھیں، مخصوص جگہ پر خلیفہ کے اعوان و عمال کے شرکت کے ساتھ نماز جنازہ عمل میں آئی ہوگی اور خلیفہ کی طرف سے معین آدمی بنام "عیسیٰ بن متوکل عباسی" نے امام کے جنازہ پر دوبارہ نماز پڑھی ہوگی اسی ترتیب سے جو ارشاد شیخ مفیدؒ اور بحار الانوار اور تاریخ و حدیث شیعہ کی دوسری کتابوں میں نیز مورخین اہل سنت کی کتابوں میں بیان ہوئی ہے، خداوند متعال وقائع و حوادث کے بارے میں سب سے زیادہ آگاہ و دانا ہے۔

۱) کشف الغمہ اربلی ص ۲۹۱

۱) جلاء العیون ص ۵۷۹

۱) جلاء العیون ص ۵۷۸، بحار الانوار ج ۱۲ ص ۷۷

۱) ارشاد شیخ مفید ص ۳۲۰، تاریخ عسکریین، ج ۲ ص ۱۰۹، جلاء العیون مجلسی ص ۵۷۷

۱) ارشاد شیخ مفید ص ۳۲۰ چاپ آخوندی، بحار الانوار مجلسی، کشف الغمہ اربلی ص ۲۸۲

حضرت امام زمانؑ وعجل اللہ فرجہٗ امن وامان کی بشارت دینے والے

نیمۂ شعبان امانت وامنیت کی بشارت دینے والی تاریخ

ماہ شعبان عالم اسلام کی تاریخ میں شجاعت کی بشارت کا مہینہ، امید آفریں و نویدبخش مہینہ تھا اور ہے شعبان وہ مہینہ ہے جو حسین نغمہ ساز ولادت کو آفتاب حق وحقیقت حضرت مہدیؑ موعود کی نورانی شعاعوں کے طلوع مسعود سے جوڑ دیتا ہے۔ اور دنیا کے تمام مستضعفین ومقہورین کے اشتیاق کو روئے زمین کے تمام خطوں اور علاقوں میں عروج پر پہنچا دیتا ہے، اس مہینہ کی پندرھویں تاریخ عالم بشریت کے مصلح، عدل عمومی کے پھیلانے والے اور اسلام کی توحید ویکتا پرستی کی حکومت کو وسعت دینے والے، عدالت جہانی کے جاری کرنے والے انسانوں کے حقوق کو ثابت کرنے والے مستکبرین پر مستضعفین کی حکومت اور اسراف کاروں اور گھمنڈ کرنے والوں پر محرومین کی انتہائی کامیابی کا مژدہ سنانے والے کی ولادت باسعادت کی بشارت دینے والی ہے۔

باطل پر حق کی فتح

مایوسی پیدا کرنے والے اور ناامید کرنے والے اندیشوں کے برخلاف اور قنوطیت پسندوں اور الحاد ومادیت پرستوں کے نظریات کے باوجود باطل پر حق کی

طاقت کی انتہائی فتح، صلح و عدالت عمومی کی اشاعت و توسیع ظلم و جور و جبر و قہر کے خاتمہ انسانی اقدار کے مکمل و ہر چہار جانب استقرار، مدینت فاضل اور ایک آئیڈیل جامعہ کی تشکیل کا اندیشہ و نظریہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ کم و بیش تمام اسلامی مذاہب اور فرقے جزئی اختلاف و تفاوت کے ساتھ جس کے قائل و مومن و عقیدتمند ہیں۔

یہ باطل پر حق کی فتح و ظفر کا نظریہ ایک قرآنی اصل و حقیقت ہے قرآن مجید اپنی متعدد آیتوں کے ذیل میں پوری قاطعیت و پورے یقین کے ساتھ ایمان کی انتہائی فتح، صالحین اور نیکوکاروں کے قطعی غلبہ اور ہمیشہ کیلئے ستمگروں اور ظالموں کے ہاتھوں کے کوتاہ ہو جانے کی بشارت دے رہا ہے اور اسلامی روایات میں اس مقدس خیال و نظریہ کے متحقق ہونے کی امید و آرزو کو انتظار فرج کے عنوان سے یاد کیا گیا، اصلاح کنندہ انتظار قوت آفرین انتظار ویسا ہی انتظار جیسا ایک مشتاق میزبان پوری تیاری و آمادگی کے ساتھ اپنے عالیقدر مہمان کا انتظار کرتا ہے، نہ کہ سہل پنداری، مہمل کاری اور ویرانگری والا انتظار۔

استاد عالیقدر مفسر حکیم الٰہی اور معاصر اسلام شناس علامہ طباطبائی اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

" عمومی ہدایت کا قانون بشر کو کمال کی طرف لیجاتا ہے اور نوع بشر کی وحی و نبوت کی طاقت کے ذریعہ کمال انسانیت کی طرف رہبری ہوتی ہے، امام مہدیؑ کے ظہور کا مسئلہ خدا کی طرف سے عمومی ہدایت و دوامی رہبری کا مسئلہ ہے اور چونکہ ابھی تک بشر کی زندگی کی کلی رہگذر میں عمومی ہدایت صورت پذیر نہیں ہو سکی ہے .... صـ ۲۱۶

.... کہ اس زمانہ میں جامعہ بشریت عدل و انصاف سے پُر، اور صلح

وصفائی کے ساتھ بھی زندگی گذارے اور افراد انسانی بحر فضیلت وکمال میں غرق رہیں اور
ایسی صورت حال کا قیام واستقرار خود انسان کے اپنے اختیار میں ہوگا اور ایسے جامعہ
کا رہبر عالم بشریت کا نجات دہندہ اور روایات مہدی موعود (عج) کا مصداق ہوگا.....
چونکہ ان طرح طرح کے ادیان ومذاہب میں سے جو دنیا میں حکومت کرتے ہیں
جیسے وثنیت (بت پرستی) کلیمیت (اسرائیل) مجوسیت اور اسلام ہر ایک بشریت کے
کسی نجات دہندہ کی بات کہی ہے اور اس کے ظہور کی خوشخبری بھی دی ہے اگر اس
شخصیت کی تطبیق میں اختلاف رکھتے ہیں، اور یہ حدیث جو مسلمانوں کے نزدیک متفق
علیہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "مہدی موعود میرے فرزندوں (میری نسل) میں سے
ہوگا" اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے. (شیعہ در اسلام ص۱۵۰).
غیبت کے سلسلہ میں پروفیسر ہنری کربن" استاد فلسفہ سوربن یونیورسٹی پیرس
کے جواب میں استاد عالیقدر اس طرح فرماتے ہیں :.
" عدالت جہانی کا ہر ذی روح کے اپنے حق کو پالینے کے معنی میں متحقق ہونا ظہور
امام عصرؑ کا بزرگترین فلسفہ ہے اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ ظہور کے بزرگترین فلسفہ کی تعریف
سینکڑوں نبویؐ روایتوں اور ائمہ معصومینؑ کی احادیث عدل وانصاف کی برقراری اور
اس کی اشاعت وتوسیع سے کی گئی ہے.
مشکل یہ ہے کہ نہ تو علم باوجود اپنی تمام باریک بینیوں کے بشریت کے جسم وجان
کے مسئلہ کو حل کرسکتا ہے اور نہ عقل باوجود اپنی تمام نکتہ رسیوں کے حل کرسکتی ہے اور نہ
ہنر وفن باوجود اپنی تمام نازک اندیشیوں کے حل کرسکتا ہے. یہ ساری جنگیں، طبقاتی
اختلافات، نسلی امتیازات، طرح طرح سے استثمار واستحصال ستمگروں کے مظالم

ڈکٹیٹری نام نہاد انصاف وروں کے مظالم، دباؤ و فشار، کمیونزم و مارکسزم کے پس پردہ امپیریلزم اور کیپٹلزم کی پیشانی پر چمکنے والا امپیریلزم اور تمام سرمایہ دارانہ نظام یہ سب کے سب شہادت دے رہے ہیں کہ عدالت جہانی مردہ ہے اور دنیا ایک ایسے انجینئر اور باغبان کی محتاج ہے جو معیاروں کے ساتھ انسان کے گوشوں اور پہلوؤں کو پہچان سکے اور عالمی عدالت کے تنومند درخت کو سرسبز و شاداب کر سکے اور انسان اور دوسرے جاندار موجودات کی ترقی و تکامل کا ادارہ قائم کر سکے۔ شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ امام محمدؑ بن حسن العسکری عبد صالح قائم عجل اللہ فرجہ، اس عالمی عدالت کے قائم کرنے والے ہوں گے۔

(مصاحبہ استاد طباطبائی از انتشارات مکتب تشیع)

اس ترتیب سے تمام اہل عالم عموماً اور شیعہ اور پیروان اہل بیتؑ خصوصاً ایک ختم ہونے والے انتظار میں زندگی بسر کرتے ہیں ایسا انتظار جو امید آفریں، حرکت پیدا کرنے والا اور فعالیت و حرکت و عمل سے سرشار ہے۔

عظیم انتظار۔

استاد شہید مطہری اس بارے میں بہت مفید و دلچسپ بیان دیتے ہیں، وہ انتظار کو دو قسموں ویران کرنے والا انتظار اور امید بخش انتظار پر تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

انتظار مستقبل کی طرف راہ کشائی کی ایک قسم ہے، امید اصلاح کی ایک قسم ہے اور قسمت و تقدیر سے دلبستگی کی ایک قسم ہے۔ نہضت و انقلاب مہدی موعود کا ایک ظاہری انتظار یہ ہے جو صرف ماہیت انفجاری رکھتا ہے یہ فقط اور فقط مظالم، نسلی امتیازات، حق کشی، زور زبردستی اور تباہیوں کی اشاعت و رواج سے پیدا ہوتا ہے، حقیقت میں یہ حصول

یافت کے ادارہ کی ایک قسم ہے جو پریشان ہونے کا نتیجہ ہے، جس وقت صلاح و درستی نقطۂ صفر پر پہنچ جائے، حق و حقیقت کا کوئی طرفدار نہ ہو، باطل میدان میں اکیلا دندناتا پھرے باطل کی قوت کے سوا کوئی اور طاقت حاکم نہ ہو، دنیا میں کوئی صالح فرد پایا ہی نہ جائے تب یہ انفجار پیش آتا ہے اور غیب کا ہاتھ حقیقت کی نجات کیلئے آستین سے باہر نکلتا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جہاں گناہ فال بھی سمجھا جاتا ہے اور تماشا بھی، معصیت لذت بھی ہوتی ہے اور مقصد براری بھی اور مقدمۂ انتہائی انقلاب کی مدد بھی .....

ظہور مہدی موعود کے انتظار کی یہ قسم اور انتظار فرج کی یہ نوع جو حدود و مقررات اسلامی کے معطل رہنے کی ایک قسم کی طرف منجر ہوتی ہے اور جسے باجگیری کی قسم سمجھنا چاہئے کسی طرح بھی اسلامی و قرآنی میزانوں سے موافقت و مطابقت نہیں رکھتا۔

انتظارِ اصلاح کن۔

قرآن مجید کی وہ چند آیتیں جو اس انداز فکر کی اصل و جڑ میں مذکورہ بالا صورت انتظار کے بالکل برعکس رہنمائی کر رہی ہیں، ان آیتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا ظہور اہل حق و اہل باطل کے درمیان مبارزہ کی کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے جو اہل حق کی انتہائی فتح و کامرانی پر منتہی ہوتی ہے۔

اس سعادت میں کسی ایک فرد کا شریک و سہیم ہونا اس امر سے مربوط ہے کہ وہ فرد عملاً اہل ایمان و اہل عمل صالح کے گروہ میں شامل ہوئی ہے اہل ایمان کی آخری و انتہائی فتح کا مظہر ہے نہ کہ اہل باطل کی فتح کا، قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "خدا نے مومنین شائستہ و باصلاحیت سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں روئے زمین پر اپنا جانشین

بنائیگا اور اس دین پر انھیں ثابت قدم رکھیگا جسے اس نے ان کیلئے پسند کرلیا ہے" ان کے خوف و ہراس کے دور کو امن و عافیت کے دور سے بدل دے گا، اس وقت وہ لوگ بلا خوف و ہراس اپنے خدا کی پرستش کریں گے اور خدا کی اطاعت میں سر جھکادیں گے اور کسی چیز کو اس کی عبادت و اطاعت میں شریک نہیں بنائیں گے۔"

ظہور مہدی مستضعفان عالم اور ذلیل و خوار کئے گئے لوگوں پر ایک احسان ہے اور ان سب کے پیشوا و مقتدا ہونے کا ایک وسیلہ ہے اور حکومت کے وارث ہونے کا ایک مقدمہ و تمہید ہے۔

ظہور مہدی موعود ایک متحقق ہونے والا وعدہ ہے جو خداوند عالم قدیم ترین زمانوں سے آسمانی کتابوں میں اپنے صالح و متقی بندوں کو دیتا رہا ہے کہ زمین انھیں کی ہے اور عاقبت وانجام خیر تو فقط پرہیزگاروں سے تعلق رکھتا ہے، اور وہ حدیث معروف جس میں حضرتؑ فرماتے ہیں کہ "یملا اللہ بہ الارض قسطاو عدلا بعد ما ملئت ظلما و جورا" ہمارے مدعا پر شاہد ہے کیونکہ اس حدیث میں ظلم پر تکیہ ہے اور بات ظالم گروہ کی ہے جو مظلوم گروہ کے وجود کا مستلزم ہوگا، یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ قیام مہدی ان مظلوموں کی حمایت کیلئے ہوگا جو حمایت کے مستحق ہیں۔

اسلامی روایات میں ایک ایسے زندہ گروہ کی بات بھی کہی گئی ہے جو ظہور امامؑ ہوتے ہی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ بدیہی امر ہے کہ یہ گروہ بطور ابتدا بساکن خلق نہیں ہوں گے (یعنی آسمان سے یکبارگی ٹپک پڑے ہوں) یا بہ قول مشہور کسی ہرے درخت کے تنے سے نہیں نکلیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و فساد کی عین اشاعت و رواج کی حالت میں کچھ بلند مرتبہ مصلحین بھی وجود رکھتے ہوں گے، ایسا حق و حقیقت کا گروہ ابھی اپنی صف کے آخر میں نہیں پہنچا ہے یعنی اس گروہ کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے، بالفرض

اگر اہل حق اپنی تعداد کے اعتبار سے الق تو جہ بھی ہوں لیکن کیفیت کے اعتبار سے اہل ایمان میں عظیم قدر و قیمت کے مالک ہیں اور حضرت سید الشہداءؑ کے رفقاء و انصار کے ہم ردیف ہیں۔

تمام آیات و روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ قیام مہدی موعودؑ مبارزات حق و باطل کی کڑیوں میں سے ایک آخری کڑی ہے جس کا سلسلہ آغاز آفرینش سے قائم ہے اور مہدی موعود تمام انبیاء و اولیاء اور راہِ حق و حقیقت کے مبارز بہادروں کا تحقق پذیر آئیڈیل اور کمال مطلوب رہا ہے۔

ولادت نور۔

پندرہویں ماہ شعبان ۲۵۵ھ کی نورانی شب تھی جس میں خداوند متعال نے گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکریؑ کو ایک فرزند عنایت فرمایا جن کا نام امامؑ نے محمدؑ رکھا، آپ کی مادر گرامی قدر روم و ایشیاء کوچک کے شہروں کی باشندہ تھیں جن کا نام نرجس تھا، یہ وہ خاتون تھیں جو کمال عفت و پرہیزگاری میں ممتاز تھیں اور ذاتی خوبیوں اور صفات سے آراستہ تھیں جو امام دہمؑ کی بارگاہ تربیت و تعلیم سے کسب فیض کیا، یہاں تک کہ اپنی لیاقت و فضیلت ہی کے نتیجہ میں ان کو امام دہمؑ کی بہو اور امام حسن عسکریؑ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

شیعوں کے امام موعود نے اس با فضائل و کرامات باپ اور ایسی با فضیلت و عفت ماں سے دائرہ حیات میں قدم مبارک رکھا اور اپنے طلوع سے اپنے شیدائیوں اور مستضعفین کے دلوں میں امید کا نور جگمگا دیا، یہ پُر راز و اسرار نومولود مسعود ۲۶۰ھ تک اپنے پدر بزرگوار کی زیر کفالت و تربیت زندگی بسر کرتا رہا۔ اس اندیشہ سے کہ عباسی نظام حکومت کے ماموین آپ کے وجود سے آگاہ نہ ہوں، لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے اور شیعوں میں سے بھی صرف بہت خاص و مخلص دوست حضرت کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل کر سکتے تھے۔

اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد جب بار امامت آپ کے دوش پر آیا تو بامر الٰہی

حضرت نے غیبت اختیار فرمائی اور صرف آپ کے نائبین خاص ہی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتے تھے اور حضرت کسی دوسرے شخص کیلئے ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

امام علامہ ابن صباغ مالکی جو برادران اہل سنت کے علماء میں سے ایک ہیں وہ اسبارے میں علماء اسلام کے اقوال لکھتے ہیں۔

"گیارہویں امامؑ سوائے ایک فرزند محمد الحجۃ المہدی کے اور کوئی فرزند نہیں رکھتے تھے۔ حضرتؑ اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے وقت پانچ برس کے تھے اور خداوند متعال نے آپ کو حکمت کا معدن قرار دیا تھا، آپ حضرت یحییٰ پیغمبر کی طرح عہد طفلی ہی میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح جنہوں نے بالکل بچپنے میں گہوارہ کے اندر مقام نبوت کو حاصل کر لیا، وضاحت کے ساتھ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ تمام پیغمبروں اور پیشواؤں اور بالخصوص پیغمبر اسلامؐ نے صاحب السیف القائم" اور "العبد الصالح" فرما کر آپ کی توصیف فرمائی ہے۔" (الفصول المہمہ ص۲۹۱)

آپ کے ظہور کے ساتھ ہی اسلام کی عدالت گستر حکومت قائم ہوگی اور تمام انسان صلح و صفائی، برادری و برابری کے ساتھ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کریں گے جنگ و جدال، ظلم و جرائم، دروغ گوئی و فضول گوئی، بھوک اور احتیاج سب کی سب جامعہ انسانیت سے رخصت ہو جائیں گی، چاردانگ عالم میں بس امن کا پرچم لہرائے گا۔

اسی کے دن کے انتظار میں ....

سازمان تبلیغات اسلامی
شعبه بین الملل
تهران ص. ب. ۱۱۳۶۵/۷۳۱۸
جمهوری اسلامی ایران

بها : ۱۶۰ ر